Title – KHAWABAAN JAHAN

Creator – Shareef Ahmad Murad

Publisher – Hameediya Press (Delhi).

Date – Not Available.

Pages – 434

Subjects – Tazkira – Khawateen ; Khawateen. Tazkira.

سلسلہ مطبوعات حمیدیہ پریس دہلی

نمبر ۹

کرۂ ارض کی

صدہا حسین خواتین کے

نہایت دلچسپ و عبرت خیز حالات

المسمّٰی

خوبان جہان

مرتبہ

مورخ اعظم مولوی شریف احمد مراد

باخذ اجازت دائمی

جناب خالد میاں صاحب منیجر

رسالہ مولوی نے

حمیدیہ پریس دہلی میں چھپوایا

حمیدیہ پریس دہلی کی مشہور معروف و قابل مطالعہ کتابیں

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
[illegible]اب الاسلام	[illegible]	کیفیت مراسلت	[illegible]	بارہ مجالس	۱۲/	اسلام کی [illegible] کتابیں	
[illegible]ی شریف اسلام کا لبا[illegible]	ے	بہار شباب	عہ	حقائق اسلام	۸/	تعلیم قرآن کی چابی	
[illegible]	۸/	شبستان طرب	۸/	شبیہ اعظم	عہ	[illegible]	
[illegible]	۱۰/	عورت کی زندگی	عہ	تقریرات دوزخ	۱۲/	حکایات اخلاقی کتابیں	
[illegible]	عہ	تقریر کے طریقے	۸/	تسہیل القرآن قاعدہ	۸/	حکایات تاریخی کتابیں	
[illegible]	۸/	ہندوستان کی شہزادیاں	۱۲/	خیر القواعد	۱/	[illegible]	
[illegible]	۶/	قرآن اور سلطان	۱۲/	تفسیر [illegible] سورہ	۸/	سلسلہ تعلیم الاسلام	
[illegible]	۱۰/	کیفیت شباب	۸/	[illegible]	ے	[illegible]	
صحیفہ قدسی	۸/	[illegible]	عہ	تفسیر سورہ یاسین	۸/	دوشیزہ کی جدائی	
بشارت رسول	۸/	جوانی کی سات بہاریں	عہ	تفسیر ام الکتاب	۱۲/	شاہی کوک شاستر	
[illegible] مصری	۸/	عربی کا استاد	۸/	تازیانہ شیطان	۱۰/	خطبات دین محمدی	
خیر القلوب	۸/	الفاروق	۱۲/	شرح کریما	۵/	تاریخ اسلام حصہ اول	
[illegible]وائیں دعائیں	۴/	المامون	۱۲/	تفسیر موضح القرآن	ے	حصہ دوم	
[illegible]فع الامراض	۳/	سیرۃ النعمان	۶/	تاریخ مدینہ	عہ	حصہ سوم	
[illegible]یخ القرآن	۱۰/	الغزالی	۶/	فارسی بول چال	۱۲/	حصہ چہارم	
[illegible]ے سے پہلے	۱۰/	سوانح مولانا روم	۶/	خواب نامہ صدیقی	[illegible]	حصہ پنجم	
[illegible]ے کے لب	۱۲/	بیان خسرو	۴/	بڑی سوانح عمری رسول	۱۲/	کتاب التعریفات	
[illegible]ون تبلیغ	۱۰/	سیرۃ سعدی	۴/	حیات اولیا	۱۲/	[illegible]	
[illegible]ید کربلا	۸/	حیات حافظ	۱۰/	[illegible]	[illegible]	[illegible] شہادت نامہ	
[illegible]ساکوری	۶/	آغاز اسلام	۴/	[illegible] عربیہ	[illegible]	[illegible]	
[illegible]و جیلان	۶/	اسلامی بیان [illegible]	۸/	علم التصریف	۸/	معجزات عشرہ	۱۲
[illegible] نا قہ	۱۰/	[illegible]ت کی باتیں	۱۲/	اردو خط و کتابت	۶/	[illegible]	۱۲

ا

خوبانِ جہاں

نازنینانِ مصر

ارضِ فراعنہ کی نادرۂ کار حسینہ

یوسفؑ دربارِ فراعنہ میں

زلیخا ارضِ مصر کی وہ نازنین اور پری پیکر خاتون ہو گزری ہے جس کے حسن و عشق کی داستانیں آج بچہ بچہ کی زبان پر ہیں اور جس کا ذکر توراۃ اور قرآن کریم میں بھی کسی قدر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زلیخا اپنے وقت میں حسن و جمال اور دلربائی و ناز آفرینی کے اعتبار سے مصر میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ عزیزِ مصر کی بیوی تھی، ملکہ تھی۔ زر و جواہر اور عیش و سامانِ عیش کی ارزانی تھی لیکن ان کامرانیوں اور شادکامیوں کے باوجود کہا جاتا ہے کہ اپنے شوہر کی کمزوری اور طویل العمری کے باعث وہ اکثر کبیدہ خاطر رہا کرتی تھی۔ اُسے اپنے حسن و شباب کی دلفریب بہاروں سے استلذاذ کا پورا موقع کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ فراوانیٔ عیش و سرور اور اس پر یہ تلخکامی دل ہی دل میں کڑھا کرتی تھی۔

اتفاقِ وقت سے حضرت یوسفؑ اپنے باپ کے لاڈلے ہونے کے باعث سوتیلے بھائیوں کی آنکھ کا کانٹا بن گئے اور انہوں نے ایک روز

موقعہ پا کر انہیں ایک کنوئیں میں پھینک دیا اور باپ سے آکر کہہ دیا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔ ادھر تو حضرت یعقوبؑ پر غم واندوہ کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا اور ادھر ایک قافلہ کے لوگوں نے انہیں کنوئیں سے نکالا اور مصر لیجا فروخت کر دیا۔ جہاں دربار فراعنہ کے وزیر خزانہ قطفیر نے انہیں خرید لیا اور خرید کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

حجلہ ناز کی سرمستیاں

بادشاہ کے کوئی اولاد نہ تھی اس نے اپنی ملکہ زلیخا سے کہا کہ میں نے اسے بیٹا بنا لیا ہے آپ بھی اسے بیٹا ہی سمجھیں۔ چنانچہ شاہانہ طریق پر حضرت یوسفؑ کی پرورش شروع ہو گئی یہ تحقیق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت ان کی عمر کیا تھی اور یہ کب تک محل شاہی میں رہے۔ البتہ یہ مسلمہ امر ہے کہ آپ نے دائرہ طفولیت سے نکل کر ہیں شباب میں قدم رکھا۔ انبیاء کے مقدس انبوہ میں حضرت یوسفؑ کو حسن و جمال میں وسیع شہرت حاصل ہے۔ چنانچہ زلیخا حضرت یوسف پر ہزار جان سے عاشق ہو گئی۔ ہزار تدابیر کیں مگر آپ پیغمبر زادہ بھی تھے اور پیغمبری کا شرف بھی حاصل ہونے والا تھا اس لئے زلیخا کو کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ زلیخا کے قلب و جگر میں آتش عشق مشتعل تھی۔ اس نے نفسیاتی پہلو سے کام لیکر ایک مکان کو نہایت خوبی و خوش سلیقگی کے ساتھ سجایا اور اسے کچھ ایسے انداز سے آراستہ کیا کہ کیسا ہی بے احساس و افسردہ دل انسان بھی اس کے اندر داخل ہو تو اس کے قلب میں بھی آرزوؤں اور تمناؤں کی ایک شورش پیدا ہو جائے۔ یوسفؑ گھر میں تو رہتے ہی تھے۔ فریب سے زلیخا انہیں وہاں لے گئی اور اندر قدم رکھتے ہی اس پر ایسی از خود رفتگی طاری ہوئی کہ وہ یوسف سے دیوانہ وار لپٹ گئی۔ منظر تھا نہایت ہی جذبات اور شورش انگیز۔ یوسف بھی انسان تھے اور پھر شباب و نوجوانی کے

نشے سے مخمور!

ان کے قلب میں بھی جذبات کا ایک طوفان پیدا ہو گیا کہ زلیخا اپنے تابانی حسن و دلبری کے ساتھ دلہن بنی ہوئی ایک مست شباب بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن اللہ نے بچا لیا۔ اسی وقت تنبہ ہوا اور ان کا دامن پاک رہ گیا۔ اسی ہال میں ایک بت رکھا ہوا تھا جس پر زلیخا نے ایک پردہ ڈال رکھا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے پوچھا کہ اس پردے کے پیچھے کیا ہے؟ بولی بت ہے۔ مجھے اس سے شرم آتی تھی۔ اس لئے میں نے اس پر پردہ ڈالدیا۔ یہ ایک غیبی انتباہ تھا۔ فرمایا ؎

مرا شرم نہ آید زپروردگار		ترا شرم آید بت نابکار

حضرت یوسف بے تحاشا دروازہ کی طرف بھاگے۔ زلیخا نے دوڑ کر پیچھے سے دامن پکڑ لیا جو اس کے ہاتھ ہی میں رہ گیا۔

حسن عالم آشوب کی سحر پاشیاں

اتنے ہی میں عزیز مصر آگیا۔ زلیخا نے حواس درست کر کے برجستہ کہا اس شخص نے میری آبرو پر حملہ کیا ہے۔ اس وقت جو مشیر حکومت عزیز مصر کے ساتھ تھا۔ بولا آپ متردد نہ ہوں۔ دامن ملاحظہ کریں آگے سے پھٹا ہو تو یوسف قصور وار اور پیچھے سے دریدہ ہو تو زلیخا مجرم! دامن پیچھے ہی سے پھٹا تھا زلیخا نادم ہو کر خاموش ہو گئی۔ مگر ملکہ تھی اور محبت بھی تھی بہت کچھ نہ کہہ سکا اور نہ کچھ کیا۔ مگر واقعہ پوشیدہ نہ رہا اور زنان مصر میں عام چرچے شروع ہو گئے۔ اور زلیخا کو طعنے دیئے جانے لگے۔ زلیخا جتنی پری پیکر اور حسین تھی اتنی عقلمند اور ذی ہوش بھی تھی اس نے اس الزام سے بریت کے لئے تمام امیر زادیوں کی ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا۔ محل کی تزئین اور آرائش میں نہایت سرگرمی سے کام لیا۔ گراں بہا فرش و فروش اور جھاڑ فانوس سے کمروں کو آراستہ کیا۔ دیبا و حریر کے

پردے آویزاں کیے گئے اور تمام مکان کو نمونۂ جنت بنا دیا۔ ان میں مکلف دسترخوان بچھائے گئے انواع و اقسام کے لذائذ و نعائم ان پر چن دیے گئے۔ خوشنما پھولدار گلاسوں میں شراب ارغوانی قرینے سے رکھی گئی

جب کھانے سے فراغت ہوئی اور میوہ خوری کا وقت آیا تو ہر امیرزادی کے سامنے ایک ترنج شیریں اور چھری لاکر ڈال دی گئی کہ گھنٹی بجتے ہی اسے سب تراشکر کھانا شروع کر دیں۔ اس کے بعد زلیخا نے کہا کہ خاتونان محترم! میں نے سنا ہے کہ آپ مجھے یوسف پر فریفتگی کا متہم قرار دے رہی ہیں، بولیں بیشک! ہم نے ایسا کیا ہے آپ کا حسن و جمال تو وہ ہے جس پر فرشتے نثار ہوں۔ دیوتا قربان ہوں۔ شاہانہ عظام کی حریصانہ نظریں پڑیں پھر آپ ایک رتبہ بلند کی حامل آپ کا یہ منصب تھا کہ آپ اپنی دلربائی و دل آرائی کو ایک غلام کے قدموں پر ڈال دیں اور اُسے اپنی محبت کا مرکز بنائیں۔

نازک انگلیوں سے خون کی بوندیں

عین اسی وقت اس کے اشارہ پر حضرت یوسفؑ آراستہ صورت اور زرق برق لباس میں سامنے لائے گئے۔ طلوع آفتاب کا وقت تھا دروازہ سے برآمد ہوتے ہی آفتابی شعاعوں نے آپ کے چہرے کو اور منور کر دیا پھر تو یہ حالت ہوئی کہ زنان مصر از خود رفتہ ہو گئیں اٹھی ہوئی نظریں اٹھی رہ گئیں اور عالم وارفتگی میں انہوں نے چھری سے ترنج تراشنے کے بجائے اپنی انگلیاں مجروح کر لیں۔ وفور شوق نظارہ میں کسی کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ ان کی بلوری اور نازک انگلیوں سے خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔ زلیخا کی فتح ہو چکی تھی مگر تمام خواتین ہنوز مبہوت و مدہوش تھیں۔ زلیخا نے مسکرا کر کہا کیوں بولو کیا ہوا؟ یہ تم سناٹے میں کیوں آ گئیں؟ خاموش کیوں ہو گئیں۔ یہ کوئی شہزادہ تو نہیں

امیر زادہ تو نہیں وہی غلام تو ہے جس کی محبت و عشق کا الزام میری سفید و مرمریں پیشانی کا داغ بنا ہوا ہے۔ بولو۔ بولو اب مجھے الزام دو۔ مگر ذرا اپنی کٹی ہوئی انگلیاں چھپا کر الزام دینا۔

سب نے بالاتفاق جواب دیا واقعی آپ بے قصور ہیں اس غلام کا حسن حقیقت میں نہ صرف دلفریب بلکہ تقویٰ شکن اور دلربا ہے اور ہم نے جو آپ کو متہم کیا الزام دیا وہ ہماری اپنی غلطی تھی۔ اس غلام کا حسن تو اپنی عالم آشوبی میں اپنی نظیر آپ ہے۔

حسن و عشق کا عدیم المثال نظارہ

زلیخا بولی۔ یہی ہے تو آپ اپنی صنفی ہمدردی سے کام لیکر میری بیچارگی عشق پر اتنا کرم فرمائیں کہ اس جوان رعنا سے میری سفارش کریں اگر اس سے وصل نہ ہوا تو میری زندگی جہنم ہو جائے گی لیکن کرشمہ حسن اور سحر جمال ملاحظہ فرمائیے کہ سب نے یوسف کو اپنے حسین جھرمٹ میں لے لیا وہ زلیخا کی وکالت ضرور کر رہی تھیں لیکن ان کا درپردہ مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف کے حسن گلوسوز کے نظارہ سے اپنے شوق دیدار کی تسکین کا سامان پیدا کریں۔ ان میں سے بعض تو ایسی بیخود ہوئیں کہ وکالت کے بجائے خود انہیں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں۔ مصر نے حسن و عشق کا جوشاندار نظارہ پیش کیا پوری دنیا اس کے پیش کرنے سے قاصر ہے اور جگہ تو ایک ہی پیکر مرکز نظر حسن ہوتا لیکن یہاں عاشق و معشوق دونوں اپنے حسن و جمال میں یگانہ عصر اور محسود روزگار تھے پھر یہ کتنا موثر نظارہ تھا کہ ایک آراستہ و مزین ہال میں حضرت یوسف زرق برق لباس میں ملبوس ایک مصور حسن بنے کھڑے تھے اور ارض مصر کا تمام کا تمام حسن ایک سیلاب جمیل کی صورت میں اُن پر امنڈ آیا تھا۔

ہر چند تو ان نازنین و ناز آفرینی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ مگر نازنین

اپنی جگہ اپنا جواب آپ تھی اور سب کی سب یوسفؑ کو اپنے دل یا جگر میں لیے کھڑی تھیں سب پر ایک محویت طاری تھی سب کے قلوب میں ایک شورش عشق برپا تھی۔ ہر طرف برق ہائے حسن کوند رہی تھیں اور سارا محل ایک وادی ایمن بنا ہوا تھا۔ اس وقت کوئی بھی انسان ہوتا اور شباب کے دلفریب دور اس پر گذر رہے ہوتے تو وہ خود کو قابو میں نہ رکھ سکتا تھا مگر حضرت یوسفؑ بہت بڑی چیز تھے۔ پیغمبر زادے تھے اللہ کے پیارے تھے۔ اس لئے ان پر کسی کا زور نہ چلا اور یہ طلسم حسن کا ایک عظیم الشان منظر ان کی "ایک نہیں"، پر قربان ہو کر رہ گیا۔

حسن مایوس کی قہرباریاں

حسن جب مایوس ہوتا ہے تو اس کا قہر و غضب بھی بے پناہ ہوتا ہے۔ آخر زلیخا نے مایوس ہو کر یوسفؑ کو جیل خانہ بھجوا دیا۔ جہاں پورے سات برس قید کی کڑیاں جھیلتے رہے۔ اس دوران میں بھی زلیخا کے پیغام برابر پہنچتے رہے کہ تیرا ایک اقرار جیل تجھے اس مصیبت سے نکال کر عرش عزت و عیش پر فائز کر سکتا ہے۔ مگر اس "عنقا"، کا آشیانہ بہت بلند تھا۔ قید خانہ میں حضرت یوسفؑ سے بہت سے معجزے سرزد ہوئے۔ رہائی کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو تخت مصر کا مالک بنا دیا۔ بادشاہ ہو کر حضرت یوسفؑ نے اپنے سنگدل بھائیوں کے ساتھ بھی شاہانہ سلوک کیا۔ اپنے باپ حضرت یعقوبؑ کو بھی کنعان سے بلا لیا۔ جو ان کے عشق میں روتے روتے اندھے ہو گئے تھے اور جن کی آنکھوں میں بیٹے کے سامنے جاتے ہی روشنی عود کر آئی۔ زلیخا کا عشق سچا عشق تھا۔ جس میں وہ اپنا حسن واقتدار سب کچھ کھو چکی تھی اور اب کوچہ و برزن میں "یوسف" "یوسف" پکارتی پھرتی تھی۔ حضرت کبھی اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے آخر مصیبت زدوں کے حقیقی حامی اور ضعیفوں کے مولا خدا نے

تبارک تعالیٰ کی جناب میں اس کی گریہ وفریاد مقبول ہوئی۔ یوسفؑ کو حکم ہوا کہ زلیخا سے عقد کرو۔ یہ معجزہ یوسفی تھا کہ نکاح ہوتے ہی زلیخا کا حسن وشباب پھر پوری تجلیوں پر آ گیا۔ مگر اب زلیخا وہ زلیخا نہ تھی جو بتوں کے سامنے سر جھکاتی۔ اس کے بعد اس کی زندگی میں بھی ایک زبردست انقلاب ہو گیا۔ جہاں وہ رات دن حضرت یوسفؑ کی کنیزانہ خدمت کرتی رہی۔ وہاں بقیہ تمام وقت اس نے عبادت الٰہی میں بھی بسر کرنا شروع کر دیا۔

مصر کی کافر ماجرا فلاسفر

ولادت وعلم وفضل ہائی پیشیا ارض مصر کی ایک مشہور فاضلہ روزگار اور صاحب جمال خاتون تھی، اور یہودی النسل اور یہودی المذہب تھی۔ سکندریہ میں کتم عدم سے پردۂ وجود پر جلوہ گر ہوئی اس کی ماں بھی بہت حسین اور تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ اور باپ (سقیون) بھی بہت بڑا فاضل اجل تھا اور ریاضی میں تو اسکا شہرہ حدود مصر سے نکلکر روم تک پہنچ چکا تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت تو ماں کے آغوش میں ہوئی۔ اس کے بعد لائق باپ نے اپنی اس اکلوتی بیٹی کو نہایت اہتمام و توجہ سے خود تعلیم دینی شروع کی۔ چونکہ فطرتاً نہایت ذہین و ذکی لڑکی تھی اس لئے اس نے بہت جلد مراحل علم طے کرنا شروع کر دیئے اور ابھی پندرہ برس کی عمر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ جملہ علوم و فنون متداولہ میں فاضل ہو گئی۔ اور ہیئت و ریاضی اور فلسفہ میں تو وہ کمال پیدا کر لیا کہ کچھ ہی عرصہ بعد مصر بھر میں اس کا کوئی ثانی نہ رہا اور ان علوم میں اس نے جو تصانیف کیں وہ یونان و روما تک میں عزت کے ہاتھوں لی گئیں۔ اب علم وفضل اور فلسفہ و ریاضی میں اس کا وہ درجہ تھا

کہ دور دراز سے تشنگانِ علوم آتے اور اس چشمہ سے سیراب ہوتے۔ پہلے
اُس نے ایتھنیہ میں درس دینا شروع کر دیا اور اس کے بعد اسکندریہ میں اس نے
ایک درسگاہ قائم کی جس نے بہت جلد ایک عالمگیر شہرت اختیار کر لی۔
اب تو یہ حالت تھی کہ اسکندریہ

تبحر علمی، اخلاقی کی یادرشان

کی اس درسگاہ فلسفہ میں
بلغاریہ، روما، شام، کنعان اور عراق و ایران تک کے طلبا فلسفہ و
ہیئت کی تعلیم کے لئے آنے لگے۔ ہائی پیشیا جتنی زبردست فاضلہ
تھی اتنا ہی اس کا طریقہ تعلیم نہایت عمدہ اور بلند تھا۔ وہ باتوں باتوں
میں بڑے بڑے علمی و فنی نکات و اسرار حاصل کر کے رکھ دیتی تھی اور اس
کے درس میں کئی ہزار طلبا شریک ہوتے تھے۔ ہائی پیشیا کو مصر پر
فخر تھا اور مصر کی شہرت ہائی پیشیا کے نام سے وابستہ تھی۔ اس کی
صحبت میں ہر وقت بڑے بڑے فضلاء کا ہجوم رہتا تھا۔ عوام اس
کے نام کے گرویدہ تھے۔ امراء کے لئے اس کی علمی صحبتوں میں شرکت بڑے
شرف و شہرت کا باعث تھی۔ اس کے دروازہ پر گھوڑوں، گاڑیوں،
نوکروں، شاگردوں، طالب علموں اور غلاموں کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا۔
مصر بھر میں اس کی عزت تھی اور ملک بھر میں اُسے مرکزی حیثیت
نصیب ہو گئی تھی۔ ہر شخص اُسے وقعت و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ علوم
و فنون میں اتنا بلند مرتبہ حاصل کرنے پر بھی اس کی طبیعت میں سرمو غرور
پیدا نہ ہوئی تھی۔ اُسے بالکل غرور نہ تھا۔ نہایت با اخلاق۔ خوش مزاج
اور فصیح البیان خاتون اور مرنجان مرنج پالیسی کی حامل تھی۔

حسن و جمال کا ایک پیکر جلیل

ان محامد و محاسن کے علاوہ ہائی پیشیا
حسن و ناز آفرینی اور جمال و دلفریبی
میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے وہ حسن و جمال عطا کیا تھا

کہ جس طرف سے گذرتی تھی اُدھر ایک رونق پیدا ہو جاتی تھی۔ جو نظر پڑتی تھی پڑ کر اُٹھ نہ سکتی تھی۔ وہ اپنے سادہ اور عالمانہ لباس میں جنت کی ایک حور نظر آتی تھی اگر اسکا علمی مرتبہ اتنا بلند نہ ہوتا اور وہ اس قدر سے درجہ تقدس و احترام حاصل نہ کر چکی ہوتی تو یقیناً اس شمع جہاں افروز کے گرد ہزارہا پروانوں کا ہجوم رہتا اور بیشمار عشاق اپنے جان و دل اسکی نذر کرنے کے لئے سامنے آ جاتے۔ چونکہ اس کے حسن بے مثال میں علمی شان اور ایک معصومانہ رنگ نمایاں تھا۔ ایک وجاہت کی شان تھی۔ ایک وقار تھا۔ اس لئے کوئی اس کے حسن و جمال کے گلشن سے گلچینی کا تصور نہ کر سکتا تھا۔ یہ جرأت تو بڑے بڑے امیرزادوں ہی کی ہو سکتی تھی مگر وہ بھی اتنے بلند مرتبہ والی ماہ پیکر سے اظہار عشق کرتے ہوئے ڈرتے تھے اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مصر کے اندر بہت سے ایسے امیرزادے اور بڑے لوگ تھے جو اس آرزو میں بیتاب رہتے تھے کہ اس فقید المثال حسینہ کو وہ اپنے کاشانہ عیش کی شمع بنائیں۔ انہی لوگوں میں حاکم اسکندریہ سائرل بھی تھا جو ابتدا سے اسی سعی میں مصروف تھا کہ کسی طرح ہائی پیشیا کے چمن حسن کی بہار لوٹے۔

سائرل کی عاشقانہ وارفتگیاں

سائرل عیسائی تھا اور عیسائی بھی پادری۔ ہائی پیشیا یہودی تھی دونوں میں شادی کا کوئی امکان نہ تھا ویسے وہ اس کے ہتھے چڑھ نہیں سکتی تھی۔ اس نے اپنے زعم و اقتدار میں بہت سی تدابیر کیں کہ کسی طرح ہائی پیشیا اس کے قابو میں آ جائے۔ کئی بار دھوکے اور فریب سے تنہائی میں بلا کر اس کی بہار حسن ناجائز طور پر بزبردستی لوٹ لینے کی کوشش کی۔ عشق نے اس نے دیوانہ بنا رکھا تھا۔ جب اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور وہ اس نازنین کو اپنے شیطانی منصوبوں کا شکار نہ بنا سکا

تو اس کی ساری وارفتگیاں اور جنون خیزیاں بغض و عداوت میں تبدیل ہو گئیں۔ اور اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ اگر میں اس کے شباب و حسن کی رعنائیوں سے بہرہ مند نہ ہو سکا تو اور کسی کو بھی یہ موقع نہ دونگا کہ وہ اس کے وصل و جمال کی لذتوں سے عیش اٹھا سکے۔ چنانچہ اس نے ہر اس شخص کو تنگ کرنا شروع کر دیا جسے وہ اس پری پیکر کے دامِ گیسو کا اسیر سمجھتا تھا۔ یا جس کے متعلق اُسے گمان ہوا کہ ہائی پیشیا اس کی شریک زندگی بن سکتی ہے۔

یہود اور عیسائیوں میں فساد

سکندر کے وقت سے اسکندریہ میں یہودی امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے اور اس وقت اُن کی تعداد چالیس ہزار سے متجاوز ہو چکی تھی۔ سکندر ہی نے انہیں یہاں لا کر آباد کیا تھا۔ رومیوں نے بھی بعد کو ان سے کوئی تعرض نہ کیا تھا۔ اور انہیں رومی عہد میں بھی تمام شہری حقوق حاصل تھے مگر ہائی پیشیا کا لازوال حسن اور سائرل کا عشق اُن کی تباہی کا عنوان بن گیا۔ سائرل نے مایوس ہو کر عیسائیوں کو بھڑکانا شروع کیا جس کی وجہ سے ایک روز ایک تماشا گاہ کے اندر دونوں قوموں میں کسی امر پر اختلاف پیدا ہوا جس نے حاکمانہ ریشہ دوانیوں سے بہت جلد ایک ہنگامۂ عظیم کی صورت اختیار کر لی۔ سائرل کو یہودیوں کی تباہی کا موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔ اس نے فوراً یہودیوں کو باغی قرار دیدیا۔ حسنِ اتفاق سے قیصر تھیوڈوسس کی طرف سے جو اسکندریہ کا دوسرا حاکم مقرر ہو کر آیا تھا وہ علم دوست ہونے کی وجہ سے ہائی پیشیا کی بھی بہت عزت کرتا تھا اس کی علمی صحبتوں میں بھی شریک ہوتا تھا۔ نیکدل بھی تھا اور با اعتبار عقائد بھی سائرل کے خلاف تھا اس نے فوراً مداخلت کی اس نے سائرل کے ایک آدمی کو پکڑ کر تکالیف دینی شروع کیں کہ

وہ بتائے کہ اس فساد کے محرکات کیا تھے۔

سائرل نے اسے ایک فرقہ وارانہ صورت دیکر عیسائیوں کو بھڑکا دیا جنہوں نے اس کے ایماء پر یہودیوں کو لوٹ لیا اور ان کے تمام عبادت خانے منہدم کر دیئے۔ دوسری طرف سائرل نے یہودیوں کے اخراج کا حکم دیدیا۔

سائرل کی حیات مغرور کا اجمالی خاکہ

ہائی پیشیا خود یہودی تھی اور یہ اس شہر اور اس کی قوم کے لئے ایک شدید حادثہ تھا۔ حاکم اسکندریہ نے ہائی پیشیا کو اطمینان دلا دیا اور یہودیوں کی حمایت میں عیسائیوں اور سائرل کے خلاف قیصر کو ایک زبردست رپورٹ کر دی لیکن سائرل کا اقتدار بہت بڑھا ہوا تھا۔ سائرل نہایت مغرور، اقتدار پسند اور بدباطن شخص تھا۔ اسکا چچا تھیوفلوس اسکندریہ کا لاٹ پادری تھا۔ جب سائرل نے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد رہبانیت اختیار کی اور دشت و بیابان میں مسکن اختیار کیا ہے تو تھیوفلوس نے اس کی مخالفت کی تھی۔ مگر وہ اسوقت نہ مانا۔ اس کے باوجود وہ دنیوی عیش کی آرزو سے سرشار تھا۔ اور اس نے محض اپنا تقدس جتانے کے لئے انکار کیا تھا۔ دوسری مرتبہ جو چچا نے بلایا تو وہ بلا تامل رہبانیت ترک کر کے اسکندریہ چلا آیا۔ تھا قابل اور چالاک شخص اپنے چچا کی زیرِ سرپرستی واعظانہ کہنے شروع کر دیئے اور اتنی بات پیدا کر لی کہ اس کے چچا کے مرنے پر اس عہدہ کے لئے متعدد ذی اثر پادری کھڑے ہو گئے مگر عوام نے ایسا اشتعال انگیز رویہ اختیار کیا کہ سائرل ہی کے انتخاب پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

لاٹ پادری ہوتے ہی سلطنت کے ضعف سے فائدہ اٹھا کر اس نے دیوانی اور فوجداری اختیارات پر بھی قبضہ کر لیا اور اسے اتنا

اقتدار حاصل ہو گیا کہ حاکم اسکندریہ نے ہائپاشیا کے خلاف جو رپورٹ کی تھی اس پر کمزوری سلطنت کے سبب قیصر کوئی کارروائی نہ کر سکی بلکہ دونوں میں مصالحت کرانے پر زور دیا گیا۔

سائرل ویسے ہی حاکم اسکندریہ سائرل کی پادریانہ معاندانہ تعصب کے آنے سے جلا پڑا اکتایا ہوا تھا کی اس حمایت اور ہائپاشیا کی دوستی سے اور جل کر کباب ہو گیا۔ خوب جانتا تھا کہ مرکز حکومت پر اس وقت ضعف کا عالم طاری ہے۔ اس لئے وہ دھڑلے سے اپنی شرارتوں میں سرگرم رہا۔ اس نے حاکم شہر کی گاڑی پر عین شاہراہ عام پر حملہ کرا کے اسے مجروح کرا دیا اور جب حملہ آور پادری کو عوام نے قتل کر دیا تو سائرل خود اس کے جنازہ میں شریک تھا اور اسے شہید قرار دے رہا تھا مصر والوں کو علم ہو گیا کہ شہر کے پادری اور حاکم دونوں میں شدید عناد ہے جس کی بنا صرف ہائپاشیا ہے کہ ایک اسکا جانی دشمن اور دوسرا اسکا دلی دوست ہے لیکن عوام اب بھی ہائپاشیا کی عزت کرتے تھے اور سائرل علانیہ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتا تھا۔ تاہم اس نے ایک مقتدائے دین کی حیثیت سے فلسفہ و ہیئت کو عیسائیت کے خلاف قرار دیا اور ہائپاشیا کے خلاف پادریوں اور عیسائیوں کو بھڑکانے لگا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک پادری پطرس اس کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ سائرل نے اُسے دعائیں دیں، جنت میں بھجوانے کا وعدہ کیا اور فرمایا کہ جس طرح ہو اسے قتل کر کے ثواب حاصل کرو۔ غریب ہائپاشیا پر یہ دور ویسے ہی بہت سخت تھا اور پادری اور حاکم کی جنگ کے بعد تو اسکا اس طریق پر گھر سے نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ سائرل کے آدمی متواتر اس پر حملہ کر چکے تھے مگر عوام نے اُسے بچا بچا لیا تھا تاہم شدید خطرہ لاحق ہو چکا تھا۔ سائرل کی جمعیت کے عیسائی ہائپاشیا

کی جان کے لاگو بنے ہوئے تھے سائرل اس کے خون کا پیاسا بنا ہوا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد اسکا خاتمہ ہو جائے تا کہ اسے بھاگ کر جان بچانے اور کسی دوسرے کا شانۂ عیش کی شمع بننے کا موقع حاصل نہ ہو۔

حسنِ جہاں آرا کی قیمت

اس تمام دوران میں بھی سائرل کے محرمانِ خاص اس فاحشہ روزگار اور نازنینِ مصر کو خفیہ طور پر یہ پیغام پہنچاتے رہے کہ اگر اب بھی تم سائرل سے معشوقانہ روابط قائم کر لو تو تم اور تمہاری قوم کھوئے ہوئے اطمینان کو حاصل کر سکتی ہو ورنہ تمہیں انتہائی بیدردی کے ساتھ پیوندِ زمین کر دیا جائے گا۔ یہ حور وش اسکا یہی جواب دیتی کہ میرا عشق کسی قیمت پر نہیں خریدا جا سکتا۔ اور نہ یہ فروخت کرنے کی کوئی چیز ہے۔ البتہ ویسے میں اُن کی رعایا اور تابعدار ہوں۔ سائرل کو بھلا اس جواب سے کیا اطمینان ہو سکتا تھا اسکا غصہ برابر بھڑکتا رہا۔ اگر حاکم اسکندریہ اسکا طرفدار اور دوست نہ ہوتا تو وہ اسے کبھی کا ملا نیمروا چکا ہوتا۔ اور ہائی پیشیا کے علاوہ اگر اور کوئی ماہ رو ہوتی تو وہ ضرور اس کی ہوا و ہوس کا شکار ہو کر رہ گئی ہوتی۔ وہ اسپر اور کوئی تو الزام لگا ہی نہ سکتا تھا نہ بیوی بنا سکتا تھا اور نہ یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ میری زینتِ آغوش بننے سے انکار کرتی ہے اسلئے اس کے فلسفہ و فضیلت کے خلاف فتویٰ دیکر ہی عیسائیوں اس کے قتل پر ابھارا۔

ایک روز جو وہ اپنے مکان سے نکلی اور سائرل کو پتہ لگا تو اس نے فی الفور پیٹرس کو مامور کیا جو ایک جمعیت ساتھ لئے ایک طرف چھپا رہا اور جونہی یہ مہ پارہ گاڑی سے اتری اور چاہا کہ گھر کے اندر قدم رکھے کہ ان لوگوں نے اس نازنین کو دبوچ لیا اور بیدردی کے ساتھ کھینچتے ہوئے اور اس کے سیمیں جسم کو مجروح کرتے برابر کے ایک گرجا میں لے گئے جہاں

اس کو گوناگوں عقوبتوں کے بعد مار ڈالا۔ اس قساوت و درندگی کو ذہن میں لائیے کہ اتنی بڑی فاضلۂ زماں اور حسینۂ جہاں کی پہلے آنکھیں پھوڑی گئیں پھر زبان کھینچ لی گئی اور پھر اس کے زندہ جسم سے اس کا گوشت اتارا اور نوچا گیا اور اسے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ایک ایک بوٹی کرکے ڈال دیا گیا۔ جس کی ظاہری خطا اس کی فضیلت علمی اور باطنی جرم ناجائز تعلق سے انکار تھا۔ یہ ہولناک قتل بھی یورپینوں کے قدیم علمی تعصب کی ایک لرزہ خیز داستان ہے جس پر آج مغربی مورخ بھی اشک فشاں ہیں۔ کتنے بیدرد اور قسی القلب تھے وہ عیسائی پادری جنہوں نے اس یگانۂ عصر مہ پارہ فلسفی فاضلہ عدیم المثال خطیب اور فصیح البیان خاتون کو انتہائی عقوبتوں کے ساتھ نابود کر دیا۔

دنیا کی حسین ترین مصری ملکہ

خاندانی وقار و عظمت

ہائی پیشیا کے ذکر کے بعد اب ہم ارض مصر کی ایک ایسی پرکیف عورت کی داستان حسن و عشق بیان کرتے ہیں جو مصر ہی کی نہیں دنیا کی تاریخ حسن و جمال میں بلند مرتبہ رکھتی ہے اور ایک عالمگیر شہرت کی حامل ہے کیونکہ اسے دنیائے حسن اور دنیائے سیاست دونوں میں ایک امتیاز خصوصی حاصل ہے لیکن عصمت و عفت کے اعتبار سے وہ اتنی ہی فرو تر ہے جتنی کہ وہ حسن و ناز آفرینی اور شاہانہ سطوت کے لحاظ سے بلند تر ہے۔ اس کا نام کلوپیٹرا ہے۔ یہ اس بطلیموسی یونانی خاندان کی چشم و چراغ اور ملکہ تھی جسے قدیم خاندان فراعنہ کے کھنڈروں پر بطلیموس لاغوس نے مصر میں قائم کیا تھا۔ اس یونانی شاہی خاندان کے تمام کے تمام فرمانروا علم و فضل میں بھی بڑی شہرت رکھتے تھے اور قدیم نظام ملکی بھی انہی کا قائم کیا ہوا تھا۔ اسی خاندان کے

آخری بادشاہ اولیطس کی بیٹی کلوپیٹرا تھی۔

چونکہ کلوپٹرا لیاقت و دانائی تدبر و فراست اور ذہانت و ہوشمندی میں ایک استثنائی حیثیت کی حامل تھی۔ اس لئے اولیطس اس سے بہت محبت رکھتا تھا اور اسی محبت کی بنا پر وہ یہ وصیت کرکے مر گیا کہ میرے بعد کلوپٹرا اور اسکا بھائی بطلیموس دونوں متفقہ طور پر حکومت کریں وہ خوب سمجھتا تھا کہ اس وقت سلطنت روما کا اقتدار روز افزوں ہے توسیع حدود حکومت جس کی پالیسی کا ایک خاص جزو ہے۔ جمہوریت کا خاتمہ بھی ہو چکا ہے اور جولیس سیزر ایک مطلق العنان حکومت کا مالک و مختار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور اس طرف رخ کرے گا اور بطلیموس تنہا اس کی ملک گیرانہ ہوس کا حریف نہیں بن سکیگا۔ البتہ کلوپٹرا اپنی ذہانت و تدبیر سے سلطنت کو ہاتھ سے نہ نکلنے دیگی۔ اسی لئے اس نے یہ انتظام کیا تھا

بھائی بہن میں حریفانہ جنگ

بھائی بہنوں میں محبت بھی زیادہ تھی لیکن دولت و امارت کی ہوس نے قرابت و محبت کی تمام طلائی زنجیریں ہمیشہ ایک جھٹکے میں توڑ کر رکھدی ہیں۔ دو فقیر ایک کملی میں گذر کر سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک دنیا میں بھی لڑے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بطلیموس باپ کے انتقال کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا نہ کر سکا کہ کوئی دوسرا اس کی پر شکوہ سلطنت کا سہیم و شریک ہو خواہ وہ اس کی لائق اور فاضل اور حقیقی بہن ہی کیوں نہ ہو چنانچہ اس نے سریر سلطنت پر متمکن ہوتے ہی پہلے اپنی بہن ہی کے اخراج کا حکم صادر کیا لیکن بہن اور کلوپٹرا جیسی بہن کب خاموش رہ سکتی تھی اس نے بڑی ہوشمندی و تدبیر سے کام لیکر ایک عظیم فوج مقابلہ کے لئے تیار کر لی جس میں یقیناً کلوپٹرا ہی کامیاب ہوتی۔ لیکن پامپی کے تعاقب میں جولیس سیزر کے اچانک مصر

میں داخل ہونے سے میدانِ جنگ کا نقشہ یکایک بدل گیا۔

بطلیموس نے قیصر کے ورود کی خبر پاتے ہی قیصر کے حریف پامپی کا سر اس کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ خوش ہو کر واپس جانے ہی کو تھا کہ بطلیموس نے اپنی بہن کے تباہ کرنے کے لئے اس سے اعانت و امداد کی درخواست کی۔ قیصر ممنون ہو ہی چکا تھا اس نے فوراً یہ درخواست منظور کر لی اور اس کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔ کلوپٹرا یہ سنتے ہی بدحواس ہو گئی اسکندریہ پہنچی لیکن بطلیموس پہلے ہی اپنا کام کر چکا تھا۔ اسے قیصر کے دربار تک کسی طرح بھی رسائی نہ ہو سکی۔

حسنِ عالم افروز کا پہلا کرشمہ اب وہ وقت قریب تھا کہ کلوپٹرا کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے جب کوئی تدبیر بر روئے کار نہ لائی جا سکی تو کلوپٹرا نے اپنے عدیم المثال و تقویٰ شکن حسن و جمال سے کام لینے کی سوچی سمجھتی تھی کہ قدرت نے اسے وہ لاثانی حسن عطا کیا ہے جس کی ایک جھلک اور ایک برق افگن تبسم ایک مضبوط سے مضبوط قلبِ انسان کو اسکا دیوانہ بنا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ ایک تاجر کے گراں بہا کپڑوں کے صندوق میں بند ہو کر دربارِ قیصری میں پہنچ گئی اور پہنچتے ہی اس نے کچھ اس انداز و ادا اور اس درد و سوز کے ساتھ اپنی مصیبت و مظلومی کی داستان چشم گریاں بیان کرنی شروع کی کہ قیصر اور اس کے تمام درباری مبہوت ہو کر رہ گئے۔

ایک تو اس کا عالم آشوب حسن و جمال اور اس پر پورے زور و فصاحت کے ساتھ تقریر اور وہ بھی غزالیں آنکھوں میں گوہرِ اشک کا ایک دریا لئے ہوئے قیصر فرطِ ادا کی تاثیر سے از خود رفتہ ہو گیا سب کچھ بھول گیا اور اسی وقت اس کی حمایت اور پوری اعانت کا اقرار بھرے دربار میں کر لیا۔ رات کو کلوپٹرا اس کے آغوش شوق میں تھی

اور صبح ہوتے ہی بطلیموس غریب دریائے نیل میں غوطے دے دیکر مارا جا رہا تھا اور شہر میں منادی ہو رہی تھی کہ ارض مصر کی واحد مالک و ملکہ صرف کلوراپٹرا ہے۔ جو کام بطلیموس کی قہار فوجیں اور کلوراپٹرا کا لشکر جرار برسوں میں بھی نہ کرسکتا تھا وہ حسن کی دلربائیوں اور نازآفرینیوں نے ایک لمحے کے اندر کردیا اور ملک کا ملک فتح کرلیا۔ سلطنت جیت لی حسن نے پایا اور عشق نے کھو دیا۔

قیصر مذبح عشق پر

قیصر روما سے جمہوریت کا خاتمہ کرکے اپنے حریفوں کے تعاقب میں مصر آیا تھا مگر کلوراکے عشق میں دنیا ومافیہا سے غافل ہوکر پورے دو برس تک اُسے اپنے آغوش تمنا میں لئے رہا۔ اس عرصہ میں اس کے جمہوریت پسند دشمن تقویت حاصل کرگئے دو برس کے بعد قیصر روما میں ضرور بڑی شان وشکوہ کے ساتھ داخل ہوا مگر اس کی مدہوشانہ عیش پرستی کی بدولت میدان ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ چنانچہ وہ علانیہ قتل کردیا گیا۔ یہ اس کے حسن عالم آشوب کی دوسری ستمبر تھی۔ قیصر کے بعد اس کے بھانجے کے بیٹے آکٹس نے تخت وتاج کے لئے جنگ شروع کی۔ دوسری طرف اس کا وفادار جنرل انطونی ایک عظیم الشان لشکر لئے ہوئے قیصر کے انتقام کے لئے اُٹھا اور بعد کو دونوں نے متحد ہوکر کسسر اور دیگر حریفان معاند کو مغلوب کرکے جنازہ جمہوریت کو پوری گہرائی میں دفن کردیا۔ آکٹس نے مشرقی ممالک کی عنان حکومت انطونی کے سپرد کردی۔ چونکہ مصر پر بھائی بہن کے جھگڑوں میں پھر رومی تولیت قائم ہوگئی تھی۔ اس لئے انطونی نے نہایت سخت حکم صادر کیا کہ کلوراپٹرا فوراً طرطوس پہنچکر جواب دے کہ اس نے کیوں جمہوریت پسندوں سے جنگ کے دوران میں ہماری مدد نہ کی۔

کلوراپٹرا نہایت شان وشوکت کے ساتھ فرمانروائی کر رہی تھی

اور وہ انطونی سے مقابلہ کی کافی طاقت رکھتی تھی۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے کہ آگسٹس بھی انطونی کے ساتھ ہو جائے تو پوری سلطنت روما سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہو جائیگا۔ اس لئے چلو اسے بھی اپنے عدیم المثال حسن کا شکار بنا کر اسیر جمال کر لیا جائے۔

حسین ملکہ کا حسین سفر کلوپترا اسکندریہ سے کچھ اس انداز دلربایانہ کے ساتھ بعازم طرطوس ہوئی کہ ہر طرف ایک شور پڑ گیا جس کشتی میں وہ سوار ہوئی وہ تزئین و آرائش کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھی اس پر طلائی و سیمیں پانی پھرا ہوا تھا اور نہایت قیمتی نقش و نگار تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک چمن کھلا ہوا ہے اس پر ایک نہایت خوشنما اور زر نگار ارغوانی کپڑا (بادبان) پر لپیٹا ہوا تھا جو ہوا کے بھرنے سے نہایت دلکش و دلفریب نظر آتا تھا۔ پتواروں پر رنگ برنگ کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے اور سونے اور چاندی کے پتروں سے ملفوف تھے اوپر زر لفت کا ایک بیحد خوبصورت اور نفیس و شبک شامیانہ تنا ہوا تھا جس میں مقیش کی تابناک جھالریں آویزاں تھیں جو شعاع آفتاب سے بڑی جگمگا رہی تھیں۔

کشتی کی شکل و شباہت سیمرغ جیسی تھی اس کے اندر ہر قسم کی آرائش اور آراستگی سے کام لیا گیا تھا وسط میں سونے کا مکلف مجوا ہر تخت بچھا ہوا تھا جس پر وہ مرصع زیورات اور گرانبہا جوڑا پہنے اور شاہی تاج اوڑھ ایک عجیب انداز و ادا کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ چپہ چپہ پر رنگ برنگ کے جواہرات ٹکے ہوئے تھے جن کی درخشانیوں نے اس کے حسن جہاں سوز کو اور پر لگا دیے تھے اور چہرۂ زیبا پر نظر نہ ٹھہرتی تھی اس کے ارد گرد کئی سو پری تمثال دوشیزہ نازنینوں کا جھرمٹ تھا کمسن اور حسین لڑکیاں دونوں جانب کھڑی ہوئی مورچھل ہلا رہی تھیں جس وقت وہ سمندر

سے دریائے قدنوس کے دہانے میں داخل ہوئی ہے اور لوگوں نے دیکھا کہ کلوپرا اپنے تخت طلائی پر مرصع تکیہ لگائے بیٹھی ہے اور صدہا مہ پارہ رنگ برنگ کے ملبوسات میں ملبوس اس کے جلو میں حاضر ہیں اور کئی سو مہ جبین دریا میں اُتری ہوئی کشتی کو سنبھالے ہوئے ہیں تو ایک شور برپا ہو گیا کہ آسمان سے پریاں اتر آئی ہیں یا حوروں نے طرطوس کی جانب نزول کیا ہے۔

شہنشاہ مشرق پر سحر حسن پھر تو یہ عالم ہو گیا کہ شہر میں جس نے سُنا اسطرف روانہ ہو گیا۔ آن کی آن میں دریا کے دونوں کناروں پر خلقت کا ایک اژدہام ہو گیا جو کشتی کے ساتھ ساتھ دوڑتے چلے جا رہے تھے اور کسی کے حواس بجا نہ تھے شہر میں وہ ہلڑ مچی کہ انطونی کے دربار کے بیٹھے ہوئے لوگ بھی تماشا دیکھنے کے لئے بیساختہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ انطونی بیتاب تو ہو گیا تھا مگر وقار سلطنت کے خیال سے حکم بھیجا کہ کلوپرا یہیں تشریف لے آئیں۔ لیکن کلوپرا نے انطونی کو اسیر کاکل بنانے کے لئے تو یہ سج دہج بنائی تھی کہلا بھیجا کہ حضور کشتی میں میری دعوت قبول فرمائیں۔ انطونی بھی یہی چاہتا تھا اُٹھ کھڑا ہوا وہاں جو اس نے ملکہ کی یہ شان رعنائی دیکھی تو مبہوت رہ گیا ہوش و حواس جاتے رہے اور پہلی جھلک ہی میں عقل و دل سب ہاتھ سے کھو بیٹھا اب کیسی جوابدہی اور کس کی بازپرس! طرطوس چھوڑ ملکہ کے ساتھ اسکندریہ کی راہ لی اور اس کے وصل کے ساغر چڑھانے شروع کر دیئے اور یہ حالت ہو گئی کہ اُسے کلوپرا کے بغیر ایک لمحہ بھی چین نہ پڑتا تھا اور رات دن جشن منائے جا رہے تھے۔

وارفتگی عشق کی خود فراموشی چند ماہ کے بعد وہ اپنی وفا کیش بی بی فلویا کی علالت کی خبر سُنکر روما گیا

اور جب اس نے اسکے فراق میں دم دیدیا تو وہیں آگسٹس کی بہن انتطاریہ سے اس کی شادی ہوگئی جو نہایت پاکدامن خاتون تھی۔ انطونی کلوپرا کی محبت میں دیوانہ ہورہا تھا۔ مصر آتے ہی اس نے طلاق نامہ بھیجدیا قیصر آگسٹس کو اپنی بہن کی طلاق سے سخت صدمہ ہوا اور اس نے انطونی کو اس بہانے سے تباہ کرکے پوری سلطنت پر قابو پانے کے لئے رومیوں کو بھڑکا کر انطونی پر حملہ بول دیا۔ ادہر سے بھی انطونی اور کلوپرا دونوں فوجیں لیکر مقابلے کو نکلے بہت ممکن تھا کہ بہادر انطونی فتحیاب ہو جاتا۔ مگر بے عصمتی نے کلوپرا کی ہمتیں پست کردی تھیں عین گھمسان کے وقت وہ مصر کی طرف فرار ہوگئی۔ انطونی لاکھ بہادر سہی مگر مفارقت حسن گوارا نہ کرسکا اور وہ بھی جنگ چھوڑ کر اسکندریہ آگیا۔ پھر وہی جشن وصال تھے اور وہی عاشق و معشوق! قیصر تعاقب میں مصر کی طرف روانہ ہوا۔ قریب پہنچکر سوچا کہ مقابلہ پر انطونی جیسا بہادر اور مصر کی سلطنت ہے اس لئے تدبیر و فریب سے کام لینا چاہیئے۔ اس نے وہیں سے کلوپرا کو لکھا کہ میں بھی تمہاری زلف گرہ گیر کا اسیر ہوں۔ مجھے دیدار جمال کی اجازت دیدی جائے۔

کلوپرا سمجھی کہ انطونی تو ختم ہوچکا لاؤ اب اگسٹس سے یارانہ گانٹھ لوں میرا حسن گلوسوز دیکھکر وہ بھی دیوانہ ہوجائیگا۔ اس نے اپنی فوج کو حکم دیدیا کہ آنے دو اور مقابلہ نہ کرو۔ اس حکم سے فوج بھی متحیر ہوگئی مگر وہ مجبور تھی۔ قیصر نے ساحل پر قدم رکھتے ہی اسکندریہ پر قبضہ کرلیا اور حکم دیا کہ کلوپرا فوراً گرفتار کرلی جائے۔

آفتاب حسن کا غروب

کلوپرا مایوس ہوکر ایک برج میں روپوش ہوگئی شہر میں اس کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی جس پر انطونی نے خودکشی کرلی اور کلوپرا کے سینہ پر دم توڑ دیا۔ کلوپرا نے

اس برج سے بھی قیصر کو اسیر کا کل بنانے اور صلح کرنے کی بہت سعی کی مگر اس آہنی قلب فرمانروا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ چاہتا تھا کہ اسے گرفتار کرکے اس سے اپنی بہن کی طلاق کا انتقام لے اور روما لیجا کر اس کی تشہیر کرے اس نے برج کا محاصرہ کرلیا لیکن کلوپٹرا کی سعی سے ایک انجیر کے ٹوکرے کے اندر ایک زہریلا سانپ اندر پہنچا دیا گیا جس سے کٹوا کر اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

اس کے بعد مصر دولت روما کا ایک صوبہ بن گیا یونانی سطوت فنا ہوگئی۔ یہ حضرت مسیح کی ولادت سے تیس سال پیشتر کے زمانہ کی داستان حسن ہے۔ کلوپٹرا کی لاش ممی کرکے طلائی تابوت میں وہیں مدفون کردی گئی اور آج یہ جوں کی توں لندن میں برطانی عجائب خانہ کے اندر موجود ہے۔ بلاشبہ کلوپٹرا نہایت ذہین و قابل ملکہ تھی۔ اس نے فرمانروائی بھی پوری ہوشمندی و سطوت کے ساتھ کی۔ علوم و فنون میں بھی وہ بہرہ وافر رکھتی تھی اور حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھی۔ اتنی حسین و ماہ پیکر تھی کہ تاب حسن کی مجال نہ ہوتی تھی۔ یہ اس کے حسن و ناز ہی کا کرشمہ تھا کہ سلطنت روما کے پُر شکوہ فرمانروا اور شجاع جنرل اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہوگئے اُسے آج دو ہزار برس کا زمانہ گذر جانے کے بعد بھی پوری شہرت حاصل ہے مگر وہ شہرت نہیں جو ایک بہادر اور عفیفہ ملکہ کو حاصل ہونی چاہیئے اس نے اپنے لاثانی حسن و شباب کو آوارگیوں کی نذر کردیا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ایک ناکام زندگی بسر کرکے ناامیدانہ موت مری تاہم اس کے عالم آشوب حسن اور جہانسوز جمال کی نازآفرینی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس وقت بھی دنیا اُسے ملکہ حسن تسلیم کرنے پر مجبور تھی اور آج بھی ہے۔

خلیفہ مصر کی شعلہ رخسا بیٹی

ظالم بھائی کے سفاکانہ کارنامے

چھٹی صدی ہجری میں مصر ایک نہایت ظالم، سفاک، بداندیش اور بے دین فرمانروا الحاکم بامر اللہ کے جنگ استبداد میں آگیا اس بدبخت نے اپنی حرکتوں سے اپنی دین اور دنیا دونوں کو تباہ کر لیا۔ اس نے نہ صرف خود کو مظہر ذات ربانی ظاہر کیا بلکہ بعد کو خدائی دعوے کرنے لگا۔ صحابہ کرامؓ کو بازاروں، شاہراہوں اور مسجدوں میں علانیہ گالیاں دلوائیں اور نہ دینے والوں کو شدید سزائیں دیتا رہا۔ تراویح موقوف کرا دیں یہود و نصاریٰ پر بھی ظلم شروع کر دیئے۔ ایک دفعہ مصریوں کے سلب و نہب کا حکم دیدیا۔ دو روز تک اسکندریہ میں آگ لگی رہی۔ معزز لوگ بے حرمت کئے گئے۔ قتل عام شروع ہو گیا۔ شریف خواتین اور بچے گھروں سے کھینچ کھینچ کر باہر لائے گئے اور لونڈی غلام بنائے گئے اور پھر انہیں فروخت کر دینے کا حکم دیا۔

اس پر مصر کا بچہ بچہ اسکا دشمن ہو گیا۔ انتہا یہ ہے کہ وہ اپنی لائق بہن سے بھی بدگمان ہو گیا۔ وہ پہلے ہی اس کی حرکتوں سے بیزار تھی جب رعایا کے ساتھ وہ بھی اس سے تنگ آگئی تو وہ شب کے وقت قاہرہ کے ایک معزز فوجی افسر کے پاس خفیہ طور پر پہنچی اور اسے ایک بڑی جاگیر اور وزارت عظمیٰ کا لالچ دیکر اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس ظالم فرمانروا کو ٹھکانے لگوا دے وہ بھی الحاکم کی حرکتوں سے بیزار تھا چنانچہ دونوں کی سازش سے کوہستانوں میں الحاکم کو قتل کر دیا گیا۔

تدبر و دانائی کا شاندار مظاہرہ

الحاکم کے قتل ہوتے ہی ست الملک نے نہایت قابلیت و ہوشمندی

کام لیا۔ ابن داؤس فوجی افسر کو بہت سا روپیہ بھیجا کہ وہ اسے فوج میں تقسیم کر دے۔ ست الملک نے اپنی تدبیر سے تمام افسران کو راضی کر لیا۔ اور الحاکم کے نابالغ بیٹے کو الظاہر کا خطاب دیکر سریر آرائے حکومت کیا۔ اس کے بعد فوراً اس نے ایک عظیم الشان دربار کیا۔ جس میں تمام اعیان سلطنت ارکان حکومت اور معززین شہر کو خلعت و انعام تقسیم کئے اور ابن داؤس کو مدار المہام سلطنت بنا دیا۔ مصر کے حالات انتہائی نازک صورت اختیار کر گئے تھے بغاوت کا مادہ ہر جگہ پختہ ہو رہا تھا اور یقینی امر تھا کہ الحاکم کے مرنے پر عام بغاوت ہو جائے لیکن ست الملک کی تدبیر و فراست ہی کا کرشمہ کار تھا کہ اول تو اس نے الحاکم جیسے زبردست اور مقتدر خلیفہ کو جس کے نام سے بڑے بڑے دلیر لرز جاتے تھے قتل کرا کے لوگوں کو دولت سکون اور اطمینان بخشی اور پھر اس کے بعد حالات پر اس خوبی کے ساتھ قابو پا لیا کہ کسی کو چون و چرا اور ریب و اشتباہ کی جرات نہ ہوئی۔

اعیان سلطنت پر رعب و ہیبت

رعایا ست الملک سے پہلے ہی خوش تھی اب جو اس نے الظاہر کے متولی کی حیثیت سے عاقلانہ فرمانروائی شروع کی اور بہت سے بہتر اصلاحات کا آغاز کیا تو وہ اور زیادہ گرویدہ ہو گئی تاہم فوج کی طرف سے اُسے کھٹکا لگا ہوا تھا کہ میں عورت ہوں ملک کی فضا بگڑی ہوئی ہے۔ ابن داؤس کو یہ غرہ پیدا ہو گیا ہے کہ میری ہی دولت ست الملک کو ملی ہے۔ دوسرے جو شخص لالچ میں آ کر ایک کو قتل کر چکا وہ دوسرے کو کیوں نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے ابن داؤس سے کہا کہ میں ملک کا تمام نظم و نسق تمہارے ہاتھ میں دیدینا چاہتی ہوں مگر خلعت وزارت کے اعطاء کے لئے کوئی دن مقرر ہونا چاہیئے۔

بولا جب ملکۂ جہاں حکم دیں غلام حاضر ہو جائے۔ فرمایا اچھا میں خود ہی کسی دن کا تعین کرکے بلوا لونگی۔ جب شہر بھر میں اس کی شہرت ہو گئی تو ایک روز یکایک اسے طلب کر لیا گیا۔ بارگاہ خلافت میں پہنچتے ہی اسے اندر ہال میں بلا لیا گیا۔ جہاں بڑے بڑے فوجی افسر دست بستہ حاضر تھے۔ فوراً ایک ملازم خاص برہنہ شمشیر ایک جانب سے نمودار ہوا اور اس نے یہ کہکر کہ تو ہی الحاکم کا قاتل ہے اسکا سر تن سے جدا کر دیا۔ تمام کام نہایت قابلیت و خوش اسلوبی سے ہوا اور سب پر رعب طاری ہو گیا۔ حسن و ناز کا ایک پیکر جمیل الحاکم کو بھی ست الملک کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ اس پر لطف یہ ہے کہ اُسے کبھی شکایت کا بھی موقع نہ ملا۔ ملکہ اس کے مرنے پر اس نے یہ محسوس کیا آج میں یتیم ہوا ہوں اس نے کچھ ایسا رعب ملک پر قائم کر دیا کہ بڑے بڑے سرکش اور مقتدر افسر اس سے لرزہ براندام رہتے تھے اس رعب ہیبت کے ساتھ وہ نہایت رعایا پرور، شرفا نواز، انصاف دوست اور ترقی پسند ملکہ تھی اپنی چہار سالہ حکومت ہی میں اس نے ملک کا ایسا انتظام کیا کہ دنیا حیران رہ گئی اور اس کی موت رعایا کے لئے انتہائی اندوہ و غم کا باعث ہوئی۔ تمام مورخ اس امر میں متفق ہیں کہ ست الملک حکمرانی و سیاست۔ لیاقت و تدبیر اور ہمت و استقلال میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ اس کی سیاست و تدبیر کا الحاکم بھی معترف تھا۔ دنیا میں اس قابلیت کی عورتیں بہت کم پیدا ہوئی ہیں اگر وہ موجود نہ ہوتی تو الحاکم بہت پہلے قتل ہو گیا ہوتا۔ ان محاسن و اوصاف کے علاوہ حسن و جمال اور نزاکت و رعنائی میں اپنا ثانی نہ رکھتی جس وقت سریر حکومت پر متمکن ہوتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی حور جنت میں مصروف جلوہ گری ہے اگر اس کے جلال ہیبت اور لیاقت و تدبیر سے لوگ ترساں و لرزاں ہوتے تو اس عدیم المثال حسن کا قصر

خلافت میں کبھی عشاق سے مامون ہونا مشکل تھا۔ فاطمی خلیفہ العزیز کی شعلہ رخسار بیٹی تھی
۴۱۵ھ میں انتقال ہوا۔

نازنینان کلدانیہ

جادو نگاہ اسرائیلی نازنین

برق حسن کو بے نقاب کرنے کا فرمان فرمانروایان ایران میں اخشویرش ایک جلیل القدر فرمانروا تھا جس کی فرمانروائی کا سکہ سندھ سے بحر روم تک جاری تھا اس نے ایک عظیم الشان جشن منایا جس میں سلطنت کے تمام معززین مقتدرین اور امراء و اعیان شریک تھے ایک ہفتہ تک سب کی پر تکلف ضیافتیں ہوتی رہیں اور مے ارغوانی کے دور چلتے رہے۔ اس کی ملکہ وشتی حسن و حیا اور ناز و ادائیں شہرۂ آفاق تھی اور محبوبۂ خاص کا رتبہ رکھتی تھی۔ شہنشاہ نے نشہ کے ترنگ میں حکم دیدیا کہ ہماری ملکہ سر دربار حاضر ہو کر میری تمام رعایا کو اپنے جمال جہاں آرا سے مسرور و شاد کام کرے اور بے نقاب سب کے سامنے آئے۔ ملکہ نے برنبائے غیرت نسوانی ایک مجمع عام میں بے نقاب آنے سے انکار کر دیا شہنشاہ اخشویرش بہت مشتعل ہو گیا اور اس نے اعیان سلطنت کے مشورہ سے اس نیکدل باحیا ملکہ کو محبوبۂ خاص کے مرتبہ سے گرا دیا لیکن اب ضرورت اس کی ہوئی کہ سلطنت سے کوئی اور مہ پارہ تلاش کر کے محبوبۂ خاص کے رتبہ پر فائز کی جائے۔ سلطنت کے گوشے گوشے میں سرہنگان شاہی پہنچ گئے اور چپہ چپہ پر نازنینان حور پیکر کی تلاش شروع ہوئی۔

پری جمالوں کی تلاش یہود بخت نصر کے ظلم و جور کی یادگار میں اس وقت تک کثیر تعداد میں اسیر یا در

فارس کے اندر موجود تھے اور غلامی و غریب الوطنی کی اذیتیں برداشت کر رہے تھے۔ انہی میں ایک نوخیز و نوعمر حسینہ استیر بھی تھی جو اپنی یتیمی کا زمانہ اپنے عمزاد کی باپ مردخائے کی ولدیت میں بسر کر رہی تھی اور بڑے ناز و نعم اور لاڈ پیار سے پرورش پا کر اب اس قابل ہوئی تھی کہ آفتاب و ماہتاب کی نگاہیں بھی اس پر پڑیں تو زرد ہو جائیں اور شرما جائیں۔ اعلان سلطنت جو گوش زد ہوا تو مردخائے نے یہ سوچ کر کہ فضل الٰہی سے کوئی بعید نہیں کہ اس بچی کا حسن ہی اس کی قوم کی آزادی کا باعث بن جائے اور اس کی جادو نگہی شہنشاہ کو گرویدہ کر لے خود ہی اسے شاہی سرہنگوں کے پاس بھیج دیا۔ دار السلطنت میں جب کئی ہزار پریجمالوں کا ہجوم ہو گیا تو انتخاب خاص شروع ہوا اور آٹھ مہ پارہ شاہی ایوان شاہی میں پیش کرنے کے لئے منتخب کی گئیں جن میں ایک استیر بھی تھی۔

ایک مدت معینہ تک ان آٹھوں پریجمالوں کے جسم کو خوشبوؤں سے بسایا اور حسن افروز دواؤں سے چمکایا گیا تو غریب استیر کا حسن و جمال شراب دو آتشہ بن گیا۔

شہنشاہ اسیرِ کاکل

وقت مقررہ پر یہ آٹھوں نازنین یکے بعد دیگرے شاہی خلوت سرا میں بھیجی گئیں۔ قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ ہر ایک صبح کو ناپسند ہو کر نکال دی گئی۔ استیر غریب و بے یار و مددگار تھی اسکا درجہ آخر پر رکھا گیا تھا۔ آٹھویں روز یہ جو خلوت سرا میں پہنچی تو اٹھنا بیٹھنا اور کھیلنا اور سونا کیسا نظر اٹھتے ہی شہنشاہ کے قلب میں ایک برق سی کوند گئی۔ ایک محویت طاری ہو گئی اور وہ ہزار جان سے اس پر فریفتہ ہو گیا۔ پیار کے حواس بھی بجا نہ رہے اس کی جادو نگہی اس کی شیریں زبانی اس کی برق حسن اور اس کی ناز و ادا نے اخشویرش کو مدہوش و مسحور بنا دیا۔ اسی وقت اس کے محبوبۂ خاص بننے کا اعلان ہو گیا۔

شہنشاہ پر اس کے حسن عالم آشوب کا اتنا اثر پڑا کہ اس نے اسی مہ پارہ کے حصول پر بڑا جشن منایا۔ ادھر مردخائے نے بھی سجدۂ شکر ادا کیا جو کہ ایک بزرگ اور خدا دوست انسان تھا اس کی ہدایت کے مطابق استھر نے اخشویرش سے اپنے یہودیہ ہونے کو پردۂ خفا میں رکھا کہ اس دور میں یہود کا نام ذلت و نامرادی کا مترادف بنا ہوا تھا۔ استھر حسن و جمال کی دولت سے مرصع ہونے کے علاوہ نہایت ہوشمند لڑکی تھی۔ اپنی مطلب [illegible] اور شاہی تلون کو خوب سمجھتی تھی۔ ایک طرف تو اس نے ہر امر میں شہنشاہ کی خوشنودی مزاج کو مقدم رکھا اور دوسری طرف اپنے مربی بھائی مردخائی کی ہدایات پر جو اب اس کے غلاموں کی برابر بھی حیثیت نہ رکھتا تھا فرمانبردارانہ عمل کرتی رہی جو فقیرانہ عنوان سے شاہی آستانہ ہی کے قریب پڑا رہتا تھا۔

استھر سے قومی ناخدائی کی استدعا

شہنشاہ کا ایک وزیر تھا ہامان جس نے اس کے مزاج میں اتنا درخور حاصل کر لیا تھا کہ اس نے ایک روز خوش ہو کر اس کا رتبہ اتنا بڑھا دیا کہ عام منادی کرا دی کہ قصر شاہی کے تمام ملازمین اسے دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو جایا کریں۔ مردخائے ایک خدا پرست موحد ہوتے ہوئے یہ گوارا نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک انسان کو سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ہامان کو جو معلوم ہوا تو برافروختہ ہو کر کہا کہ اس کی تو ہستی ہی کیا ہے یہ یہودی ہے میں اس کی تمام قوم سے اس توہین کا بدلہ لونگا استھر کو محل شاہی کی شمع بنے ہوئے چار سال گذر چکے تھے کہ ہامان نے بادشاہ سے کہا کہ سلطنت کے اندر ایک سرکش جماعت آباد ہے جو فرامین شاہی کی تعمیل سے ہمیشہ عامدًا گریز کرتی رہتی ہے۔ ان کا مذہب آئین بھی جدا ہے مصلحت یہ ہے کہ انہیں قید حیات سے آزاد کر دیا جائے

بادشاہ نے منظوری دیدی کہ جو منشا سب سمجھ کر۔ چنانچہ اس ظالم نے
جملہ عمال حکومت کے نام بادشاہ کی طرف سے فرمان لکھدیا کہ اتنے
دنوں بعد فلاں تاریخ کو تمہارے علاقہ کے اندر جتنے یہودی ہیں سب کے
سب نذر شمشیر کردیئے جائیں۔

مردخائے بڑا قوم پرور انسان تھا وہ یہ فرمان سنتے ہی فرط صدمہ و
الم سے بیقرار ہوگیا۔ ہوش و حواس بجا نہ رہے اس نے فوراً استیر کو لکھا
کہ وقت آگیا ہے کہ خدا تجھ سے تیری قوم کے متعلق خدمت لے وہ بھی
سراسیمہ ہوگئی اور جواب بھیجا کہ میں تو مجبور محض ہوں ایک ماہ سے پیشتر حاضر
دربار نہیں ہوسکتی۔ حکم شاہی ہے کہ کوئی بھی ہو جو بلا طلب خلوت شاہی میں
جائے بلا تامل قتل کردیا جائے۔ مردخائے نے برہم ہوکر لکھا ظالم! قوم نابید
ہو رہی ہے اور تجھے اپنی جان کی فکر ہے اٹھ اور اپنی زندگی قوم پر نثار
کردے ممکن ہے کہ خدا نے تجھے اسی وقت کے لئے شاہی محل میں بھیجا ہے

قومی جوش کا حسین مظاہرہ

استیر کا قلب بھی قومی جوش سے
لبریز ہوگیا اور کہلا بھیجا آپ سوسن
شہر کے تمام یہود سے میرے لئے کل روزہ رکھوائے کہ میں کل جان پر کھیل کر
بادشاہ کے پاس جاؤں گی اور قوم پر خود کو نثار کردونگی۔ اس کے بعد اگلے
[illegible] زیورات و ملبوسات سے آراستہ ہوکر دربار میں جو حاضر ہوئی اور
غلام قتل کو دیکھا تو بادشاہ نے محبت سے سرشار ہوکر کہا۔ کیوں ملکہ خیر ہے
کیا چاہتی ہو وہ مودب کھڑی ہوگئی اور عرض کیا کہ جہاں پناہ اور وزیر
ہامان کی ضیافت کا شرف حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ بادشاہ نے بخوشی
منظور کرلیا اور بڑی پرتکلف دعوت ہوئی۔ اسے اتفاق کہئے یا مردخائے
کی خدا پرستانہ دعاؤں کا اثر کہ اس شب بادشاہ کو نیند نہ آئی سمجھا مجھ
کوئی ناانصافی ہوئی ہے چنانچہ اس نے اپنا روزنامچہ کھلوا کر پڑھوایا۔

جب کاتب اس واقعہ کو پڑھنے لگا کہ دو محرم ملازموں نے بادشاہ کے قتل کی سازش کی تھی مگر مردخائے کے بروقت مطلع کرنے سے جان بچ گئی تو اس نے پوچھا جلد دیکھو کہ اس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا۔ بولا جہاں پناہ! صاف مرقوم ہے کہ اسے اسکا کوئی صلہ نہیں دیا گیا کئی سال بیشتر مردخائے یہ خدمت انجام دے چکا تھا مگر روزنامچہ میں اندراج کے سوا اس کو کوئی صلہ نہیں دیا گیا۔

مردخائے پر نوازش خسروانہ

دوسرے روز وزیر ہامان حاضر ہوا تو بادشاہ نے فرمایا۔ ہامان بتا کہ جس سے میں خوش ہوں اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ وہ سمجھا کہ بادشاہ کا اشارہ میری طرف ہے۔ بے ساختہ کہنے لگا۔ جہاں پناہ! اُسے اپنا خلعت خاص و تاج پہنا کے گھوڑے پر سوار کرائیں اور کسی رکن سلطنت کو حکم دیں کہ وہ جلو میں رہے اور شہر بھر میں منادی کرتا جائے کہ حضور و مکارم سلطانی کی یہ شان ہوتی ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اچھا ڈیوڑھی پر جو مردخائے یہودی پڑا رہتا ہے۔ اسے اسی شان سے شہر میں نکالو اور تم ساتھ ساتھ منادی کرتے چلو۔ ہامان جل کر کباب ہو گیا۔ مگر مجبور تھا کرنا پڑا۔ دوسرے روز ملکہ نے پھر ضیافت کی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر فرمایا۔ پیاری نازنین مانگ کیا مانگتی ہے نصف سلطنت تک تجھے بخش دینے کو تیار ہوں۔ استیر کے لئے زریں موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ ایک ہوش افگن انداز دلربایانہ کے ساتھ جھکی۔ جھک کر زمین ادب چومی اور بولی۔ جہاں پناہ! اپنی ملکہ پر اگر آپ اتنی کرم فرمائی اور ارزانی فرماتے ہیں تو بس اسقدر عرض کرتی ہوں کہ میری اور میری قوم کی جانیں مجھے بخش دیجئے۔ کیونکہ ہم سب قتل و غارت کے لئے فروخت ہو چکے ہیں اگر ہم فروخت ہو کر غلام

کنیز ہی بنجاتے تو بھی غم نہ تھا۔ مگر آہ! دشمنوں کی خون آشام تلواریں ہمارا خون پینے کے لئے تیار ہو رہی ہیں۔

بادشاہ نے نگاہ جو اٹھائی

یہودی قوم پر استیر کا احسان تو ملکہ کی غزالیں آنکھیں

گھبرائے اشک سے لبریز تھیں۔ بیتاب ہو گیا بر افروختہ ہو گیا۔ برہم ہو گیا اور غضب ناک ہو کر بولا۔ پیاری ملکہ بول جلدی بول! نام لے اور جلد لے وہ کون ہے جو میری ملکہ اور میری ملکہ کی قوم کو خس سمجھکے بے رفتار مزاج دیکھکر ملکہ نے کہا یہی ظالم ہامان ہے۔ جو آپ کے پہلو میں ہمارے تازہ خون پینے کا آرزو مند بیٹھا ہے۔ ایک طرف تو شہنشاہ اخویرش فرط غضب میں اٹھ کھڑا ہوا اور بڑھ کر سامنے چمن میں ٹہلنے لگا اور دوسری طرف ہامان بید لرزاں کی طرح کانپتا ہوا ملکہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اخویرش نے واپس ہو کر ہامان سے پوچھا۔ ہاں وزیر صاحب وہ کون سا دن اور تاریخ ہے جس روز آپ میری ملکہ کو میرے پہلو سے کھینچکر قتل گاہ میں لیجائیں گے۔ اس کے پاس اسکا جواب ہی کیا تھا۔ اشارہ پاتے ہی آن کی آن میں سولی پر چڑھا دیا گیا۔

ملکہ پھر قدموں پر گری اور عرض کیا جہاں پناہ! ہنوز قتل یہود کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ وسیع سلطنت کی ہر جگہ احکام پہنچ چکے ہیں۔ چند ہی روز میں سب کے سب قتل کر دیئے جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ میں اس سانحہ عظیم کے بعد دنیا میں مسرور زندگی بسر نہ کرسکونگی اور آج حضور پر واضح کرتی ہوں کہ مردخائے میرا مربی اور چچیرا بھائی ہے۔ اسی نے مجھے پرورش کر کے حضور کے آغوش عیش کے قابل بنایا ہے اور یہ تو حضور کو علم ہی ہے کہ اسی نے حضور کے قتل کی سازش کا راز فاش کیا تھا۔

ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا قتل

بادشاہ نے مردخائے کو بلا کر اسی وقت ہامان کے بجائے وزیر مقرر کیا اور اور حکم دیا کہ میں اپنی انگوٹھی تیرے سپرد کرتا ہوں۔ فرمان پر مہر لگا کر جیسے احکام چاہے نافذ و صادر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مردخائے اور استیر کو بڑی سے بڑی عزت عطا کی تھی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ اس عزت و اقتدار کو "عیال اللہ" کی بہبود کے لئے کام میں لاتے۔ مگر اب نشۂ اقتدار نے انہیں سب کچھ بھلا دیا اور شکر و سپاس یزدی کے بجائے مردخائے نے فرمان لکھا کہ قتل یہود کا حکم منسوخ سمجھا جائے اور جس روز دشمنان یہود لاعلمی میں قتل یہود کے لئے جمع ہوں یہود بہ امداد عمال حکومت بلا تامل انہیں قتل کر دیں۔ مقررہ تاریخ پر صرف ایک دارالسلطنت شوشن میں پانچ سو افراد یہود کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

اب پری جمال استیر کی قابل تعریف قربانی و قوم پروری کے مناظر دیکھنے کے بعد اس کی جلادانہ ذہنیت کا ایک رُخ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ شام کی رپورٹ پڑھ کر بادشاہ نے جب ملکہ سے کہا پیاری تنہا ایک دارالسلطنت شوشن میں یہود کے ہاتھوں پانچسو افراد قتل ہو چکے ہیں۔ اضلاع اور صوبوں کی رپورٹیں ہنوز موصول نہیں ہوئیں۔ اب کیا چاہتی ہو۔ عرض کیا حضور کل پھر قتل کی اجازت عطا کریں اور ہامان کے تمام بیٹے سولی پر چڑھا دیئے جائیں اجازت ہو گئی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ دو روز کے قتل عام میں سلطنت کے اندر ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ افراد یہود کے ہاتھوں ملکہ کے اشارہ پر جوش انتقام میں قتل ہو گئے۔

نازنینی و دلربائی کا کرشمہ اس کے بعد یہود نے اس کامرانی

فائزالمرامی پر کئی روز جشن منائے اور ایک مدت تک اس شجیابی کی مسرت یادگار میں سالانہ عید منائی جاتی رہی اس روز زرق برق لباس پہنے جاتے جشن ہوتے ۔شرابیں اڑتیں اور سطرح اپنی پست غلامانہ ذہنیت اور اپنی ذلیل مسرتوں کا مظاہرہ کیا جاتا ۔

کوئی شک نہیں کہ ملکہ استیرنہایت ہوشمند و لائق ملکہ تھی اس نے اپنی دانائی و فراست ہی سے دنیا کے اس زبردست اور مقتدر شہنشاہ پر پورا قابو حاصل کیا ۔ اپنی لیاقت و جرات سے اپنی پوری کی پوری قوم کو گرداب تباہی سے بچا لیا اور بچا کر نہ صرف اپنے مربی کو وزارت دلوائی بلکہ سلطنت کے گوشے گوشے سے اپنی قوم کے دشمنوں کا خاتمہ کرا دیا ۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد کو وہ جوش انتقام میں انتہائی قساوت و قصابی پر اتر آئی اور اس نے اپنے لازوال حسن کی کرشمہ کاریوں سے مخلوق خدا کے ایک عظیم حصہ کو دنیا سے تباہ کر دیا ۔ وہ ایک بے مثل حسن و ادا کی مالک تھی اور اتنی نازک اندام و خوبرو واقع ہوئی تھی کہ شہنشاہ اخویرش آخر تک شمع خسار کا پروانہ بنا رہا جو اس نے کہا وہ کیا ۔ اس کی خوشنودی کو ہمہ وقت مقدم رکھا یہ محض اسکی نازنینی و دلربائی تھی جس کی بدولت وہ شہنشاہ کے آغوش شوق میں پہنچ گئی ۔

نازنینان فینقی

وفاشعار فینقی ملکہ

حسن و انداز کا ایک پیکر ناز و بدن دنیا کی ایک نہایت ناز آفرین حسینہ گذری ہے جس کے حسن و جمال کی شہرت ملکی حدود سے بے نیاز ہو کر اقصائے عالم پر محیط ہو چکی تھی ۔ دیکھنا تو یہ ہی چیز ہے ۔ اس کا نام ستکر

ہی لوگ سناتے ہیں آچھلتے تھے اور فکی انکس افراد پر ایک کیفیت جنون طاری ہو جاتی تھی۔ اس کا شباب بلا کا شباب تھا۔ اس کی جوانی قیامت خیز تھی۔ اس پر عامی سے لیکر شاہوں تک کی حریصانہ نظریں پڑتی تھیں۔ بڑے بڑے ذی اثر افراد اس کے وصل کی آرزو میں رات رات بھر بیقراری کے انگاروں پر لوٹتے رہے مگر وہ جتنی فقید النظیر حسینہ تھی اتنی ہی باعصمت اور خلیق بھی تھی۔

اس نے کبھی کسی پر مغرورانہ نظر نہ ڈالی۔ اپنی طرف سے کسی کو مایوسانہ جواب نہ دیا لیکن کسی کے ہتھے بھی نہ چڑھی۔ چونکہ نہایت بامروت اور خوش مزاج بھی تھی۔ اس لئے اس کا حسن و ناز ایک سحر حلال بن گیا تھا۔ اس کی قوم میں اس کی فیاضی و سیر چشمی کی دھوم تھی۔ خلق و مروت میں مشہور تھی اور ہر شخص اس کے حسن و جمال پر نازاں تھا جس وقت اس کے نہال زندگی میں شباب کا پھول کھلا ہے اس وقت نگاہوں کو اس کے نظارہ کی تاب نہ کی جاتی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دیکھنے والے سرشار ہو جاتے تھے جس طرف سے گذر جاتی لوگ دل تھام کر رہ جاتے۔ جدھر سے نکلتی قلوب میں آگ لگ جاتی۔ ملک بھر میں اس کے حسن و جمال کا شہرہ تھا۔ دور دور سے لوگ اس کے دیکھنے اور اپنے اشتیاق دیدار کی تشنگی بجھانے کے لئے آتے تھے اور وہ سب سے نہایت تپاک سے ملتی اور باتیں کرتی تھی عجیب نزہت و جمال کی خاتون تھی

شریفانہ عہد کا شریفانہ مظاہرہ لطف یہ ہے کہ وہ معمولی حیثیت و درجہ کی خاتون نہ تھی وہ سوددشام کے فرمانروا قلوبیس کی لخت جگر تھی اور شہزادی کہلاتی تھی۔ مگر غرور و تمکنت سے

بے نیاز و پاک تھی۔ اس کے باپ نے اُسے انتخاب زوج کی اجازت
دیدی تھی۔ ایک دنیا اس کی آرزومند و طلبگار تھی۔ بڑے بڑے
فرمانروا، شاہزادے اور اعیان سلطنت اس کے وصال و عقد کے
آرزومند تھے لیکن اسکا دل آیا تو ایک کاہن پر جو خود بھی ایک سجیلا
جوان اور ہرقلیس کا دولتمند متخصص تھا۔ میاں بیوی میں محبت نہیں
عشق تھا اور دونوں مسرور زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کے بھائی
پگمالیون کی طبیعت بہت دنی واقع ہوئی تھی اس نے دیکھا کہ بہنوئی
نے تجارت کے کاروبار میں زروجواہر کے انبار جمع کر لئے ہیں۔ اس نے
کچھ مدت بعد ایک کوہستانی علاقے میں اسے دھوکے سے قتل کرکے
اپنی یگانہ روزگار بہن کو بیوہ کردیا جس سے اسکا مقصد یہ تھا کہ ایک
طرف تو وہ اس تمام دولت وزر کا مالک ہو جائیگا اور دوسری طرف
کسی ملک کے شاہزادہ سے اس کی شادی کرکے وہ مزید دولت و
ثروت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر شریف و ہوشمند بہن نے اس
کی ایک آرزو بھی پوری نہ ہونے دی اس نے اپنے شوہر سے پہلے
ہی سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر فلک کجرفتار نے مجھے آپ سے محروم
کردیا تو میں اپنے گلشن حسن کی سیر کسی دوسرے کو ہرگز نہ کرنے دونگی

قرطاجنہ کی ماہ پیکر بانی

دیدون کا زمانہ عہد عتیق کا زمانہ ہے
عہد نبوت سے (۱۴۳۱) سال پیشتر

یہ پھول ارض شام کے ساحلی علاقے سے ایک تاریخی شہر سور میں کھلا
تھا جو اب طائر کہلاتا ہے فینیقی قوم کی چشم و چراغ تھی۔ جو یہود
کی رقابت اور اپنی تجارتی اولوالعزمیوں میں آجتک مشہور ہے
اور جس نے اس زمانہ میں اس حصہ ارض پر ایک مختصر مگر دولتمند
سلطنت قائم کر رکھی تھی۔ بیوگی کا داغ دل پر پڑتے ہی سوگوار ہا

کے عالم میں جو آنکھ لگ گئی تو دیکھا کہ اس کا پیارا شوہر کھڑا کہہ رہا ہے کہ بھائی انہیں لوٹ لینے کی فکر میں ہے تم شوہر کا دیا تم ترک کر کے کہیں اور چلی جاؤ۔ اپنے دلنواز شوہر کے اس اشارہ پر متنبہ ہو کر اس نے اپنی دولت اور زر و جواہر ایک مقام کرنا میں خفیہ طور پر منتقل کر دیے اور اپنے ہمدردوں اور رفیقوں کو ساتھ لیکر وہ پہلے سسلی پہنچی وہاں اس نے اپنی آنکھوں سے پریجمال دوشیزاؤں کو لٹتے دیکھ کر جہاز کا ساحل افریقہ کی طرف پھیر دیا اور وہاں کے فرمانروا ایاریاس سے اجازت حاصل کر کے وہیں رہنا شروع کر دیا۔

کچھ دنوں بعد ساحل مراکش پر ایک قلعہ تعمیر کیا اور یہیں دنیا کے مشہور تاریخی شہر قرطاجنہ کی بنائیں استوار کیں۔

افسوس کہ اس عدیم المثال حسینہ شوہر کی بیتا بانہ یاد۔ شریف و فاکیش خاتون کو یہاں بھی وطن سے نکلکر چین نہ ملا اور اس کا حسن عالم آشوب ہی اس کا دشمن جان آزار بن گیا۔ وہ بیوی کا سوگوار زمانہ گذارنے کے لئے تو اتنی دور وطن چھوڑ کر غیر قوم اور غیر ملک میں آئی تھی۔ مگر اس کی شمع حسن کے گرد یہاں بھی پروانوں کا ہجوم ہو گیا۔ وہ از راہ مروت کسی کی دلشکنی گوارا نہ کرتی تھی اور جواب صاف دینے کو اپنی ہمت کے منافی سمجھتی تھی۔ مگر امیدواران آرزو کا ہجوم برابر بڑھتا اور شہرہ حسن پھیلتا گیا۔

آخر بادشاہ ایاریاس کی نگاہ جو اس پر پڑی تو بیقرار ہو کر جان سے عاشق ہو گیا۔ یہ اس کے لئے ایک مصیبت عظیم تھی نہ انکار سے کام چلتا تھا اور نہ ٹالنے سے ادھر سے اصرار بڑھتا جاتا تھا جس میں تمنا ہی نہ سطوت کی تہدید کا رنگ بھی جھلک رہا تھا اور ادھر وہ

اپنے محبوب شوہر کی یاد میں اپنے بے مثل اور بلا خیز حسن و شباب کو بھی بھولی ہوئی تھی مجبور ہو کے اس نے وعدہ عقد کر لیا۔ اور تین ماہ کی مہلت سامان فراہم کرنے کے لئے مانگ لی۔ بادشاہ کو کسی کروٹ چین ہی نہ تھا اور وہ اس نادرہ روزگار حسینہ کے وصال کی آرزو میں بے چینی کی کروٹیں بدل رہا تھا اور وہ وقت موعود بھی آگیا وہ اپنے شوہر کو یاد کر کے خوب روئی اور پھر پہاڑ کی بلند چوٹی پر چڑھ کر اور آسمان کی طرف یاس و حسرت سے دیکھکر اس نے ایک تیز تر خنجر اپنے سینے میں پیرا دیا اور وفا و محبت کا ایک عدیم النظیر نقش صفحۂ عالم پر قائم کر کے دنیا سے رخصت ہو گئی۔

پری جمال دیدون کا کرشمہ حسن

دیدون نہایت اولوالعزم اور غیر معمولی حسن و قابلیت کی خاتون تھی اس کی فیاضی و مہمان نوازی اور لیاقت و دانائی نے اسے اسکی فنیقی قوم میں بے حد ہر دلعزیز و محبوب بنا دیا تھا چنانچہ استیلائے یہود سے مجبور ہو کر فنیقی برابر قرطاجنہ آتے اور آباد ہوتے رہے اور اسکی مختصر زندگی ہی میں اسکا یہ جدید آباد کردہ شہر بہت بارونق اور دلپذیر ہو گیا۔ فنیقی بڑی تجارتی و بحری قوم تھی بہت جلد اس نے ساحل افریقہ پر اپنی تجارت و آبادی کو وسعت دے لی اور بعد کو اس نے یہاں ایک اتنی عظیم الشان اور باجبروت سلطنت قائم کر لی جس نے ہانیبال جیسے شہرۂ آفاق جرنیل فرزند پیدا کئے اور صدیوں روما کی سطوت و جہانگیری کی زبردست حریف بنی رہی اور قرطاجنہ ہی میں اس نے رومیوں سے وہ جانبازانہ تاریخی جنگ لڑی جس میں اسکا بچہ بچہ دلیرانہ لڑتا ہوا اپنے وطن پر قربان ہو گیا اور جس کی عظمت و شہرت کے افسانوں سے تاریخ عالم کے صفحات آج

کبھی لبریز نظر آتے ہیں۔ یہ سب کچھ پرجمال ویدون ہی کی لیاقت اور فرزانگی کا کرشمہ تھا۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ویدون کی شہرت و حسن و عظمت کا دامن ابد کے ساتھ وابستہ ہے۔

نازنینان روما

ناچنے والی لڑکی سریر حکومت پر

پیدائش و خاندانی حالات یہ ملکہ چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں پیدا ہوئی اس کا باپ جزیرہ قبرص کا رہنے والا تھا جو قسطنطنیہ میں آکر سرکسوں میں لڑائے جانے والے وحشی درندوں کا داروغہ ہوگیا۔ یہ عہدہ کوئی بڑا عہدہ نہ تھا۔ مگر چونکہ سرکس میں امراء وغیرہ آتے رہتے تھے اس لئے ان میں اسے گونہ رسوخ حاصل ہوگیا تھا۔ اسکا نام تھا اقاقیوس۔ مرنے پر اس نے اپنے ماتم کے لئے ایک جوان بیوہ اور تین ماہ پیکر بچیاں چھوڑیں جن میں سب سے بڑی بچی کی عمر صرف سات سال کی تھی۔ غریب ماں نے ایک ایک سے التجا کی ایک ایک کے پاس گئی۔ مگر کسی نے نہ اس کی فریاد سُنی اور نہ امداد کی۔ نکاح ثانی بھی کیا مگر اس کی مصیبت و افلاس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ وقت گذرتے دیر نہیں لگتی۔ آخر تینوں لڑکیاں جوان ہوگئیں تھیں تینوں بلا خیر حسن و جمال کی سرمایہ دار گذر ہوتی تھی تنگی سے۔ نظریں پڑنے لگیں بڑے بڑوں کی نتیجہ یہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے امیرزادوں کی ہوس رانیوں کی مرکز بن گئیں۔ ان دنوں تھیٹر کا بھی بہت شوق تھا تینوں ایکٹرس بن گئیں لیکن منجھلی لڑکی

تھیوڈورا جو اسٹیج پر آئی ہے تو قسطنطنیہ میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اسکا قد
باجرا حسن دلربا ادائیں اور قیامت خیز شباب دیکھکر ہر شخص ششدر
متحیر رہ گیا تھیوڈورا کا حسن کیا تھا ایک چلتا ہوا جادو تھا جس پر نگاہ
پڑ گئی دل تھام کر رہ گیا جس طرف نکل گئی پیش پڑ گئی۔

آخر یہ آوارگی میں

حسن و عصمت کی بے عذرانہ فروخت

پڑ گئی اتنی آوارگی

میں کہ اسے کسی طبقہ کے شخص کے آغوش میں کھیلنے سے بھی عذر نہ رہا
جس نے خواہش کی اس نے اسی کے لئے اپنا حسین آغوش کھول دیا
جس کی انتہا یہ تھی کہ ہر آرزو مند جمال اس کے بلا خیز حسن سے مستفید
ہونے لگا۔ بارہا ایسا ہوا کہ وہ ایک شخص کو آغوش میں لئے پڑی تھی
کہ کوئی امیر زادہ آ گیا۔ اس نے اسے ڈھکیل کر باہر نکال دیا اور آپ
ساغرِ وصل اڑانے لگا۔ ظاہر ہے کہ اس انتہائی آوارگی میں
حیا و شرم کے کاشانے اجڑ گئے ہوں گے۔ چنانچہ وہ پوری بےحیائی
کے ساتھ بعض اوقات بالکل برہنہ سامنے آتی اور اسٹیج پر ناچتی
قسطنطنیہ کے دولت مند طبقہ میں سے تو بمشکل چند ہی ایسے
رہ گئے ہوں گے جنہوں نے اس کے شباب و حسن کی بہار نہ لوٹی
ہو۔ کچھ عرصہ کی انتہائی آوارگیوں کے بعد گورنر افریقیہ اقبولوس
نے فریفتہ ہو کر اس سے شادی کر لی لیکن جس کو روز نئے شکار
پھانسنے اور ہر روز نیا پہلو تلاش کرنے کا چسکا پڑا ہو وہ کب ایک
مرد پر قانع رہ سکتی تھی۔
شوہر کی محبتوں اور رعنائیوں کا مرکز ہونے کے باوجود خفیہ
خفیہ اس نے دوسروں کے آغوش گرم کرنے شروع کر دئے
اور عشاقانِ مصر کی دلنوازی کرنے لگی ۱۰۲ اقبولوس نے مجبور ہو کر

اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس پر یکایک مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بے یار و مددگار رہ گئی۔

عیاش انسانوں کا کھلونا پاس پیسہ نہ تھا وہ پیادہ پا مصر سے عازم قسطنطنیہ ہوئی اور راہ میں جس شہر سے گذری وہاں کے عیاش مزاجوں کو برانگیختہ کرتی ہوئی اور عشاق کے پہلو گرم کرتی ہوئی قسطنطنیہ پہنچ گئی۔ وقت آگیا تھا کہ وہ اب سلطنت کی ایک مایۂ ناز حسین طوائف کی زندگی اختیار کرلے اور ایک جگہ بیٹھ کر پھر وہ سرے کے ساتھ حسن فروشی کرے کہ اس نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ "وہ کسی عظیم الشان بادشاہ کی ملکہ ہے" اس خواب نے اس کی حیا سوز اور آوارہ زندگی میں اچانک ایک انقلاب عظیم پیدا کردیا۔ ایک مختصر سا مکان کرایہ پر لیا۔ شریف بہو بیٹیوں کی طرح اس میں متمکن ہوئی۔ اون کات کات کر اپنا گذارہ چلانے لگی اور باہر نکلنا بند کردیا۔ لوگ حیران تھے کہ وہ تھیوڈورا جو ہزاروں آغوش گرم کرچکی ہے وہ کیونکر اتنی نیک دیار سا بن سکتی ہے۔ مگر وہ اب اسے دنیا میں کسی سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا جسٹی نین قیصر روم کے بھتیجے کو مشرقی روم کی فرمانروائی کا منصب جلیل عطا ہوا۔ وہ ایک دفعہ شاہراہ سے گذر رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر تھیوڈورا کے آفتابی چہرہ پر پڑی بیقرار ہوگیا اور بے چینی کی کروٹیں لینے لگا۔ چونکہ بہت بڑی حیثیت کا آدمی تھا اور تھیوڈورا کی زندگی بہت ذلت میں گذر چکی تھی علانیہ تو کچھ کر نہیں سکتا تھا خفیہ خفیہ اس نے بہت کوششیں کیں مگر اب وہ ہر ذلیل انسان کی طرف اپنا گوہر عصمت پھینکدینے والی تھیوڈورا نہ تھی۔ اس نے پرواہ بھی نہ کی۔

حسن کا محیر العقول کرشمہ تھیوڈورا جتنی بے پروائی ظاہر کرتی

اتنا ہی اسکا شوق فروزاں ہوتا جاتا تھا۔ آخر موقعہ دیکھکر اس نے تعلق پیدا کر لیا۔ اس تعلق میں اُس نے نہایت دانائی و احتیاط سے کام لیا۔ ملتی مگر ترک کر جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جسٹی نین کا دل بالکل اُس کے قبضہ میں تھا۔ وہ چاہتا تھا مگر عقد نہ کر سکتا تھا کیونکہ روما کا قانون یہ تھا کہ سینٹ کا کوئی ممبر کسی ایسی عورت سے شادی کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ جو کم حیثیت بے آبرو اور اسٹیج پر آئی ہو، علاوہ ازیں اس کے اعزا بھی اس تعلق کے شدید مخالف تھے۔ مگر جسٹی نین کے قلب میں تو ایک آگ بھڑک رہی تھی۔ تھیوڈورا کا ستارۂ اقبال عروج پر تھا۔ کچھ مدت کے بعد قیصرہ کا انتقال ہو گیا۔ قیصر نے اُسے ولیعہد بنا لیا اور اس کے کہنے پر تمام قدیم رسم و رواج کی منسوخی کا اعلان ہو گیا۔ فوراً شادی ہو گئی اور وہی برس بعد جسٹی نین اول کے انتقال کے بعد وہ روم اور قسطنطنیہ کا واحد شہنشاہ ہو گیا اور برسر اقتدار حکومت ہوتے ہی اس نے اپنی پیاری ملکہ کو شریک سلطنت بنا کر اعلان عام کر دیا کہ رعایا سے دونوں کی وفاداری کا عہد لیا جا اور وہ دربار میں شہنشاہ کے برابر تخت پر بیٹھنے لگی۔

قسطنطنیہ والوں کے لئے یہ ایک حیرت خیز نظارہ تھا کہ وہ فاحشہ اور بازاری عورت جو کل تک سڑکوں پر ماری ماری پھرتی تھی اور جسے کسی کے پہلو گرم کرنے میں کبھی عذر نہ ہوا تھا۔ آج وہ ملکہ عالم ہے اور اس کے ایک اشارۂ ابرو پر اُن کی جانوں اور زندگیوں کی سلامتی کا انحصار رہ گیا ہے اور بڑے بڑے اعیان سلطنت اسکے سامنے سربسجود ہیں۔

دانائی و لیاقت

حقیقت یہ ہے کہ ملکہ بنکر تھیوڈورا نہایت ہوشمند و اولوالعزم اور صائب الرائے ثابت

ہوئی۔ اس نے بہبود عوام کے بڑے بڑے کام انجام دیئے بڑی بڑی اصلاحات کیں۔ اس نے جو مشورہ دیا وہ بہتر سے بہتر ثابت ہوا اتنی جری اور دلیر نکلی کہ قسطنطنیہ میں ہنگامے کے وقت قیصر بھی گھبرا گیا تھا اور بھاگ نکلا تھا۔ مگر اس نے دلیرانہ روکا اور دلیرانہ سامنے آ کر اسے فرو کیا۔ لوگ اس کی ہیبت سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ چپہ چپہ پر اسکے جاسوس پھیلے ہوئے تھے۔ جب اُسے خیال ہوا کہ ممکن ہے کہ لوگ اس کی گزشتہ زندگی پر چہ میگوئیاں کرتے ہوں تو اس نے اپنے سرہنگوں کے ذریعہ انہیں گھروں سے اٹھوانا شروع کیا۔ یہ حالت تھی کہ آج کسی نے گھر کے اندر اس کے خلاف زبان کھولی اور دوسرے دن غائب ہو کر اُس کے تہ خانے میں پہنچ گیا اور وہیں مار ڈالا گیا اس طرح اس نے ہزاروں انسانوں کا خاتمہ کر دیا لوگ اسکا نام سنکر کانپ اُٹھتے تھے۔ یہ بھی اس کی دانائی و قابلیت تھی کہ اس نے قیصر کی محبت کو کبھی کم نہ ہونے دیا۔ اس نے بیکس اور غریب اور آوارہ عورتوں کی تربیت و اصلاح کے لئے ایک عظیم الشان تربیت گاہ بنوائی۔ آخر ایک شاندار زندگی بسر کرکے شادی کے چوبیسویں سال اسکا انتقال ہو گیا۔ اور یہ تمام زمانہ اس نے پوری شرافت اور پاکدامنی اور شان و شکوہ کے ساتھ گذارا۔ اس کی تمامتر ترقی اس کے حسن کی بدولت ہوئی۔ وہ واقعی ہمثیل حسن و جمال کی حامل تھی۔

نازنیانِ یمن

زہرہ جبین ملکۂ یمن

سن ہجری تاریخی عروج ولادت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

(۱۹۱۲) پیشتر عہد سلیمانی میں عرض یمن پر ایک نہایت مقتدر اولوالعزم صاحب عظمت و جبروت اور منتظم و مدبر ملکہ بڑے جاہ و جلال کے ساتھ فرمانروائی کر رہی تھی اس کی حدود حکومت ایک طرف وسط ایشیا اور دوسری طرف تمام افریقہ تک پھیلی ہوئی تھیں اور اپنے وقت میں دنیا کی سب سے زبردست اور عظیم الشان ملکہ تھی یہ ان ملوک تبع کی چشم و چراغ تھی جن کی عظمت دولتمندی اور اقبال و عیش کی داستان سرائی آج بھی عرب میں بڑے تحریر و ناز کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اور جو فی الحقیقت بڑے متمدن اور اقبالمند فرمانروا گزرے ہیں۔ ان کے زمانہ میں یمن کے تمدن و تہذیب کا مقابلہ دنیا کی کوئی تہذیب نہ کر سکتی تھی کرۂ ارض کی دولت کھنچکر اس زمانہ میں یمن ہی کے اندر آ گئی۔ قرآن کریم میں بھی ان کی فراوانی دولت و عظمت کا ذکر موجود ہے بلقیس کے عہد میں ملوک تبابعہ کا آفتاب اقبال خط استوا پر چمک رہا تھا۔ بلقیس کا باپ اس خاندان کا چالیسواں بادشاہ تھا۔ بادشاہ کی شدید خواہش تھی کہ وہ تاج و تخت اپنی لائق و ذہین بیٹی بلقیس کے سپرد کر دے مگر موت نے اس کی اس خواہش کی تکمیل کا وقت نہ آنے دیا۔ اس کے مرتے ہی جھگڑے پیدا ہو گئے اور بلقیس کا چچیرا بھائی تخت پر قابض ہو گیا۔

اس نے سریر آرائے حکومت ہوتے ہی ظلم شروع کر دئے

غیرت نسوانی کا پرشکوہ مظاہرہ

اور یہ حالت ہو گئی کہ ملک بھر میں جہاں کہیں کوئی پری جمال دوشیزہ کی شہرت اس کے گوش زد ہوئی اس نے اپنے قوت و جبر کے ذریعہ زبردستی بلوا کر بے آبرو کیا۔ اس ظالم ملک کی بے شمار لڑکیاں اس کے ہاتھ سے خراب ہوئیں۔ بلقیس [illegible] چچا [illegible] دوشیزگی کا [illegible]

اُس نے کہلا بھیجا کہ بہت روز سے آپ کے وصل کی آرزو اپنے قلب میں چھپائے بیٹھا ہوں۔ اب صبر کی طاقت نہیں میرے آغوش میں سونے کے لئے آج ہی شب کو میری مجلس میں آئیے۔ یہ تو کسی کی مجال ہی نہ تھی کہ کوئی انکار کر دے۔ بلقیس بھی سمجھتی تھی اس نے جواب دیا کہ آپ ہی تشریف لے آئیے۔ جونہی اس بدمعاش بادشاہ نے اندر قدم رکھا بلقیس کے اشارہ پر اس کے دو دیوں نے ایک پہلو سے نکل کر اس کی شہوت رانی اور اسکا دونوں کا خاتمہ کر دیا۔

اس کے بعد فوراً بلقیس نے وزراء کو بلا کر کہا کہ تم لوگ بڑے ہی بے غیرت تھے جو اپنی آنکھوں اپنی دوشیزہ لڑکیوں کی بے آبروئی گوارا کرتے رہے۔ آج ہی اس نے میری طرف رخ کیا تھا آج ہی میں نے اُسے ٹھکانے لگا دیا۔ جاؤ اب کسی لائق شخص کو تخت پر متمکن کر لو۔ مگر سب نے بالاتفاق اسے ہی اپنا فرمانروا تسلیم کر لیا۔

سلطنت سبا کی عظمت و شان

اس نے سریر آرائے حکومت ہوتے ہی اس حسن و انتظام اور اس دانائی و لیاقت سے فرمانروائی کی کہ اس خاندان کے جملہ فرمانرواؤں کی شہرت اس کے سامنے گرد ہو کر رہ گئی۔ اسکا دربار بڑے جاہ و جلال کا دربار تھا۔ چالیس ہزار بہادر جوانوں کا لشکر آستانہ شاہی پر ہر وقت منتظر اشارہ کھڑا رہتا تھا۔ چار سو تاجداران عالم اس کے خراجگذار تھے۔ بارہ ہزار دست بستہ سپہ سالار اطراف عالم میں مصروف پیکار رہتے تھے۔ تین سو امراء و وزراء اس کے تخت کے اردگرد دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ [illegible] اس کی حکومت تھی بڑے بڑے فرمانروا اس کے نام سے لرزتے تھے

اسکا تخت زر و جواہر کا ایک اعجوبۂ روزگار نمونہ تھا۔ سات قصر شاہی تھے اور یہ اس ترکیب کے ساتھ تیار و آراستہ کئے گئے تھے کہ ملکہ کے تخت پر پہنچنے کے لئے ہر طرف سے ہر جانے والے کو سات ڈیوڑھیاں پار کرنی پڑتی تھیں۔ اُن کی چھتیں زر و سیم کی تھیں اور ستون زبرجد و سنگ مرمر کے۔ در و دیوار پر قیمتی اور خوش رنگ نقش و نگار تھے۔ اس کے عہد میں رعایا بھی بہت خوشحال اور دولتمند تھی اور شہر سبا کی تزئین و آرائش کا یہ عالم تھا کہ اس کے اندر بلور و سنگ مرمر کے تمام محل تھے اور ہر محل کے ساتھ ایک نہایت خوشنما چمن اور فوارے ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں دور دور میلوں تک میوہ اور باغات کی قطاریں چلی گئی تھیں۔ فراخ سڑکیں تھیں اور چپہ چپہ نہریں گھوم رہی تھیں۔ جہاں سد مارب کے بند سے پانی آتا تھا۔ غرض دار السلطنت سبا اس عہد میں ارضِ عالم کا ایک لاثانی شہر تھا۔

ملکۂ بلقیس کو اسلام کے سائے میں

شام و فلسطین میں حضرت سلیمانؑ کی پرشکوہ فرمانروائی قائم ہوئی تھی جو ایک جلیل القدر پیغمبر بھی تھے انہیں جو ہُدہُد کے ذریعے سے شہر سبا کی عظمت و شوکت اور ملکہ بلقیس کی فرمانروائی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً اُسے دعوتِ اسلام دی بلقیس نے آزمائش کے لئے مختلف تحائف بھیجے اور پانچسو غلاموں کو عورتوں کا اور پانچسو لونڈیوں کو مردوں کا لباس پہنا کر حضرت سلیمان کے پاس بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بذریعہ وحی مطلع کر دیا اور آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ ملکہ کی قسمت میں سعادت اسلام تھی۔ اس کے وزراء نے مشورہ دیا کہ آپ عظمت و صولت میں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ آپ کا وہاں تنہا جانا مناسب نہیں

مگر ملکہ نے ایک کشتی اور بڑے کروفر کے ساتھ روانہ ہوئی۔ حضرت سلیمان نے اپنے صاحب ولایت وزیر کے ذریعہ آناً فاناً میں بلقیس کا تخت بھی اٹھوا منگایا اور اس کے استقبال کی شاندار تیاریاں شروع کر دیں۔

حضرت سلیمان کی فرمانروائی جن و انس اور وحوش و طیور پر تھی۔ اجنہ نے شکایت کی کہ بلقیس ضرور حسین ہے مگر عقل و خرد سے عاری ہے اور اس کی پنڈلیوں پر جانوروں جیسے بال ہیں۔ اسی لئے حضرت سلیمان نے ایک شیشہ کا محل تیار کرایا۔ بلقیس سمجھی کہ پانی ہے اس لئے اس نے اپنے پائنچے اٹھا لئے جس سے معلوم ہو گیا کہ واقعی اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں جس کے لئے بعد کو ایک کارگر دوا استعمال کی گئی۔

بلقیس کو حضرت سلیمان نے اسی وقت دین اسلام کی دعوت دی اور مسلمان ہو گئی۔ آپ نے حکم دیا کہ اب کسی سے نکاح کر لیں کہ اسلام کا ایک لازمی جزو ہے آخر اس نے حضرت سلیمان ہی سے نکاح کر لیا۔

پُرشکوہ حکمرانی بلقیس نکاح کرنے کے بعد کچھ عرصہ فلسطین میں رہی اور اس کے بعد ان کے اشارہ سے یمن چلی آئی۔

حضرت سلیمان ہر مہینہ سبا تشریف لے جاتے اور تین روز بلقیس کے پاس رہ کر واپس آجاتے۔ آپ کے حرم میں کئی سو بیویاں تھیں عظیم الشان فرمانروا اور پیغمبر تھے۔ دونوں محترم زن و شوہر کی فرمانروائی پوری دنیا کو اپنے آغوش میں لئے ہوئی تھی اور دونوں نہایت جاہ و جلال سے حکمرانی کر رہے تھے۔ محترم شوہر کی زندگی میں بلقیس کا انتقال ہو گیا جسے حضرت سلیمان نے دنیا کے مشہور تاریخی شہر تدمر میں جو ملکہ زنوبیہ کا دارالسلطنت تھا دفن کر کے قبر کو زمین کی برابر کرا دیا تاکہ یہ نظر عوام سے پوشیدہ رہے

ملکہ بلقیس (سبا)، ملکہ سمیرامیس (بابل)، ملکہ ہیلینا (یونان) سب قریب ایک زمانہ میں گذری ہیں اور تین سو برس کے اندر اندر تینوں اپنا جاہ و جلال کھو کر

رہگذار ملک بقا ہوئی ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں ملکہ تو اصنام پرستی کے صنم
میں دیویاں بن گئیں اور زندگی میں اپنی عصمت و عفت کو قائم نہ رکھ سکیں
اپنے حسن و جمال کو انہوں نے ہوس پرستی کی نذر کر دیا مگر ملکہ بلقیس نہایت
شریف اور با عصمت ملکہ ثابت ہوئی اور اسے ایک جلیل القدر پیغمبر
کی بیوی بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اُن کے زمانہ کو آج تین ساڑھے تین
ہزار برس گذر چکے ہیں مگر اُن کی شہرت آج بھی زندہ ہے۔ بلقیس حسن و
ناز آفرینی اور رعنائی جمال میں اتنی بلند منزلت اور اتنی عدیم النظیر تھی
کہ حضرت سلیمان بھی اس سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ اور بار بار انہوں
نے اس کے حسن و جمال اور شرافت و دانائی کو شاندار الفاظ میں سراہا ہے

مسیحوں کی ماہ پیکر حسینہ

۲۴۷ سنہ

پیدائش اور خاندانی حالات یہ ملکہ ایشیائے کوچک میں بمقام شبینہ
میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ ایک غریب
اور ادنیٰ خاندان کی چشم و چراغ تھی۔ اس لئے اس کے بچپن اور خاندان کے
حالات پر تاریخی ظلمت کا پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے سوا دنیا کو کچھ نہیں
معلوم کہ وہ ایک فتنہ خیز اور فتنہ بار حسن و جمال کی مالک تھی اور جس وقت
شباب کے عالم میں قدم رکھا ہے اس وقت اس کے چہرہ پر نگاہ نہ ٹھہرتی تھی
اور جو دیکھ لیتا تھا فریفتہ ہو جاتا تھا۔ ایک غریب لڑکی اور اتنی کافر ادا
ہر طرف ایک دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس کے مکان کے ارد گرد دل گرفتہ
عشاق کا ہجوم رہتا تھا اور ہر کسی کو آرزو تھی کہ وہ روزانہ اسے ایک
نظر دیکھ لے اگر تھیوڈورا کی طرح یہ بھی حسن فروشی اور بے حیائی پر اُتر آتی
تو ہزارہا پروانے اس کی شمع رخسار کی بلائیں لینے کو اکٹھے ہو جاتے

اور اس کی مصیبت بھی دور ہو جاتی۔ مگر نہیں اس نے اس کی پرواہ بھی نہ کی اور کسی بھونرے کو موقعہ نہ دیا کہ وہ اس کے غنچۂ شباب کا رس چوس سکے۔

اس زمانہ میں بت پرست وحشیوں کے ہولناک شدائد و مظالم کے باوجود مسیحیت کا سیلاب کچھ اس شان سے اُمنڈتا چلا آ رہا تھا کہ روکے نہ رکتا تھا۔ ان کے اندر تقدس جوش اور خلوص بھی موجود تھا۔ ایک روز اس کے آستانہ پر ایک مسیحی نوجوان کا گذر ہوا۔ جو دیکھتے ہی بولا کہ اے ماہ پیکر! میں بھی دیکھ چکا ہوں کہ تو ایک لازوال حسن کی مالک ہونے کے باوجود مسیحیہ فطرت نازنین ہے اور عشاق کے دام فریب سے خود کو برابر بچاتی رہی ہے اگر تو مسیحیت اختیار کر لے تو اللہ تجھے برکت دیگا اور عقبیٰ کے ساتھ تیری دنیا بھی سنور جائے گی۔ ملکہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں وہ مسکرائی اور بولی کہ تم پہلے نوجوان ہو جس نے اپنے فائدہ کے بجائے میرے فائدہ کی بات کہی ہے اچھا میں اس پر غور کر لوں مگر ایک شرط ہے کہ تمہیں میرے ساتھ شادی کرنی پڑے گی عیسائیوں پر شدید مظالم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ عیسائی ہوتے ہی ممکن ہے کہ مجھ پر بھی کوئی چٹان گر پڑے میں اس بار کو اپنی نزاکت کے پیش نظر تنہا نہ اٹھا سکوں گی۔ عیسائی نوجوان بولا تجھ جیسی مہ پارہ سے ہم آغوش ہونا شہزادوں کے لئے بھی باعث فخر ہو سکتا ہے مگر اپنی تلقین کے ثواب کو دنیوی غرض سے آلودہ نہیں کر سکتا۔

حسن عالم آشوب کے مزاج پر پلٹنا اس جواب سے سناٹے میں آ گئی کہ اس کے فہم و تدبر میں کوئی انسان بھی ایسا تھا جو اس کی اس مشفقانہ پیشکش کو ٹھکرا سکے وہ اس بات سے متاثر ہوئی اور [illegible]

کرنا شروع کردی اور بہت جلد اس نے کمال حاصل کرلیا۔
قیصر قلطیا نوس کا زمانہ تھا اس نے اپنے ایک معزز اور جلیل القدر افسر قسطنطن کلورس کو ایشیائے کوچک میں ایک مہم پر بھیجا ہلینیا کا ماہ حسن اس وقت پوری درخشانیوں کے ساتھ مصروف ضیا باری تھا اچانک اس کی نظر جو پڑی سرشار ہوگیا۔ دلدادہ ہوگیا۔ صبر و قرار کھو بیٹھا۔ ہلینیا ایک غریب بچی اتنے بڑے اور معزز افسر کی آرزوؤں کو ٹھکراتا اس کے کیا کسی کے بس کا روگ بھی نہ تھا۔ دونوں ساتھ رہنے لگے۔ لیکن ان کے یہاں جو بچہ پیدا ہوا اس کے متعلق نجومیوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ بچہ ساری سلطنت روما پر قابض ہو کر اس کے ...... مذہب کو بھی تبدیل کردیگا۔ قیصر بت پرست تھا یہ سنکر آگ بگولا ہوگیا۔ قسطنطن نے مخفی طور پر اپنی محبوب بیٹی کو روما سے قسطنطنیہ بھیجدیا ہلینا کے لئے یہ بہت بڑی مصیبت تھی۔ مسز ہلینیا اور یہ کہ شوہر نے اس اثنا میں دوسرا عقد کرکے اس کی مسیحیت کی بنا پر اسے طلاق دیدی۔ ہلینیا کو سخت صدمہ ہوا اور بڑی مصیبت سے گذرنے لگی۔ اسکا بیٹا اپنے باپ کے مرنے پر اس کی جگہ مغربی قلمرو حکومت کا حاکم ہوگیا اور بہت لائق نکلا اور روما کے تھوڑے دنوں میں شہرت حاصل کرکے سلطنت روم پر قابض ہوگیا۔ عیسائیوں نے اسے اپنا نواسا سمجھکر اس کی پوری امداد کی اور یہ تمام حریفوں پر غالب ہوگیا۔
قسطنطین کو اب و ہم ولکبرا لیے میں شہنشاہانہ طمطراق سے رہنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ جنگ میں یہ سمجھتا تھا کہ ردی بت پرستوں سے اس کی امداد بہت کم کی تھی۔ اور ایک مسیحی خاتون کا بیٹا سمجھکر عیسائیوں نے ہزاروں کی کثیر تعداد میں اس کے لشکر میں شامل ہو کر اسے فتحیاب بنایا تھا۔ اس نے بیعت کرنے کے اور دی

اسی وجہ سے کچھ نفور تھے۔ اس لئے وہ مشرق میں چلا آیا۔ اور شہر بزنطائن کو اپنا دارالسلطنت مقرر کر کے اسکا نام قسطنطنیہ رکھا اور پوری سلطنت روما پر بڑے جاہ و جلال سے فرمانروائی کرنے لگا۔

مذہبی جوش و خدمات

اس نے اولین فرصت میں اپنی والدہ کو بلا لیا اور زندگی بھر اسکا پورا احترام کرتا رہا پھر اس نے عیسائیوں کو اُن کے احسانات کا بدلہ دینا چاہا اس نے عیسائیوں کی تنظیم کی اُن کے لئے بیت المقدس اور دیگر شہروں میں عظیم الشان کلیسا تعمیر کرائے تمام جابرانہ قوانین منسوخ کر دیئے۔ نیقیہ میں ایک عظیم الشان کونسل قائم کرا کر عقاید مسیحی کو منضبط کرایا۔ تثلیث کا مسئلہ اسی کونسل میں طے ہوا۔

لیکن حقیقت پوچھئے تو یہ کونسل مسیحیت کے اصلی خط و خال کے مسخ ہونے کا باعث بنی تھی اس لئے کہ وہ تمام اسقف اور عیسائی جو توحید پرست تھے۔ ملحد قرار دیئے گئے اور توحید ختم ہو کر ڈھائی سو سال کے بعد شرک شروع ہو گیا۔ مگر قسطنطین کی نیت نیک تھی اس میں اس کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ ہلینا خود بیت المقدس پہنچی اور اس نے یہاں حضرت عیسیٰ کے مولد و مدفن اور ہر اس مقام پر جہاں جہاں حضرت عیسیٰ کا گذر ہوا تھا عظیم الشان گرجے تعمیر کرائے۔ صلیب مقدس کھود کر نکالی گئی۔ غرض ہر جگہ عیسائیوں کا زور بندھ گیا اور عیسائیت تیزی اور سرعت کے ساتھ ترقی کرنے اور پھیلنے لگی۔

قسطنطین پر عیسائیوں کا احسان ضرور تھا اور وہ اسکا صلہ بھی نہیں دینا چاہتا تھا مگر پھر بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان تمام مسیحیت نوازیوں میں اس کی پرچال اور محترم ماں کا مشورہ کام کر رہا تھا۔ وہ کوئی کام بھی اپنی ماں کے مشورہ کے بغیر نہ کرتا تھا

اور واقعی اس کے مشورے نہایت صائب ہوتے تھے۔ ہلینا نے (۸۰) سال کی عمر میں (۳۲۷ء) میں انتقال کیا۔ وہ محض بارہ برس تک سہاگن رہی اور تیس برس کی عمر میں بیوہ ہو گئی۔

اخلاق وعادات

حقیقت یہ ہے کہ ہلینا نے اپنے بے مثل اور عالم آشوب حسن وجمال سے کوئی خاص عیش حاصل نہیں کیا اور اپنی تمام زندگی مسیحیت کی ترقی کے لئے وقف کئے رکھی۔ ملکہ استیر جس طرح یہودیت کے عروج کا باعث بنی تھی۔ اسی طرح ہلینا مسیحیت کی ترقی اور اقتدار کی محرک بن گئی۔ یہ ضرور ہے کہ حقیقی عیسائیت کو اس کے اقتدار وعروج سے شدید نقصان پہنچ گیا اور وہ توحید غارت اور دفن ہو کر رہ گئی۔ جسے نشوونما دینے اور پھیلانے کے لئے تمام انبیاء وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ تاہم یہ اس کا قصور نہ تھا۔ اس کے حکم سے کونسل ضرور منعقد ہوئی مگر توحید کے افنا اور شرک کے احیاء کا فیصلہ کرنے والی وہ نہیں بلکہ مسیحی اسقف اور پادری تھے۔ اس سے پہلے بت پرست عیسائیوں پر شدید سے شدید مظالم کر رہے تھے عظیم الشان سلطنت روم ان کی خوفناک دشمن تھی اور ان پر مصائب ونوائب کا ایک سیلاب امنڈا ہوا تھا یہ ہلینا ہی تھی جس نے اس سیلاب ظلم کو روکا اور عیسائیوں کو سکھ کی نیند سونا نصیب ہوا۔ ملکہ استیر کی پوری زندگی عیش ونشاط میں گذری مگر ملکہ ہلینا نے ۸۰ سال کی عمر میں اپنی زندگی عشرت کامیوں سے بہت کم نفع اٹھایا۔ وہ چاہتی تو وہ اپنے فتنہ خیز حسن وشباب کی سرمایہ دار تھی کہ وہ ہر قسم کا عیش اٹھا سکتی اور رنگ رلیاں منا سکتی تھی۔ مگر اس نے ذاتی عیش اندوزیوں پر قومی مفاد کو ترجیح دی اور آخری عمر تک مسیحیت کی سچی پرستار رہی۔

عفت مآب رومی حسینہ

حسن و جمال کی رعنائیاں یہ کافر ماجرا اور ماہ طلعت نازنین ایک جلیل القدر رومی جرنیل قلاطینوس کی محبوب بیوی تھی جسے لقریطوس نے بڑے ناز و نعم کے ساتھ پرورش کیا تھا اور چونکہ یہ اس کی اکلوتی بیٹی تھی اس لئے اس کی تمام محبتوں اور پدرانہ شفقتوں کی مرکز بنی ہوئی تھی۔ اس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق باپ نے بیٹی کو تعلیم بھی توجہ کے ساتھ دی تھی۔

رومتہ الکبریٰ کی اخلاقی حالت ان دنوں کچھ اچھی نہ تھی کیونکہ بیرونی حکومت کی غلامی نے رومیوں کو اخلاقی جوہر سے بڑی حد تک عاری کر دیا تھا۔ اور ہر ملک میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے لیکن فضا خراب ہونے کے باوجود لقریطیہ نہایت نیکدل اور پاک طینت دوشیزہ نکلی۔ اس کے حسن و جمال کی درخشانیاں اور لمعانیاں دیکھکر اس کے باپ کو بھی خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں کسی شہزادہ کی نظر اسیر ہو کر اسکی بربادی ناموس کا باعث نہ ہو۔ اس نے بہت احتیاط کی لیکن اس کے حسن کی تیز تر شعاعیں رومتہ الکبریٰ کو جگمگانے لگیں اور ہر طرف سے پروانوں کا ہجوم ہو گیا۔ عورت ہزار کمزور ہو اگر وہ خود اپنے ناموس کے تحفظ کا تہیہ کرلے تو کوئی بھی اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ لقریطیہ بھی محفوظ رہی۔

تماشائے رقص بسمل رفتہ رفتہ لقریطیہ کے حسن و ادا کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا اور مشہور ہو گیا کہ لقریطیہ انسان نہیں پری ہے۔ ایک روز قلاطینوس بڑے کروفر کے ساتھ ایک رستہ سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر اچانک لقریطیہ کے آتشیں رخسار پر پڑی

ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ بہت مقتدر سردار تھا اور اس کے اندر شرافت کے جوہر موجود تھے۔ کچھ روز ہجر و فرقت کے انگاروں پر لوٹنے کے بعد وہ لقریطیہ کے کاشانہ حسن پر پہنچا اس نے جو اپنی نظر اٹھائی اور بڑی بڑی شہلائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ایک آہ کر کے گرا اور بیہوش ہوگیا۔ اس وقت گھر میں کوئی نہ تھا۔ لقریطیہ نے انسانی ہمدردی سے کام لیکر فوراً اس کے چہرہ پر گلاب وغیرہ چھڑکا اور اس کا سر زانو پر لے کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ خدا جانے میرا یہ حسن مجھے کس حالت کو پہنچا کر رہیگا۔ باہر بھی آنا جانا کم کر دیا ہے۔ پھر بھی مجھے چین نہیں کیا کروں وہ یہ سوچتے سوچتے آبدیدہ ہوگئی۔ قطرات اشک ٹپک کر قلاطینوس کے چہرہ پر جو پڑے تو اس نے آنکھیں کھولدیں اور اٹھکر بیٹھ گیا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی آخر جرأت کر کے بولا مہ جبین آپ کے ہجر و عشق میں میری جو حالت ہوگئی ہے وہ ظاہر ہے۔ مجھے تیری شرافت اور عفت کا احساس ہے میں کوئی نامناسب بات نہیں کہہ سکتا۔ صرف اتنی درخواست ہے کہ تو میرے ساتھ نکاح کرلے ورنہ میرا خون تیرے سر ہوگا۔

درد عشق کے اثرات

قلاطینوس کے جذبات میں بلا کا درد تھا سچا عشق تھا۔ لقریطیہ بھی متاثر ہوگئی بولی چونکہ آپ کے ارشاد میں شرافت کی بو ہے جسے میں وقیع نظروں سے دیکھتی ہوں۔ اپنی طرف سے کنیزی اور خدمت کے لئے طیار ہوں۔ آپ میرے باپ کے پاس پیام بھیجدیں۔ باپ نے اپنی بیٹی کا رجحان دیکھکر قلاطینوس کے ساتھ شادی کردی۔ یہ بہت معزز رومی سردار تھا۔ شادی کے بعد دونوں میں عاشقانہ محبت رہی اور لقریطیہ نہایت شریف و لائق بیوی ثابت ہوئی۔ اسوقت روما الکبریٰ میں طارکوینس

کی شہنشاہی کا ڈنکہ بج رہا تھا جس کی ہیبت سے رومی لرزہ براندام تھے مگر قلاطینوس قرابت کے باعث شاہی اعزاز و اکرام کا مورد بنتا چلا جا رہا تھا اور رومی چونکہ اس عہد میں گونہ ذلت و خواری و غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے وہ بھی اس کی عزت پر مجبور تھے۔ لقریطیہ کا بھی اعزاز روز بروز بڑھتا گیا اور اتنا عروج حاصل ہو گیا کہ وہ شاہزادیوں کی ہم رتبہ سمجھی جانے لگی۔

ایک مرتبہ قلاطینوس کو سپہ سالار لشکر بنا کے قلعہ آرویہ کی فتح کے لئے بھیجا گیا۔ شہنشاہ کے تینوں بیٹے بھی ساتھ تھے ایک شام کو ان چاروں میں یہ بحث چھڑ گئی کہ ہم چاروں کی بیویوں میں سب سے لائق بیوی کس کی ہے۔ ہر شخص اپنی بیوی کی قابلیت کا مداح تھا اور اسے ترجیح دیتا تھا۔ آخر قرار پایا کہ کل صبح چاروں ساتھ ساتھ ہر ایک کے گھر جائیں اور دیکھیں کہ کس کی بیوی کن مشاغل و امور میں منہمک ہے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر چاروں روانہ ہو گئے۔

لقریطیہ کی غیرت و شرافت

تینوں شہزادوں کی بیویاں تو اپنی سہیلیوں کے ساتھ تفریح میں دیکھی گئیں مگر لقریطیہ اس اعزاز و حیثیت کے باوجود اون کاتتی اور اپنے وقت کو مفید مشغلہ میں صرف کرتی نظر آئی۔ گھر سے باہر قدم رکھتے ہی تینوں شاہزادوں نے اعتراف کر لیا کہ لقریطیہ سب سے بہتر اور گرانقدر بیوی ہے۔

لیکن اس مذاق و مقابلہ نے دفعتہً ایک نازک اور خوفناک صورت اختیار کر لی۔ لقریطیہ وہ پری پیکر اور زہرہ جبین عورت تھی جس کے حسن کے سامنے شاہزادیاں بھی کوئی حیثیت نہ رکھتی تھیں بادشاہ کا فرزند اکبر شاہزادہ سکسطوس بڑا بدطینت اور نفس پرست تھا

وہ لقریطیہ کے حسن عالم آشوب کا شیدا بن گیا اور اسی وقت عہد کر لیا کہ جان جائے یا رہے۔ بدنامی ہو یا رسوائی عزت برباد ہو یا رہے۔ تخت سے محروم ہوں، برباد ہوں۔ اچھا ہو یا برا کچھ ہو جس طرح بھی ہوگا اس پھول کا رس ضرور چوس کر رہونگا اور اس کے باغ شباب کا میوہ کھائے بغیر چین سے نہ بیٹھونگا۔ چنانچہ چند روز جوں توں گذار کے وہ خاموشی کے ساتھ ایک روز وہاں پہنچا۔ اور اسی کے یہاں مہمان ہوا۔ لقریطیہ نے شہزادہ سمجھکر تمام لوازم مہمانی بخوبی انجام دیئے۔ آخری شب میں وہ اٹھکر اس کے کمرے میں پہنچ گیا اور خنجر لگا کے اظہار عشق کیا اور ہر قسم کی ترغیبات دیں جنہیں بے اثر دیکھکر دھمکیاں دینی شروع کیں اور جب وہ کسی طرح راضی نہ ہوئی تو غضبناک ہو کر بولا کہ دیکھ اگر تو میری ہم آغوشی پر راضی نہ ہوئی تو اسی وقت قتل کر ڈالونگا۔ لقریطیہ نے جرات و استقلال سے جواب دیا۔ بیشک جان دیدونگی مگر آبرو نہ دونگی۔ سکسطوس نے چند لمحہ خاموش رہ کر کہا کہ اچھا میں تمہاری جان بھی لونگا اور آبرو بھی۔ تمہیں قتل کرکے تمہارے حبشی غلام کی جان لونگا اور دونوں لاشیں برابر لٹا کر شور مچادونگا کہ میں نے دونوں کو ہم آغوش دیکھکر فوراً غیرت سے قتل کر دیا۔ اس طرح قیامت تک کے لئے تیری عصمت میں رسوائی کا داغ لگ جائیگا۔

غیرت حسن کی المناکی

یہ دھمکی کچھ اس غضب کی دھمکی تھی کہ وہ لرز گئی اور مجسم بیکس بنکر اس نے خود کو اس کے آغوش میں دیدیا۔ رات بھر اس مہ پارہ کے گلشن حسن کی گلچینی کرکے یہ تو واپس چلا آیا۔

لیکن لقریطیہ کے تن بدن میں ایک آگ لگی ہوئی تھی اس نے صبح ہوتے ہی اپنے جواں سال شوہر کو بلا کر تمام سرگذشت بیان

کردی۔ سب نے تسکین دی۔ وہ بولی کہ تم یقیناً میری اس بے آبروئی کا انتقام لوگے۔ مگر مجھے تو میری کھوئی ہوئی عزت واپس نہیں مل سکتی یہ کہا اور نہ قبل ولادت ہوئی ہیں اپنے سینہ میں خنجر بھونک کر اسی وقت جان دیدی۔ ایک بے آبروئی اور دوسرے یہ فوری صدمہ لقریطیہ کا شوہر اور خسر دونوں انتقام کے لئے فوری اٹھ کھڑے ہوئے جس نے یہ سنا اس میں جوش پیدا ہوگیا۔ رومیوں میں ملا کا جوش پیدا ہوگیا۔ خود بادشاہ کا بھتیجہ بروٹس بھی فوراً جوش میں مقابلے پر آگیا۔ ایک عام بغاوت ہوگئی اور تمام شاہی خاندان کو راہ فرار اختیار کرتے بن پڑی۔ یہ لقریطیہ کا خون ہی تھا جس نے رومیوں کو غیر ملکی جوئے سے آزادی دلائی۔ شاہی خاندان کا خاتمہ کیا اور جمہوریت قائم کرادی۔ وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی عفت مآب اور عقلمند بھی تھی۔

رومی نازنین کا حیرت انگیز عروج

ابتدائی حالات اور علم و فضل یہ حسن و جمال اور عقل و کمال کی پیکر جلیل خاتون۔ دنیا میں وہ کارنامہ ہائے عظیم پیش کر گئی ہے جن پر ہزار سال سے لوگ تحیر و تعجب کا اظہار کر رہے ہیں اور غالباً تا قیام قیامت یہ تحیر کم نہ ہوگا۔ نویں صدی عیسوی میں جب شارلمین فرمانروائے فرانس نے عیسائیت کے جوش مذہبی میں سکسین قوم کو اپنا مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا ہے تو اس کی مذہبی تعلیم کے لئے انگلستان سے قابل اور فاضل پادری مدعو کئے گئے اُنہی میں ایک پادری جون کا باپ تھا جو بہت فاضل شخص تھا اس کے ساتھ ایک ماہ طلعت عورت بلڈ ہی گونڈ بھی تھی کسی سے

ظاہر تو نہ کیا گیا مگر حقیقت میں اس عورت کا تعلق پادری مذکور کے ساتھ تھا نتیجتاً اس عورت کے بطن سے جون پیدا ہوئی۔

جون حسن و ناز آفرینی اور دلبری و نزاکت میں بے مثل تھی وہاں کمسنی ہی میں اس کے تمام حرکات و سکنات سے اس کی دانشمندی و فرزانگی کا اظہار ہوتا تھا۔ اسے خدا نے وہ ذہن و حافظہ عطا کیا تھا کہ وہ اپنے باپ کی توجہ سے بہت جلد اور نسبتاً ایک قلیل و قفہ مدت میں منتہی علوم ہو گئی اور بلوغیت و شباب کے چمن میں قدم رکھنے سے پیشتر ہی وہ یورپ کی مشہور زبانوں جرمنی۔ فرانسیسی انگریزی اور لاطینی زبانوں اور مذہبی علوم میں کامل ہو گئی۔ اس کے بعد وہ مرکز علوم اثینہ (یونان) میں پہنچی اور وہاں اعلیٰ مذہبی و ادبی تعلیم میں کمال پیدا کیا اور ابھی چند سال بھی نہ گذرے تھے کہ وہ فلسفہ، منطق، ادب اور مذہبی علوم کی ایک متبحر فاضلہ تھی اور اتنی قابل کہ اس عہد کا کوئی بڑے سے بڑا فاضل بھی اس سے بحث نہ کر سکتا تھا۔ بہر کیف جون علم و فضل فصاحت و بلاغت۔ تحریر و تقریر۔ بحث و تمحیص لیاقت و فضیلت مستعدی اور ہوشمندی، کارکردگی و کاروائی اور حسن و جمال میں سر آمد روزگار تھی۔

نوجوان پادری سے معاشقہ

جون کا قلب نسوانی ولولوں سے معمور تھا اور اس فضل و علم کے باوجود وہ ایک راہبہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے پر تیار نہ تھی چنانچہ فولڈا کی خانقاہ میں جب اس کی نظر ایک نوجوان اور خوبصورت اور تعلیم یافتہ پادری پر پڑی تو تیر عشق سینے کے پار تھا۔ دونوں ذہین دونوں تعلیم یافتہ دونوں نوجوان۔ دونوں پر ارمان اور دونوں حسین تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر عاشق ہو گئے۔ پادریوں میں شادی ہو نہیں سکتی تھی اور یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر آرام و عیش کے ساتھ رہ نہ سکتے تھے

چنانچہ جون نے پادری کے مانند لباس تبدیل کیا۔ جان اپنا نام رکھا اور دونوں عاشق ومعشوق پوری آزادی کے ساتھ اسی خانقاہ میں رہنے لگے۔ کچھ روز بعد جان اسی خانقاہ کا پادری مقرر ہوگیا کیونکہ وہ علم وفضل میں یگانہ تھا۔ ابھی پورے دو ماہ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ لوگوں کو اپنے متعلق مشتبہ پاکے دونوں ایک رات کے سناٹے میں اس خانقاہ سے بھاگ کر دارالسلطنت یونان ایتھنیہ میں آگئے۔ دونوں ذہین اور علم کے شوقین تھے اتنی ترقی کرلی کہ یہاں کے تمام افاضل انہیں محبت وعزت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اور بہت کچھ شہرت ہوگئی۔ کئی سال تک دونوں حسن وعشق اور وصل وجمال کے لطف لوٹتے اور عیش کرتے رہے۔

روما میں فاضلانہ شہرت

ایک روز دونوں میں کچھ تکرار ہوگئی اور دونوں نے مخالف سمت کی راہ لی۔

نوجوان پادری تو مصر، اسکندریہ، شام، دمشق اور فلسطین ہوتا ادھر پھرتا ہوا گہوارۂ تہذیب وتمدن بغداد میں پہنچکر حصول علم کی سعی میں مستغرق ہوگیا اور جون انگریز جان کا نقاب اوڑھے اور بھیس بدلے گھومتی پھرتی — روما الکبریٰ میں آگئی۔ عاشق مشرق میں رہا اور معشوقہ مغرب میں۔ روما ہزار گر گیا ہو مگر اب بھی قیاصرہ کا نہیں تو پوپوں کا مرکز اقتدار تو ضرور تھا۔ جہاں سے نصف دنیا پر پرشکوہ فرمانروائی کی جارہی تھی — جون فضل وعلم میں درجہ تبحر رکھتی تھی۔ اس لئے روما میں بہت جلد اسے ایک امتیازی مرتبہ حاصل ہوگیا۔ بڑے بڑے امراء وفضلا اس کے قدم چومنے لگے۔ یہاں اس کی زندگی کا عنوان بھی بہت دلکش ودلفریب نظر تھا۔ سادہ زندگی، مرنجان مرنج پالیسی، وسعت اخلاق، تنہائی پسند وقار وتمکنت لوگ اس کی طرف ٹوٹ پڑے کہ اتنا بڑا فاضل علوم دینی ودنیوی منتہی معقولات ومنقولات، متعدد زبانوں پر عبور

اور اثنا میں نفس و بے غرض ہو کہ روما اس کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ رعایا سے لیکر اعلیٰ تک اس کی شہرت ہوگئی اور حقیقت بھی یہی ہو کہ روما میں اس وقت کوئی پادری اور کوئی متنفس بھی علم و فضل اور عقل و فرزانگی میں اس سے ہمسری کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ مقتدایانِ مذہبی کے گروہ میں شامل ہوگئی۔

ترقیاتِ حسن کی منازل حوالی شہر میں سینٹ مارٹن کی ایک مشہور خانقاہ تھی وہ اس کی لاٹ پادری مقرر ہوگئی اور چند ماہ کے بعد اُسے یہیں کے مشہور مدرسہ کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ یہاں اس سے وہ قابلیتیں ظاہر ہوئیں اور اس لیاقت کے ساتھ اس نے تعلیم دی کہ دھوم مچ گئی۔ اسی اثنا میں کہیں اس نے بدعقیدہ مسیحیوں کے خلاف ایک رسالہ لکھدیا تھا۔ اس سے چار سو اسکا شہرہ ہوگیا اور بڑے بڑے پادری اور افاضل اسکا نام عزت سے لینے لگے۔ اس وقت کلیسائے مسیحی میں بہت سے جھگڑے برپا تھے۔ لیو رابع جو پوپ منتخب ہوا تو اس نے جون کو نہ صرف پیہم نوازنا شروع کیا۔ بلکہ تمام امور میں اس سے مشورہ لینے لگا۔ اس لئے کہ وہ سینٹ مارٹن کی خانقاہ میں رہ چکا تھا۔ اس نے اکثر معاملات بھی جون کے سپرد کئے جنہیں اس نے اس شان لیاقت کے ساتھ انجام دیا کہ روما بھر میں یہ مشہور ہوگیا کہ پوپ کے تمام کام انگیز جان کی امداد سے انجام پاتے ہیں۔ آخر جون کارڈنل بھی ہوگئی اور سکرٹری آف اسٹیٹ کا بلند منصب بھی مل گیا۔

نازنین پوپ منتخب ہوگئی جون اپنی لیاقت و دانائی سے برابر ہر دلعزیزی حاصل کرتی چلی جا رہی تھی اور اس وقت حقیقت یہ ہو کہ وہ اس وقت پوپ

کے بعد روما میں سب سے زیادہ معزز ہستی تھی۔ اور وقت آگیا تھا کہ وہ اب آخری اور انتہائی قدم اُٹھائے۔ یہ موقعہ بھی مل گیا لیو رابع پوپ اعظم کا انتقال ہوا اور ہر طرف انتخابی کشمکش شروع ہوگئی۔ ریشہ دوانیاں ہونے لگیں۔ مقابلے شروع ہوگئے۔ لوگوں نے خیال کیا کہ اس طرح تو ضرور خونریزی ہوگی اور کوئی اپنی کوشش سے کامیاب بھی ہوگیا تو اس کے حریف اسے زک پہنچانے کی سعی کریں گے۔ اس لئے کسی غیر متعلق شخص کو پوپ منتخب کرلیا جائے۔ جون عوام میں بےحد ہردلعزیز تھی۔ لوگ ان کا نام لینے ہی والے تھے کہ عوام کھڑے ہوگئے اور انہوں نے ایوان مقدس کے سامنے نعرے بلند کرنے شروع کردیئے اور اس کی حمایت میں جابجا مظاہرے شروع ہوگئے۔ اب پادریوں نے بھی سوچا کہ جون اس عہدے کی ہر طرح اہل بھی ہے اور اگر اس کا انتخاب نہ کیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ شہر میں فساد برپا ہوجائے اس لئے سب نے بالاتفاق اسے پوپ منتخب کرلیا۔

عوام نے اس انتخاب پر بڑی مسرت کا اظہار کیا چراغاں کیا گیا اور مبارکبادیں دی گئیں۔ جون کی قابلیت و دانائی کا یہ کتنا زبردست مظاہرہ تھا کہ اس نے عوام کی عام ہمدردی بھی حاصل کرلی اور اس وقت وہ دنیا کی سب سے بڑی عزت اور مسند حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہوگئی۔

مسیحی دنیا میں اہم صلاحات جون نے ہوش سنبھالنے کے وقت سے لیکر اس وقت تک ہر موقعہ پر پوری دانائی و فرزانگی کا اظہار کیا تھا جس کی انتہا یہ تھی کہ وہ پوپ اعظم بن گئی اور اپنی نسوانیت کو پوری دانشمندی کے ساتھ چھپائے ہوئے مرد بنی رہی۔ ممکن نہ تھا کہ وہ اب عروج و ارتقاء کی انتہائی

بلندیوں پر فائز ہو کر اپنی عدیم المثال لیاقت و دانائی کا مظاہرہ نہ کرتی۔ اس نے اُن تمام لوگوں کو بیک قلم جلاوطنی کی سزا دیدی جنہوں نے مسیحیت کے متعلق بدعقیدگی پھیلانی شروع کر دی تھی اور یہ سب کچھ اس شان جلال کے ساتھ کیا کہ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہو سکی۔ اس نے روما کے خالی خزانوں کو زر و جواہر سے لبریز کر دیا بیشمار اصلاحات کیں۔ عزل و نصب میں ہمیشہ انصاف کو کام میں لاتی رہی۔ سفارشات کو اس کے ضابطۂ عمل میں کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ جسے لائق دیکھتی اُسے بڑھاتی اور نوازتی۔ آمد و خرچ کا ایک دفتر علیحدہ مقرر کیا۔ خانقاہوں اور مدرسوں کی تنظیم کی۔ غرباء و مستحقین کے وظائف مقرر کئے۔ تمام مسیحی دنیا اپنے اس پوپ ہشتم سے خوش تھی اور جانتا اور سمجھتا تھا کہ یہاں صرف انصاف و عدل کی حکومت ہے۔ جتنی خرابیاں حکومت پاپائی میں پیدا ہو گئی تھیں اس نے سب دور کیں اور ہر شعبہ کا بہتر انتظام کیا۔ بڑے بڑے شاہان وقت اس کے انتظام اور اس کی مستعدی دیکھکر حیران تھے۔ پھر اس کے دبدبہ و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ اعاظم فرمانروایاں کا بھی زہرہ نہ تھا کہ اس کے حکم سے اعراض کر سکیں۔ دور سے امراء و فضلا اور فرمانروا اس سے برکت حاصل کرنے آتے اور انہیں مہینوں اجازت قدمبوسی کا انتظار کرنا پڑتا۔ جرمنی، فرانس اور انگلستان کے مقتدر شہنشاہ اس کے پیر کو بوسہ دینے کی آرزو رکھتے اس کے سامنے آکر پر لوٹنے لگتے۔ ہر طرف اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور نصف دنیا پر اس کا سکہ رواں تھا۔

عشق و محبت کی یاس

دنیا والوں کو اعلیٰ ترین مناصب کے حصول کی کتنی آرزو ہوتی ہے اور جن کو بھی کسی فرمانرواؤں اور امیروں کو بڑا خوش قسمت سمجھا جاتا ہے مگر کوئی اُن کے

دل سے پوچھے کہ اس پر کیا گذر رہی ہے۔ جون کے لئے ادنیٰ درجہ سے ترقی کر کے دنیا کے اس اعلیٰ ترین منصب پر پہنچ جانا بہت بڑی فائز المرامی تھی۔ اُسکا آفتاب اقبال خط استوا پر چمک رہا تھا۔ دنیا اس کی ترقی پر رشک کر رہی تھی اور اسے دنیا کا سب سے خوش نصیب اور بڑا آدمی سمجھتی تھی لیکن جون کی کیا حالت تھی تین سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ اس پابند اور فرمانروایانہ و امیرانہ زندگی سے اسکی طبیعت سیر ہو گئی اور اس نے محسوس کر لیا کہ حقیقی مسرت کا راز امارت اور فرمانروائی میں مضمر نہیں۔ یہ زندگی بیرونی طور پر کتنی ہی شاندار اور پرشکوہ نظر آئے مگر اندرونی طور پر بہت بے کیف اور افکار سے لبریز ہے۔ اب اُسے اپنی آزادانہ زندگی کی یاد ستانے لگی۔ ساتھ ہی ایک اور انقلابی موج اُٹھی۔ یہ اس کے نسوانی ولولوں کی ہنگامہ خیزی تھی وہ اس سے خوش نہ تھی کہ لوگ اس کے اشارہ چشم و ابرو پر رقص کرتے رہیں بلکہ اُسے آرزو تھی کہ وہ کسی کے آغوش میں کھیلے کوئی اس کی عاشقانہ ناز برداری کرے۔ کوئی اُسے چاہے۔ کوئی اسے چھیڑے اس کے حسن و دلربائی کی تعریف کرے۔ اُسے اپنے آغوش تنگ میں لے سب کچھ مل گیا تو وہ تنہائی سے پریشان ہے ترستی ہے کہ کسی سے ہنسے بولے۔ اپنی کہے اس کی سُنے۔ کوئی اتنا نہیں جس سے وہ اپنا راز دلی کہہ سکے۔

افشائے راز کا اندوہناک منظر

اس پُروقار اور پُر متانت زندگی نے اُسے بےچین کر دیا وہ اپنا ابتدائی آزادانہ یاد کر کے اکثر آبدیدہ ہو جایا کرتی اور کہتی کہ خدا نے مجھے حسن و جمال کی دولت سے بہرہ مند کیا ہے مگر کوئی اسکا قدر دان نہیں آخر اس پر نفسانی خواہشات غالب آگئیں اتنی کہ یارا اسکے ضبط نہ رہا

بہت غور اور احتیاط کے بعد اس نے محل کے ایک حسین نوجوان ہال ڈبلیو کو اپنے عشق اور قدر دانی حسن کے لئے منتخب کرلیا اور اسے انتظامات خانگی کا داروغہ بناکر سب کچھ اس کے سپرد کردیا جواب اسکا عاشق تھا اور وہ اس کی معشوقہ! انتظامات سلطنت وزراء کے سپرد ہوگئے اور رات دن ساغر وصل کے دور چلنے لگے۔ خوب دل کھولکر دل کے ارمان نکالے دونوں تنہا ایک علیحدہ کمرے میں پڑے مصروف عیش رہتے۔ جون اس تعلق میں حاملہ ہوگئی۔ دونوں گھبرائے سب کچھ کرسکتے تھے مگر اتفاقات ایسے پیش آگئے کہ دونوں اسکا کوئی انتظام نہ کرسکے کہ اب زوال و افشائے راز کا وقت قریب آگیا تھا۔ حیرت ہے کہ جو عورت پوری دنیا کو مدت دراز تک بیوقوف بنائے رہی اور اپنی نسوانیت کو چھپائے رہی اور اپنے عمل کو نہ چھپا سکی مگر قدرت سے ہر شخص مجبور رہی۔

ایک روز فولڈا کا وہی پرانا پادری اور قدیم عاشق بارہ سال کے بعد آگیا۔ رقابت سے جل گیا اور افشائے راز کی دہمکی دیکر چلا گیا۔ مگر اس سے کچھ کرنے سے پیشتر ہی یہاں سب کچھ ہوگیا وہ مطالبہ عوام سے مجبور ہوکر دریا کی طغیانی روکنے کے لئے ایک عظیم الشان مذہبی جلوس کے ساتھ چلی۔ جون کے وضع حمل کا وقت قریب تھا وہ جانا نہ چاہتی تھی مگر مجبور ہوگئی۔ راستہ ہی میں اسکا چہرہ متغیر ہوگیا۔ کچھ مفرح دوائیں پی جلد جلد دعائیں پڑھ کر واپس جانا چاہتی تھی کہ دفعتہً درد اٹھا۔ کمزوری بڑھی صلیب ہاتھ سے گر پڑی اور بیہوش ہوگئی۔ لوگ سنبھالنے کو دوڑے تو وہ یہ دیکھکر بہوت ہوگئے کہ اُن کے مقدس پوپ کے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ مرد نہیں عورت ہے چنانچہ جوش خروش کے عالم میں دونوں ماں اور بچہ وہیں قتل کردیئے گئے۔

نازنینانِ یونان

یونان کی فاضلہ و ماہ پیکر ملکہ

حسن و جمال جو خواتین اپنی عدیم المثال قابلیت اور فقید النظیر دانائی سے ارضِ بسیط پر ایک انقلاب عظیم پیدا کر گئی ہیں اُنکے مرقع میں اسپاسیا کی تصویر کو خاص اہمیت حاصل ہے یہ خطہ یونان کی وہ نامور پریجمال ملکہ گذری ہے جس نے اپنے ذوقِ علمی اور شوقِ معارف نوازی سے یونان کی شہرت فضیلت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اسپاسیا ایک غریب گھرانے کی شریف لڑکی تھی۔ مگر اللہ نے اُسے وہ دلربا صورت اور وہ حسن عالم آشوب عطا کیا تھا کہ بڑے بڑوں کی نگاہیں اس پر پڑتی تھیں۔ یہ جب یونان میں پہنچی ہے تو ہر طرف اس کی بہار حسن کا شہرہ ہو گیا۔ تھی نہایت شریف اور با عصمت اس لئے اس پر کوئی قابو نہ پاسکا اور عشاق جگر سوختہ کے دل کی تمنائیں دل ہی میں گھٹ گھٹ کر ختم ہو گئیں۔ ایک روز یونان کے نامور سپہ سالار پیرقلیس کی نظر اس کے چہرہ زیبا پر پڑ گئی اور وہ اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ پیرقلیس خود بھی ایک لائق حسین اور شکیل نوجوان تھا۔ اس لئے قدرتاً اسپاسیا کو بھی اس کی طرف میلان ہوا لیکن مشکل یہ تھی کہ اس کی شادی ہو چکی تھی اور اسپاسیا سوت بنکر جانے پر تیار نہ تھی۔ پیرقلیس پر جنون عشق سوار تھا۔ اس نے پہلی بیوی کو طلاق دیکر اسپاسیا سے شادی کر لی۔

عاشقانہ شادی کی فائز المرامیاں یہ شادی اتنی مبارک ثابت ہوئی کہ پیرقلیس

کو بہت جلد تخت یونان حاصل ہو گیا۔ پرقلیس خود کہا کرتا تھا کہ مجھے جو لطف اپنی پیاری ملکہ کے آغوش ناز میں حاصل ہوتا ہے وہ سلطنت فرمانروائی میں بھی کبھی حاصل نہیں ہوا۔ اسپاسیا اب ملکہ یونان تھی مگر اس کے شغف علمی نے اسے اتنا منکسر المزاج بنا دیا تھا کہ ہر شخص اس تک باسانی پہنچ سکتا تھا۔ اس نے اپنے قصر کے بیرونی حصہ میں ایک وسیع اور شاندار ہال تعمیر کرا لیا تھا جو ہر قسم کے آرائشی سامان سے آراستہ و مزین تھا۔ اس میں دیباہ و حریر کے پردے آویزاں تھے۔ شمع کافوری روشن رہتی تھیں۔ اس کے پہلو کے کمروں میں کتابیں قرینے سے چنی رہتی تھیں۔ اسے اس نے علمی کلب قرار دیا تھا۔ یہ کلب اپنی نوعیت میں دنیا کا ایک بہترین کلب تھا۔ تمام علماء و فضلاء و حکماء کا یہاں اجتماع رہتا تھا۔ ہر موضوع پر بحثیں ہوتی تھیں۔ تقریریں کی جاتی تھیں۔ مضامین لکھے جاتے تھے۔ اس کلب میں ہر کہ و مہ بلا روک ٹوک ہر وقت آسکتا تھا۔ شاہی طور پر آنے جانے والوں کی مہمانی بھی ہوتی تھی۔ ضرورت و تفریح کی ہر چیز کلب والوں کو مفت مہیا کی جاتی تھی۔ ہر قسم کے میوے اور پھل بھی موجود رہتے تھے۔ رات دن اس کلب میں نامور فضلاء اور شائقین علوم کا ہجوم رہتا تھا۔ اسپاسیا اس کلب کی شمع انجمن تھی۔ وہ ایک وقت معینہ پر روزانہ اس کلب میں آتی اور مباحث میں حصہ لیتی۔

علوم و معارف کی نشر و اشاعت

جس وقت وہ اپنے محبوب شوہر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نیلگوں لباس میں ملبوس مسکراتی ہوئی سنگ مرمر کی سیڑھیوں سے اترتی اور اتر کر ہال کے سامنے والے نزہت خیز چمن کی روشوں پر ٹہلنے لگتی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جنت سے ایک حور اتر آئی ہے۔ اس کے بعد وہ

کلب میں آکر ایک مسندِ زریں پر بیٹھتی تو ایک عجیب رونق پیدا ہو جاتی اس کے حکیمانہ مذاق علمی شغف، فلسفیانہ دماغ نورانی چہرے، بے مثل و حسن و جمال عالمانہ سادگی اور وسعتِ اخلاق نے خدا جانے کیا بنا دیا تھا۔ بے مثل فاضل، بے نظیر حسینہ، بے ہمتا فلسفی، بے بدل مدبرہ یونان والے اس کے نام کے عاشق تھے۔ وہ ملکہ سمجھکر نہیں بلکہ ایک دیوی خیال کرکے اس کی عزت کرتے سینکڑوں افراد محض اس کے حسن و جمال کی رعنائیوں کے نظارہ کے لئے کلب میں آتے رہتے تھے سقراط اور افلاطون دنیا کے کتنے بڑے اور نامور فلاسفر گذرے ہیں یہ افاضل بھی اس کلب میں آتے اور اسپاسیا سے بحث و مباحثہ کرتے اسپاسیا کا یہ شعارِ عمل تھا کہ وہ آتے ہی ادق مسائل چھیڑ دیتی اور جب بحث کرتے کرتے دماغ تھک جاتے تو وہ اپنی لطیفہ گوئیوں اور بذلہ سنجیوں سے پھر ایک تازگی پیدا کر دیتی۔ وہ جب تقریر کرنے کھڑی ہوتی تو گھنٹوں اس فصاحت سے بولتی رہتی کہ یہ معلوم ہوتا کہ بلبل چمن میں ترنم ریزیاں کر رہا ہے۔ اسپاسیا اپنے عہد کی نہایت فاضلۂ روزگار خاتون گذری ہے جس نے حقیقت یہ ہے کہ یونان میں علوم و فنون کو زندہ کیا۔

علم و فضل کا ہمہ گیر اعتراف

اس کے فضل و علم کو سقراط اپنے علم سے زیادہ سمجھتا تھا وہ علانیہ کہا کرتا تھا کہ "میں مدنیت و تہذیب میں اس کا شاگرد ہوں اور اسی نے میرے علم کو ترقی دی ہے۔" اس کے شوہر کا قول تھا کہ "میں نے سیاست و فصاحت اپنی بیوی ہی سے سیکھی ہے اور جو کچھ ناموری حاصل کی ہے وہ سب میری بیوی کے مشوروں کا صدقہ ہے" اس نے ایک زنانہ شاندار کلب بھی قائم کیا تھا۔ جہاں شہر کی تمام خواتین آتی تھیں۔ ان دونوں کلبوں میں بت تراشی، تصویر کشی اور دستکاری کے اعلیٰ ترین نمونے سجے

ہوئے تھے۔ تمام مورخ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ عہد یونان کے ادب انشا عیش و آسائش۔ تمدن و تہذیب اور علوم و فنون کے شباب کا دور تھا اور یہ سب کچھ اسپاسیا کی سرپرستی اور معارف نوازی کا صدقہ تھا۔ غرض یونان کا عروج و اقبال اسپاسیا کے حسن و علم کا ممنون احسان ہے۔ اسی نے یونان کو یونان بنایا اور اپنے شوہر کو یونان کا بہترین فرمانروا ثابت کیا۔ یہ زمانہ ولادت نبوی سے ہزار سال پیشتر کا زمانہ ہے جبکہ یونان کی شہرت اقصائے عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اسپاسیا کی شہرت اور ہر دلعزیزی انتہا کو پہنچ چکی تھی یکایک ایک ہوا چلی چند لوگوں نے جوش حسد میں کہنا شروع کر دیا کہ اسپاسیا بہت مغرور عورت ہے باہر کی عورت ہو کر یونانی عورتوں کی تحقیر کرتی ہے۔ وطنیت کے جذبات بھڑک اٹھے اس کے بعد مشہور ہو گیا کہ اسکا تعلق مصور فیدیاس اور فلاسفر انکفورس سے ہے۔ عورتوں نے جو بے اساس امور کو ابھارنے میں کمال رکھتی ہیں اسے بہت شہرت دی اور ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ انکفورس مارڈالا گیا مصور غریب جلا وطن ہوا۔

پرقلیس اپنی بیوی کو خوب جانتا تھا اسے ہرگز یقین نہ تھا۔ لوگوں نے اسپاسیا کو بھی سزا دینی چاہی۔ اس کی بہن اور دوشیزہ بیٹی پر بدچلنی کے الزام عائد کیئے گئے تھے۔ اور وہ قانون کے متعلق جلا وطن کر دی گئی تھیں اس نے ضبط کر لیا تھا۔ مگر بیوی کے اس الزام کو وہ ضبط نہ کر سکا۔ اس نے اپنی پاکدامن بیوی کی حمایت میں پُر زور تقریر کی اور برابر روتا رہا اور بچا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ پرقلیس عمر بھر میں دو مرتبہ رویا ہے۔ اپنی پیاری بیٹی کے مرنے پر اور ایک بیوی کے خلاف الزام پر۔

ابنائے وطن کی ناقدردانی

غریب اسپاسیا کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ وہ غیر ملکی تھی

اور قانون یونانی میں حکم تھا کہ کوئی یونانی غیر ملکی عورت سے شادی نہیں کر سکتا کرے تو وہ جائز بیوی قرار نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے عورتوں کی ہمتیں اور غرور بہت بڑھ گیا تھا۔ مگر اسپاسیا اس حالت میں بھی اپنے شوہر کی سچی خدمت گذار اور اطاعت شعار بنی رہی وہ پرقلیس کی نہایت محبوب ملکہ تھی مگر ازراہ ناز و انداز بھی اس نے کبھی شوہر کا کہنا نہ ٹالا۔ الزام لگانے والوں نے تو اس پر یہاں تک الزام لگائے کہ اسپارٹا کی جنگ بھی اسی نے چھڑوائی تھی۔ مگر بعد کو خود یونانی مورخوں نے اس الزام کی تردید کردی۔ ایک فیاض اور نیکدل خاتون کو تنگ اور بدنام کرنے کا بدلہ یونانیوں سے خدانے لیا اور دارالسلطنت یونان میں طاعون نے وہ تباہی پھیلائی کہ مکانوں اور سڑکوں پر لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ پرقلیس اسی صدمے سے ۴۲۹ء میں مرگیا اور اسپاسیا (۴۱) برس کی عمر میں بیوہ ہوگئی۔ سب دشمن تھے اس نے پھر ایک دولتمند تاجر سے شادی کرلی اور خاموشانہ زندگی بسر کرنی شروع کردی اور ملکہ ہو کر اس کے پاس بھی خوش رہی۔ اسپاسیا یونان کی ایک مستجمع الصفات پرجمال خاتون ہوگذری ہے۔ اس نے یونان کو تمام دنیا میں عظمت و شہرت کا حامل بنا دیا۔ یونانیوں کی عدیم النظیر خدمات انجام دیں۔ مگر اُنہوں نے اس کی قدر نہ کی اور وہ شور انگیز ہنگامہ برپا کیا کہ اگر اُسکا شوہر اُسکا ساتھ نہ دیتا تو وہ پوری بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالی جاتی۔

ارض یونان کی شیرل مہ پارہ

ملکہ اسپاسیا سے ڈیڑھ سو دو سو برس بعد

پیدائش اور حسن جمال جبکہ یونان کا عہد اقبال رو بہ زوال تھا

اور اسکا ستارہ عظمت گہنا رہا تھا۔ یہ جلیل القدر خاتون پیدا ہوئی۔ یونان اس وقت نہ صرف یہ کہ اپنی علمی فضیلت کھو چکا تھا بلکہ اس کے ..... اندر وہ پہلی سی جرأت و جلادت بھی باقی نہ رہی تھی۔ اور وہ خوفزدہ تھے کہ رومی حکومت انہیں عنقریب نگل لے گی۔ اس وقت اسی خاتون نے اُن کی یاری گری کی۔

وہ نہایت حسین اور نازک اندام تھی۔ لوگ اُسے محض ایک پریجمال نازنین کی حیثیت سے جانتے تھے کسی کو خیال بھی نہ تھا کہ یہ گلفام اتنی دلیر و جری ثابت ہوگی حقیقت یہ ہے کہ وہ انتہائی حسن و ادا کے ساتھ نہایت باعصمت اور پاکدامن تھی۔ بڑے بڑے امرائنے اس کے گلشن حسن کی سیر کی آرزو رکھتے تھے اور چونکہ یونان کی اخلاقی حالت زوال پذیر تھی اس لئے اسے اپنی بوالہوسیوں کا شکار بنانے کے لئے ہر قسم کی ترغیبات پیش کرتے تھے۔ آئے دن اس پر ڈورے ڈالے جاتے۔ اُسے اُڑا لینے اور اس کی عصمت خراب کرنے کی متصل مساعی عمل میں لائی جاتیں۔ لیکن قدرت اس کی امداد پر تھی کسی کا زور نہ چلا۔ ایک دفعہ ایک امیر زادہ اُدھر سے نکل رہا تھا کہ ایک جھلک دیکھتے ہی اس پر عاشق ہوا۔ اس نے اس کے سامنے سیم و زر کے ڈھیر لگا دیئے منتیں کیں۔ دھمکیاں دیں مگر وہ اس کے پھندے میں نہ پھنسی اور یہی کہتی رہی کہ اول تو تمہارے بیوی موجود ہے اور میں تمہاری ناجائز خواہشات کا آلہ نہیں بن سکتی اور جو تم نکاح کیلئے کہتے ہو تو میں ایسے عیش پرست شخص کا کیا اعتبار کر سکتی ہوں جو آج مجھ سے ناجائز تعلق پر زور دے رہا ہے

گلشن حسن کی تاراجی کا عزم اپنی آرزوؤں میں مایوس ہوکر اس نے اُسے قتل کی دھمکی دی

مگر اس مستقل مزاج خاتون پر اس دھمکی کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر چند روز ہو کہ دیکر اس نے رات کے وقت اس پریجمال خاتون کو کرایہ کے غنڈوں سے اٹھوا کر اُسے اپنے محل میں پکڑوا بلایا۔ یہ اس کے چھپر کھٹ پر نہایت استقلال کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ نصف شب کے قریب وہ امیرزادہ مسکراتا ہوا اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا اور بولا پیاری نازنین! آخر تم مجھ سے نہ بچ سکیں اور اب تمہیں میری آرزوؤں کا آماجگاہ بننا ہی پڑے گا۔ اس پر ارشد امینہ مسکرا دی اس کے مسکراتے ہی امیر ایک مجنونانہ سرشاری طاری ہو گئی اور دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔ ارشد امینہ بجلی کی طرح تڑپ کر اٹھی اور ایسا دھکا دیا کہ یہ تندرست اور چاق و چست نوجوان دور جا پڑا اسے بہت غصہ آیا مگر سنبھل کر بولا۔ دیکھو اب تم میرے چنگل سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ باہر کے تمام دروازے مقفل ہیں اور میرے آدمی لگے ہوئے ہیں۔ بولی کچھ ہو میں جب تک زندہ ہوں اپنی عفت تمہارے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتی۔ امیرزادہ ہنسا اور جوشِ عشق میں لپٹ کر دست و گریبان ہو گیا۔

عورت اپنی عصمت کی حفاظت کے لئے جانبازانہ سعی کرے تو خدا اس کی ضرور امداد کرتا ہے۔ اسی کشمکش میں وہ اس سے چھوٹ کر زینہ پر گئی۔ زینہ سے دوسرے کوٹھے پر آئی اور اس سے دلیرانہ کود کر اپنے گھر بھاگ گئی۔ امیرزادہ نے تھوڑی دور تک تعاقب کیا۔ اس کے بعد اس نازنین کی اس جرأت و دلیری پر عش عش کرتا ہوا لوٹ آیا۔

عشق و طینت کا شاندار مظاہرہ
اس نے اس واقعہ کو عدالت تک پہنچایا

فضول سمجھا۔ مگر اب اس نے تہیہ کر لیا کہ تنہا بغیر شوہر نہ رہیگی کہ دوشیزگی کی حسین زندگی خطرات سے خالی نہیں۔ عشاق کی تو کوئی کمی نہ تھی اس نے ایک معمولی حیثیت کے شریف شخص کے ساتھ عقد کر لیا پیرہرس ایک عیش طلب فرمانروا تھا۔ ۶۶۸ قبل ولادت رسول کریمؐ جب دمیوں نے یلغار کی اور صورت حالات نے دوسری صورت اختیار کر لی تو اس نے فیصلہ کر لیا کہ ایک آخری اور سرفروشانہ حملہ کیا جائے اور تمام عورتوں کو جزیرہ کریٹ میں بھیجدیا جائے۔ اس پر اس پریجمال نازنین کو جوش آگیا۔ تلوار سونت لی اور قصر حکومت میں وارانہ گھس کر کہا "لوگو! کیا ہم تمہاری ہی بہو بیٹیاں نہیں۔ اسپارٹا کی دختر ہونے کا شرف ہمیں حاصل نہیں ہیں کہتی ہوں اور علانیہ کہتی ہوں کہ ہم دشمنوں سے مقابلہ کریں گی اور اپنے وطن پر قربان ہو جائیں گی۔ کیا تم ہمیں اپنے ماتم کے لئے چھوڑے جا رہے ہو ایک گل اندام اور پریجمال نازنین کا جو یہ جوش و خروش دیکھا تو ارکان حکومت متحیر ہو گئے۔ انہوں نے اسے بہت سمجھایا اس کے جذبہ کی تعریف کی مگر اس کا جوش لحہ بہ لحہ ترقی کرتا گیا۔ وہ بولی اور کڑک کر کہنے لگی۔ میں خود جنرل ہونگی اپنی بہنوں کی فوج لیکر لڑونگی اور ضرور فتحیاب ہونگی۔

آخر اسی وقت فیصلہ ہو گیا کہ اگر عورتیں لڑنا چاہتی ہیں تو لڑیں سلطنت انہیں اسلحہ بہم پہنچانے کے لئے تیار ہے۔

جرأت و جلادت

اس کے بعد یہ گل اندام باہر نکلی۔ جابجا جوش انگیز تقریریں کیں اور عورتوں کا ایک پرجوش لشکر مرتب کر لیا جس وقت اسپارٹا محصور ہوا ہے تو اس پریجمال خاتون کا نسوانی لشکر اس جرأت و جلادت کے ساتھ لڑا کہ پست ہمت مردوں

میں بھی نیا اور صف شکن جوش پیدا ہوگیا۔ اُنھوں نے حریف کو پیہم شکستیں دیں اور اتنا شدید نقصان پہنچایا کہ وہ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تمام یونان میں اوشدامیہ کی جرأت وحمایت وطن کی شہرت ہوگئی اور سب نے نہایت جوش وخروش سے اس مہ پارہ کا استقبال کیا چند سال کے بعد پھر شہر ارغوش پر حملہ ہوا۔ یہ حملہ اس غضب کا حملہ تھا کہ یونانی اسے نہ روک سکے اور شہر کے اندر دست بدست لڑائی شروع ہوگئی۔ اس وقت بھی کہ تمام یونانی بدحواس ہوگئے تھے یہ مہ جبیں آگے بڑھی اور دشمنوں کی صفوں کو چیرتی ہوئی اندر گھس گئی۔ جہاں دشمن فرمانروا بڑے جوش وخروش سے ساتھ لڑ رہا تھا۔ اس نے ایک ہی وار میں اسکا خاتمہ کر دیا۔

دربار عام میں اعتراف خدمات وہ نظارہ بھی ایک عجیب جوش انگیز اور روح پرور نظارہ تھا جبکہ ایک دربار عام میں اوشدامیہ اعتراف خدمت کے لئے طلب کی گئی ہے۔ ہزارہا انسانوں کے مجمع میں یونانی فرمانروانے ایک معرکہ آرا تقریر کی اور صاف الفاظ میں اقرار کیا کہ ہم لوگ ہمتیں ہار چکے تھے۔ ہمارے اندر دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہ رہی تھی وہ وقت آنکھوں میں نظر آرہا تھا کہ ہم غلام ہوجائیں ملک غلام ہوجائے اور یونان لٹ جائے۔ لیکن اسی خاک پاک کی ایک جلیل القدر اور بہادر خاتون کی دلیری نے ملک کو بچالیا۔ میں اس وقت اس محسنہ ملک کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اشارہ شاہی پاتے ہی اوشدامیہ فوجی لباس میں سامنے آئی۔ اسکا چہرہ مثل آفتاب کے چمک رہا تھا ہر طرف سے پرجوش نعرے بلند ہوئے اور اتنے پھول برسے کہ اوشدامیہ ان میں نصف حصہ جسم تک دب گئی۔ پھر بولا

آپ ذرا اس نازنین کو اصلی لباس میں دیکھیں۔ چند لمحہ بعد اوشا امیہ سبز خانگی لباس میں برآمد ہوئی اس وقت اس کی آنکھوں میں حیا تھی اور چہرے پر غضب کا نور برس رہا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک حور آسمان سے اتر آئی ہے دیکھنے والے دل تھام کر رہ گئے۔ سپہ سالار نے کہا گویہ ایک پری پیکر نازنین ہے۔ مگر اس کے خوبصورت سینے میں شیر کا دل ہے یہ سلطنت کی محسنہ ہے اور سلطنت اسکی ممنون ہے۔ اسی وقت اسے خلعت فاخرہ پہنایا گیا اور شاہی اعزازات سے نوازی گئی۔

نازنینانِ فرانس

صنمکدہ پیرس کی پرجمال ماہیہ

علمی فضیلت و عظمت یہ مشہور اور حیرت انگیز خیال ذہنیت کی نازنین پیرس کی دلفریب فضا میں ۱۶۲۱ء میں بطن مادر سے عرصۂ حیات میں جلوہ گر ہوئی۔ ماں کی خواہش تو تھی کہ اسے مذہبی تعلیم دیکر کسی خانقاہ کی تارک الدنیا راہبہ بنا دے مگر باپ دیکھ چکا تھا کہ ہیری بچی دولت حسن و جمال سے مالا مال ہے۔ اگر اس کی تعلیم بھی اچھی ہوتی تو یہ بڑھ کر کسی امیر الامراء کے کاشانے کی شمع بنکر ناموری حاصل کرے گی اس لئے اس نے اسے علوم متداولہ کی تعلیم پوری توجہ کے ساتھ دینی شروع کر دی جسے اس نے اپنی خداداد ذہانت سے بہت جلد حاصل کر لیا اور اتنی لائق اور قابل نکلی کہ بڑے بڑے فاضل اور مشاہیر کی نظریں یک بیک اس کی طرف اٹھ گئیں۔ ادب شعر

منطق و فلسفہ اور ریاضی و انشاء میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس کی انشا اور تحریر میں وہ شیرینی وہ لچک اور وہ زور تھا کہ فضلائے فرانس دیکھ کر اور سنکر عش عش کرتے تھے۔ اس نے بہت جلد شہرت حاصل کر لی۔ پھر تو یہ حالت تھی کہ فرانس کے نامور فضلا اور شعراء اور ادیب و باکمال اس کی دوستی پر فخر کرنے لگے اس کے گھر میں نامورانِ ملک کا ہجوم رہنے لگا۔ اس دور کے بڑے بڑے باکمال شعراء پہلے اُسے اپنا کلام اور اپنے مضامین دکھا لیتے اور اس کے کمالات علمی کا اعتراف کرتے تھے۔

حسن و جمال اور نازو ادا

حسن و جمال کے اعتبار سے وہ بچپن ہی میں فتنہ تھی۔ گلشن شباب میں جو قدم رکھا تو ایک قیامت تھی جس پر نظر پڑ گئی بسمل ہو گیا جس نے دیکھ لیا صبر و قرار کھو بیٹھا۔ والدین پندرہ سال کی عمر ہی میں اسے یتیم و یسیر چھوڑ کر چل بسے تھے اور اب وہ بالکل بے یار و مددگار تھی۔ اگر اس کی علمی قابلیت و لیاقت آڑے نہ آتی تو اس کا حسن بے مثال آوارگانِ فرانس کے لئے ضرور دعوتِ عام بن گیا ہوتا۔ مگر علوم و فنون نے اس کے اندر ایک عظمت پیدا کر دی تھی اور اس کا اعزاز بڑھ گیا تھا۔ تاہم نہ صرف پیرس بلکہ پورے فرانس میں اس کے حسن و رعنائی کا چرچا تھا۔ بڑے بڑے نواب و امراء اس کی قدردانی حسن کے لئے نہ صرف تیار بلکہ ساعی و کوشاں تھے۔ غضب یہ تھا کہ اس کا حسن و جمال روز بروز نکھرتا اور چمن شباب بہار پر آتا چلا جاتا تھا۔ اس وجہ سے دولتمندان فرانس نے اسے اپنا بنانے کی ہزار چند سعی کی۔ سازشیں ہوئیں ریشہ دوانیاں ہوئیں ترغیبات دی گئیں لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ زندگی کبھی اس نے اپنے حسن و شباب سے نگہب

اور خوش رنگ پھولوں کو ہاتھ نہ لگانے دیا۔

خدا معلوم اسے نو عمری میں کونسا تجربہ ہوا تھا۔ کس کتاب نے اثر ڈالا تھا۔ کونسی مثال دیکھی تھی جو اس نے عہد کر لیا تھا کہ "میں کسی کی بھی بیوی بنکر نہ رہونگی اور نہ محکوم و فرمانبردار بنونگی"۔ لوگوں کو اس کے اس عہد و عزم کا حال معلوم تھا۔ مگر اسکا فتنہ خیز شباب اور غزالیں آنکھیں انہیں بیتاب بنا بنا کر اس کے آستانہ پر پہنچا ہی دیتی تھیں۔

شوخی و ظرافت

حیرت یہ تھی کہ اس کے مزاج میں خبوست اور زاہدانہ وقار کبھی نہ تھا۔ وہ سب سے ملتی۔ نہایت خوش مزاجی اور ناز و ادا کے ساتھ ملتی۔ فطرتاً نہایت شوخ اور چلبلی تھی۔ پر مذاق تھی اس سے برابر ظریفانہ حرکات سرزد ہوتی رہتی تھیں۔ بہت لطیفہ گو اور بذلہ سنج تھی۔ سب سے ہنستی بولتی مذاق کرتی اور انہیں اپنی دلنواز معشوقانہ ادائیں دکھاتی لیکن مطلب کی بات پر آکر خاموش و متین بنجاتی اور اپنے ثمر شباب تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچنے دیتی۔ اس کے علاوہ اس کو بنے سنورنے و صنعدارانہ رہنے۔ اپنے حسن و جمال کی نمائش کرنے اور زینت اور آرائش کا بھی بہت شوق تھا۔ ہر وقت بنی ٹھنی رہتی۔ فتنہ خیز و فتنہ بار شباب نکہت بیز و عدیم المثال برق افگن تبسم اور شوخیاں اور دلدوز اور جگر سوز آرائشیں اور اس پر اتنی احتیاط کہ کبھی اپنے دامن عفت کو داغدار نہ ہونے دیا۔ اس کے سوانح نگار حیرت و استعجاب کے ساتھ لکھتے ہیں کہ "اسکا مذاق تو ایپی کورس کا تھا مگر معاشرت لائس کی تھی یا بالفاظ دیگر اس کے مذاق و طرز ادا سے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت شوخ چشم اور پر ارمان نازنین ہے مگر زندگی بالکل زاہدانہ و پارسایانہ تھی۔ آپ یہ سنکر اور زیادہ متحیر ہونگے کہ اس نے اپنی ناز آفرینیوں دلربائیوں اور خود آرائیوں کے ساتھ بڑے بڑے شوخ چشمانہ مذاق

کے لئے دل دے دیا۔ عاشق بھی ہوئی اور معشوقہ بھی بنی۔ عشقبازیاں بھی کیں اور دلربائیاں بھی لیکن اس سے اس کی غرض نہ وصل وصال تھی اور نہ شادی بیاہ نہ دولت حاصل کرنا چاہتی تھی اور نہ کسی کی زینت آغوش بننا مقصود تھا۔ عجیب زندگی تھی اور عجیب عورت!

عبادت وریاضت وہ اسدرجہ فنشنیل اور وضعدار خاتون تھی کہ بڑے بڑے امرا اور ڈیوکس کی بیویاں اور بیٹیاں بیٹوں سے ملنا فخر ومباہات کا باعث سمجھتی تھیں۔ علی الخصوص جتنی عفیفہ اور پاک طینت خواتین تھیں انہیں تو ان کے ساتھ والہانہ محبت تھی اور وہ خصوصیت کے ساتھ اس سے ملنے آتی رہتی تھیں۔ وہ سنہ ۱۷۰۶ء میں بعمر (۹۰) سال فوت ہوئی۔ گویا اس نے تمام عمر تجرد میں گذاری بعض محقق لوگوں کا بیان ہے کہ وہ بہت بڑی خدا پرست عورت تھی اور رات کی تنہائیوں میں عبادت وریاضت کرتی رہتی تھی اسکا ظاہر لوا ور تھا اور باطن اور۔ فرانسیسی آج بھی اسکا نام عزت واحترام کے ساتھ لیتے ہیں۔ اور پیرس جیسی شہر کی ایک حسین وجمیل خاتون کی ایسی پاکباز زندگی بسر کرنے کو بڑا کمال سمجھتے ہیں اور واقعی اسے کمال کے سوا اور کچھ کہا بھی نہیں جاسکتا۔

فرانس کی شہرآفاق اور مقدس نازنین

پیدائش وخاندانی حالات جون آف آرک ۱۵ جنوری سنہ ۱۴۱۲ء کو قریہ ڈومری میں پیدا ہوئی جو فرانس میں دریائے لورین کے کنارے واقع تھا۔ باپ کا نام جیک آف آرک تھا جو اپنے گاؤں میں ایک حدتک خوشحال کسان خیال کیا جاتا تھا جون کی ماں ازابیلی بھی اسی قریہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی۔

دونوں کو گاؤں میں گونہ عزت و وقعت بھی حاصل تھی۔ جیک کے پاس مویشیوں کے بھی ایک دو ریوڑ تھے اور دیہات کی سادہ زندگی کے اعتبار سے جیک کی زندگی گونہ اطمینان و عزت سے بسر ہوتی تھی جیک کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں جن میں جون سب سے چھوٹی اور لاڈلی تھی۔ جون کی ماں ازابو گو دیہاتی عورت تھی مگر تعلیم یافتہ تھی اور چونکہ اس نے خانقاہ کے مدرسہ میں مذہبی تعلیم پائی تھی اس لئے اس پر مذہبی رنگ غالب تھا اور بہت نیکدل اور نیک نفس و دیہاتی عورت سمجھی جاتی تھی۔

تعلیم و تربیت

ایسی نیک ماں کے آغوش میں تربیت پا کر جون جیسی ہو سکتی تھی ویسی ہی ہوئی۔ اس نے اپنی بیٹیوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا اور مذہبی تعلیم سے بہرہ مند کرنا شروع کر دیا ابتدا ہی سے ازابو نے اپنی بیٹیوں پر اخلاقی جوہروں کی عظمت واضح کرنی شروع کر دی اور ان میں عفت و پاکدامنی نیکی و پاک طینتی اور صلاح و پاکبازی کی وہ تعلیم دی کہ جو ان کی تمام زندگی پر موثر ہو گئی رات کو انہیں اپنے پاس بٹھا لیتی اور انہیں بزرگوں شہیدوں اور ولیوں کی زندگی کے حالات سناتی رہتی۔ اس نے سینا پرونا کاڑھنا اور چرخہ کاتنا بھی سکھایا۔ اور اس میں ماہر کر دیا۔

جون پر ماں کی تعلیم کا اتنا اثر ہوا کہ وہ ہر وقت ایک استغراقی حالت میں رہنے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ اسے بچپن ہی میں بزرگوں اور شہیدوں کی صورتیں نظر آنے لگیں اور اس کی روحانیت برابر بڑھتی چلی گئی۔ ابھی اس کی عمر تیرہ سال ہی کی تھی کہ اُسے آسمان پر ایک نور نظر آیا پہلے پہل تو وہ خوف زدہ ہو گئی مگر بعد کو وہ روحانی سیروں سے مسرور ہونے لگی۔ آخر اُسے ایک روز ایک متشکل صورت

صورت سامنے کھڑی نظر آئی جس نے اس سے کہا کہ "اُٹھ اور جس کام کیلئے تو پیدا کی گئی ہے اُسے انجام دے اور شاہ فرانس کی امداد کر"۔ غرض یہ کہ اس کی بزرگانہ طبیعت نے اس کے اندر ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا اور وہ روحانیت کا ایک پیکر بن گئی۔

حسن و جمال کی سحر آفرینی جون حسن و جمال و نزاکت و نازنینی میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتی تھی اُسکی بڑی بڑی غزالی آنکھیں غضب کا جادو رکھتی تھیں۔ نگاہ اُٹھتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے دو بجلیاں چمک کر گر پڑیں۔ اس کے بال نہایت سیاہ اور چمکدار تھے اور رنگ نہایت گورا، رخسار گلگوں، ابرو کشیدہ غنچہ دہن۔ چونکہ روحانیت غالب تھی اس لئے وہ بالکل ایک دیوی معلوم ہوتی تھی اور دیکھنے والوں پر بلا کا اثر پڑتا تھا۔ اس کی روحانیت اور اس کے حسن سے لوگ مرعوب ہو جاتے تھے۔ اس کا شباب نہایت فتنہ خیز تھا۔ ایک نوجوان جیرا ڈ اس پر ہزار جان سے عاشق ہو چکا تھا مگر اظہار عشق کی اُسے جرأت نہ پڑتی تھی اور ایک جیرا ڈ کیا خدا معلوم کتنے نوجوان تھے جو اس کے حسن و شباب کی درخشانیوں اور سحر خیزیوں سے تباہ ہو چکے تھے اور اپنے قلوب میں ارمانوں کی دنیا آباد کئے بیٹھے تھے مگر علانیہ کوئی کچھ نہ کہہ سکتا تھا اور نہ جون دنیا میں عشق و حسن کے کھیل کھیلنے کے لئے آئی تھی۔

حمایت وطن کا جوش اسے خواب میں ہدایت ہوئی تھی اس لئے اس نے اپنے ایک رشتہ دار سے کہا تھا کہ آپ مجھے کسی بہانے سے کپتان کے پاس لے چلیں کہ میں بادشاہ کی امداد کے لئے خدا کی طرف سے مامور ہوئی ہوں۔ وہ یہ سنکر متحیر ہوا۔ اس نے کپتان سے جا کر جو یہ ماجرا کہا تو وہ بہت ہنسا اور کہنے لگا

کہ اس دیوانی لڑکی کے دو طمانچے رسید کر کے اسے اس کے گھر پہنچا دو۔

پندرہویں صدی کا آغاز تھا۔ شاہ چارلس ششم کی نا اہلی نے سلطنت کی حالت نازک بنا دی تھی ڈیوک آف برگنڈی خود انگریزوں سے ساز باز رکھتا تھا۔ امرا اور شاہزادوں میں جھگڑے پڑے ہوئے تھے ادہر تو ملک کی یہ نازک حالت۔ اُدہر انگریز ملک میں برابر بڑھتے اور شہر پر شہر فتح کرتے چلے آرہے تھے۔ جون کی عمر سترہ سال کی ہو چکی تھی اور وہ حمایت وطن کے جوش میں دیوانی بنی ہوئی تھی۔ جب اس میں ضبط کا یارا نہ رہا۔ باپ کو خبر ہوئی تو وہ سمجھا کہ بیٹی جوش جنوں میں آوارہ ہو گئی ہے۔ وہ فرط غیرت سے اس کی جان لینے اور اپنی جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر جون نے ذرہ برابر پرواہ کی۔ اس کے قلب میں تو ایک آگ بھڑک رہی تھی۔

۱۴۲۹ آخر وہ ۲۳ فروری

شاہ چارلس کے دربار میں حاضری

کو مردانہ لباس پہنکر اور گھوڑے پر سوار ہو کر ہتھیار لئے ہوئے گھر سے نکلی اور گیارہ روز کے سفر کے بعد وہ چارلس کے لشکر میں پہنچ گئی اور کہلا بھیجا کہ "میں آپ کی امداد کے لئے آگئی ہوں۔ دشمن سے لڑونگی اور آپ کے تخت کو بچاؤنگی" چارلس کو یہ پیغام سنکر غصہ تو بہت آیا مگر کہلا بھیجا کہ میں وزراء سے مشورہ کر لوں۔ سب نے ایک قہقہہ لگایا۔ مگر بعض سنجیدہ امراء نے کہا کہ آپ کا حرج کیا ہے آپ اسے لڑنے کا موقع دیں۔ اس کے بعد مقتدایان مذہب اور عقلاء و امراء کی ایک مجلس مرتب ہوئی اور اس کا امتحان لیا گیا۔ جون تعلیم یافتہ بھی تھی اور اس کی روحانی آنکھ بھی کھل چکی تھی اس سے جو سوالات کئے گئے اس کے اس نے ایسے جوابات دیئے کہ سب انگشت بدنداں رہ گئے

چارلس تو اسکا بہت عقیدتمند بنگیا۔ بڑے بڑے پادریوں نے کہدیا کہ ہمیں جون کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت ولی ہے اور وہ ضرور دشمن پر فتح پا سکتی ہے۔ چارلس نے ایک دستہ فوج اس کے حوالہ کر کے حکم دیدیا کہ جب اس کا دل چاہے مقابلہ کو روانہ ہو جائے۔

انگریزوں سے جون کے خوفناک مقابلے

جون گھوڑے پر سوار جسم پر ہتھیار سجائے زرہ بکتر پہنے اور زلفیں شانوں پر بکھرائے اورلیان اس وقت پہنچی جبکہ نہ شہر والوں میں مقابلے کی شکست باقی رہی تھی اور شاہی فوج کے بھی حوصلے پست ہو گئے تھے۔

اس نے وہاں پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اپنی فوج سے تمام بدکار عورتوں کو نکلوا دیا اور تمام مردوں سے زنا و شراب سے توبہ کرائی اور کہا کہ دیکھو صرف خدا ہی پر بھروسہ رکھو وہ ہمیں ضرور کامیاب کریگا اس کے بعد اس نے اس شدت و جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ محاصر انگریزوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ انگریزوں نے سمجھا کہ یہ عورت نہیں کوئی جادوگرنی ہے۔ آخر میں اس نے ایک نقرئی گھوڑے پر سوار ہو کر سفید شفاف لباس پہنکر اور ہاتھ میں نیزہ لیکر اس شکوہ و جوش کے ساتھ پیہم حملے کئے کہ انگریز بدحواس ہو گئے اور انہوں نے محاصرہ اٹھا لیا۔ اس فتح عظیم کے بعد وہ بادشاہ کے پاس پہنچی اور کہا عجلت کیجئے۔ دعوتیں ترک کیجئے عیش و عشرت ترک کیجئے اور میرے ساتھ چلئے۔ چنانچہ وہ ایک روحانی عظمت کے ساتھ چارجوا پہنچی اور زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا یہاں دلیری کے ساتھ شہر پناہ پر چڑھ گئی اور سیڑھی لڑھک جانے سے گھاٹی میں گر کر بیہوش ہو گئی مگر تھوڑی دیر بعد جو اٹھی اور حملہ کیا تو انگریز شہر چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

فرض کی ہوشمندانہ اداکاری

انگریزی سپہ سالار اعظم ٹالبوٹ نے تمام مفتوحہ شہروں سے قبضہ اُٹھا کر پیرس پر حملہ آوری کا عزم کیا۔ اُدھر جون انہیں کو شکست پر شکست دیتی ہوئی ریمز پہنچ گئی جہاں اس نے ۱۷ جولائی کو شاہ چارلس کے سر پر تاج شاہی رکھا اور تمام رسوم کے بعد آبدیدہ ہو کر وہ اس کے قدموں پر جھک گئی۔ اور بولی کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے قریہ میں جا کر چرخہ کاتوں اور بھیڑیں چراؤں چارلس نے کہا میں یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ اب تمہیں چھوڑ دوں کچھ روز بعد وہ چارلس کو لیکر پیرس کی طرف روانہ ہوئی۔ یہاں اس نے انگریزوں پر بڑے جوش و خروش سے حملے کئے اور پیہم شکستیں دیں۔ کئی بار مجروح ہوئی غش کھا کر گری اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ہر بار چارلس سے اجازت مانگتی اور وہ اُسے روک لیتا۔ گویا اُسے نظر آرہا تھا کہ اسکا انجام کیا ہونے والا ہے۔ بادشاہ نے اُسے حکم دیا کہ وہ فوج کو آراستہ کرے اور شہر کوم کی طرف روانہ ہو۔

جون نہایت خلوص و فرمانبرداری کے ساتھ زمین ادب چوم کر اُٹھ کھڑی ہو گئی اور نہایت جوش و خروش کے ساتھ حملہ کی تیاریاں کرنے لگی اس کے بعد اس نے فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن فوجیوں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور علانیہ اس کی توہین کی جب یہ نہ مانے تو وہ جوش حمایت سے سرشار ہو کر خود بڑھی اور برابر لڑتی بھڑتی آگے بڑھتی چلی گئی۔ بدبخت فرانسیسیوں نے اسے گھیر کر گھوڑے سے کھینچ لیا اور محسن کشی کا پورا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے گرفتار کر کے انگریزوں کے سپرد کر دیا۔

اہل فرانس کی محسن کشی جون تو فرانسیسیوں کو انگریزوں کی

غلامی سے نجات دلانے کے لیے کھڑی ہوئی تھی لیکن ان کی بدبختی اور محسن کشی ملاحظہ فرمائیے کہ یہ اس سے اور اس کے کاموں سے حسد کرنے لگے اور اس کی جتنی عزت بڑھتی گئی اور جتنی کامیابیاں اسے حاصل ہوتی گئیں امراء و عمائدین کی آتش حسد اتنی ہی فروزاں ہوتی گئی جس کی انتہا یہ تھی کہ خود اس کی فوج کے افسر اس سے سرکشی کرنے لگے اس کا حکم ماننے سے گریز کرنے لگے اور نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ لشکریوں کو اس سے بدظن کرنے لگے جھوٹے الزام اس پر لگانے لگے اور اس کے دامن عفت کو بھی آلودہ ثابت کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔

بدطینت اور حاسد امراء سے جس قدر اسے بدنام کیا جا سکا کیا۔ اس کے نازک قلب پر جتنے چرکے لگا سکتے تھے لگائے۔ علانیہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ بدچلن لڑکی ہے۔ چارلس سے بھی لگائی بجھائی شروع ہو گئی اسے اب بھی اتنا اقتدار حاصل تھا کہ اگر وہ چاہتی تو ان بدنام کرنے والوں کو ایک اشارہ میں تیغ کی نذر کرا دیتی۔ مروا ڈالتی۔ کیونکہ چارلس بھی اس کا پشت پناہ تھا۔ اور عوام میں اسے بڑی ہر دلعزیزی اور عزت حاصل تھی یہ صرف ملکی اور فوجی امراء ہی تھے جو اس سے محض حسد کی بنا پہ جلتے اور اس کے درپے آزار رہتے تھے۔

بدبختی فرانس کا المناک مظاہرہ

اسی لئے اس نے کئی بار وطن چلے جانے کا ارادہ کیا مگر چارلس نے نہ جانے دیا۔ شہر کوم کے حملے میں تو فوجیوں نے اس کا حکم ماننے سے قطعی طور پر انکار کر دیا۔ گو اس کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان برپا تھا۔ یہ آگے بڑھتی اور وہ پیچھے ہٹتے اور آخر میں ایک جماعت نے انگریزوں سے مل کر خود ہی اسے پکڑا اور ان کے حوالے کر دیا۔ احسان کا

اور حق ناشناسی کا مظاہرہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ فرانس کی وہ محسنہ جس نے اسکے ایک ایک شہر سے انگریزوں کو مار کر نکالا تھا ورنہ اُن کی کامل فتح میں کچھ باقی ہی نہ رہا تھا اور جس نے کہ چارلس کو خود بادشاہ بنایا اور تاج پہنایا تھا انگریزی قید خانے میں پڑی سڑتی ہے اور خود چارلس ہی اسکا دشمن بنکر اس پر اتہام لگا رہا ہے اور اسکی برائیاں کر رہا ہے۔ اہل پیرس کی یہ ناشکری ہے کہ وہ خود انگریزوں کو اُبھار رہے تھے کہ وہ جون کو زندہ نہ چھوڑیں ایسی محسنہ کے ساتھ ایسی ناشکری اور احسان ناپذیری کی مثال شاید فرانس ہی میں مل سکتی ہے۔

زندہ جلانے کا خوفناک حکم

شاہ انگلستان ہنری نے اسکے مقدمہ کی سماعت کے لئے دو جج مقرر کر دیئے سولہ مرتبہ وہ عدالت کے سامنے پیش ہوئی اور ہر مرتبہ اُس نے عاید شدہ الزامات کی اس خوبی و لیاقت کے ساتھ تردید کی کہ جج بھی اس پر کوئی الزام عاید نہ کر سکے اور مجبور ہو کر انہوں نے اُسے جادوگرنی بنا کر حبس دوام کی سزا دی اور حکم دیا کہ خشک روٹی اور پانی کے سوا اسے کچھ نہ دیا جائے۔ عدالت ہی میں اس سے عہد و حلف لیا گیا تھا کہ وہ آئندہ کبھی مردانہ لباس زیب بر نہ کرے گی۔ ایک شب کو وہ سو رہی تھی۔ شب خوابی کا نیم عریاں لباس پہنے ہوئی تھی کہ نہایت چالاکی کے ساتھ اس کے کپڑے اُڑوا لئے گئے اور اُن کے بجائے مردانہ جوڑا رکھ دیا گیا۔ یہ شرم و حیا کی پتلی وہی جوڑا پہنکر باہر نکلی تو لوگ پکڑ لے گئے۔ اس پر حکم دیا گیا کہ اسے زندہ آگ میں جلا دیا جائے اس زمانہ میں جادوگری شدید ترین جرم تھا اور اس پر ایسی ہی سزائیں ملا کرتی تھیں۔ اس پر جون نے صرف اتنا کہا کہ "اچھا

میں آپ کے اس حکم کے خلاف اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپیل کرونگی۔
یہ سب کچھ فرانسیسی امراء کے اصرار سے ہو رہا تھا کہ وہ برابر انگریزوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ انگریزوں کو ضرور جون کے ہاتھ سے شدید نقصان پہنچا تھا وہ اگر میدان عمل میں نہ اُترتی تو وہ سارے کا سارا فرانس فتح کر لیتے مگر شاید پھر بھی وہ اسے اتنی سخت سزا نہ دیتے

کمسن نازنین آگ کے شعلوں میں

جون کو جلانے کے لئے ایک بہت بلند چتا بنائی گئی۔ اس پر اُسے کھڑا کر کے باندھ دیا گیا اور آگ لگا دی گئی۔
جون بہت دلیر و جری اور مستقل مزاج و متحمل تھی مگر پھر ایک کمسن نازنین تھی جس وقت آگ اس کے جسم کے قریب پہنچی تو وہ سہم گئی۔ دامن ضبط ہاتھ سے چھوٹ گیا اور اس نے ایسی دلدوز المناک اور جگر پاش چیخیں مارنی شروع کیں کہ ہزارہا تماشائیوں کے کلیجے پھٹنے لگے۔ ہر آنکھ پُرنم اور ہر دل پارہ پارہ تھا۔ بہت سے دشمن بھی اس ہوشربا اور جانسوز منظر کو دیکھکر آبدیدہ ہو گئے۔ نائب پوپ نے بھی اُس طرف سے اپنا منہ پھیر لیا۔ جو خود اس حکم کی تعمیل کرانے کے لئے آیا تھا۔ یہ نظارہ اتنا موثر۔ اتنا دردناک اور اسقدر جانسوز تھا کہ سینکڑوں افراد خود چیخیں مارنے لگے۔ اس کی خاک بھی ظالموں نے نہ چھوڑی اور اُسے دریائے سین میں بہا دیا۔
بیس پچیس برس بعد لوگوں کو اس ظلم و ناانصافی کا احساس ہوا اور خود پوپ اعظم نے قرار دیا کہ یہ فیصلہ غلط تھا۔ سفاک امراء بھی اپنے کئے پر پچھتائے۔ رفتہ رفتہ تمام فرانسیسیوں کے قلب پر اسکی بیگناہی کا خیال مرتسم ہو گیا۔ جابجا اس کے سنگین مجسمے نصب ہوئے اس کی یادگاریں قائم کی گئیں۔ معرکہ آرا سوانحعمریاں

لکھی گئیں۔ ڈرامے مرتب ہوئے اور آج وہ ایک سچی محب وطن، شہید قوم اور ولیہ کی حیثیت سے یاد کی جاتی ہے اور نہ صرف فرانسیسی بلکہ پوری دنیا اسکا نام عزت و احترام کے ساتھ لیتی اور ظالموں پر لعنت بھیجتی ہے۔

انقلاب فرانس کی مہ پارہ ہیروئن

پیدائش و علم و فضل جون کی طرح یہ بھی فرانس کی ایک محسنہ اور کشتۂ بیداد خاتون ہے۔ ۱۷۔ مارچ ۱۷۵۴ء کو ایک غریب گھرانے میں جنم لیا۔ باپ محض مہر کنی کا کام کرتا تھا اور فلپون تھا۔ بڑی عسرت و تنگدستی کے ساتھ بسر ہوتی تھی۔ دن رات محنت کرتا جب بھی پیٹ کو روٹی بمشکل نصیب ہوتی۔ اسی لئے اس کی طبیعت میں امراء اور خوشحال لوگوں کی طرف سے ایک نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ البتہ اس کی بیوی بہت شریف النفس اور قانع اور ہر حالت میں خوش رہنے والی عورت تھی فلپیوں کے چونکہ یہ ایک ہی بیٹی تھی جو بہت ذہین و فہیم واقع ہوئی تھی اس لئے ماں باپ کی بہت لاڈلی تھی اور والدین نے اسے ذوق و شوق سے پڑھانا شروع کر دیا۔ لکھنا پڑھنا تو وہ چار ہی سال کی عمر میں سیکھ گئی اور اس کے بعد خانقاہ کے زنانہ مدرسہ میں داخل ہو کر ادب، شعر، تاریخ و سیر، فلسفہ و ریاضی اور مصوری و موسیقی میں پورا تبحر حاصل کر لیا۔ اور چودہ سال کی عمر میں وہ فارغ التحصیل ہو گئی یہ محض ماں کی تربیت کا نتیجہ اور اس وقت کی خانقاہی تعلیم کا ثمرہ تھا کہ پوری تعلیم حاصل کر کے جب وہ گھر میں آئی ہی تو اسے کسی کام میں عار نہ تھا۔ غریب ماں باپ کی لڑکی تھی روٹیاں پکاتی چکیاں پیستی بازار سے سودا خرید کر لاتی اور ماں باپ کو ہر طرح خوش رکھتی۔

حسن و جمال اور حیا معاشری

ماریہ کا خط بھی نہایت پاکیزہ تھا اور شعر بھی خوب کہتی تھی۔ ایک دولتمند رئیس اُسکا مربی بن گیا اور اس کی بدولت بڑے گھرانوں میں اس کی رسائی ہوگئی۔ ماریہ گو ایک غریب لڑکی تھی مگر اسکا حسن و جمال دور دور تک مشہور ہوگیا تھا۔ لوگ دیکھتے اور حیران رہجاتے تھے۔ جب شباب کی رعنائیوں نے اسے ایک رشکِ حور بنا دیا تو ہر طرف سے پیامات شادی کا تانتا بندھ گیا مگر اس نے ماں باپ سے صاف کہدیا کہ "فطرت اور قانون دونوں کی رو سے مرد کو عورت پر فضیلت حاصل ہے اگر عجلت میں کوئی ایسا شخص منتخب ہوگیا جس میں نباہنے اور حکومت کرنے کی قابلیت نہ ہوئی تو میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ چنانچہ پچیس سال کی عمر تک وہ دوشیزگی کی رعنائیوں میں اور زیبائیوں ہی کے کُنجِ عافیت میں بسر کرتی رہی مسیو وکلان کی عمر (۴۴) سال کی تھی۔ علاقہ لیون کے تمام کارخانوں کا انسپکٹر تھا یہ ماریہ کے حسن زیبا پر فریفتہ ہوگیا۔ چونکہ یہ شخص بہت شریف النفس اور فاضل تھا۔ اس لئے ماریہ بھی اس پر عاشق ہوگئی اور سنہ ۱۸۰۷ء میں دونوں کی شادی ہوگئی۔ دونوں میاں بیوی میں عاشقانہ محبت تھی۔

ماریہ نہایت شریف اور منتظم بیوی ثابت ہوئی شوہر کو ہر طرح آرام پہنچایا۔ گھر کو جنت بنا دیا۔ غریبوں کو مفت دوائیں دیتی رہی۔ شوہر کے علمی و ادبی کاموں میں اسدرجہ ممد و معاون ثابت ہوئی کہ تمام فرانس میں یہ مشہور تھا کہ وکلان اپنے تمام کمالات میں اپنے رفیق زندگی کا ممنون احسان ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ماریہ ہی نے اسے ملک کا مایہ ناز ادیب و مصنف بنا دیا۔ اس نے اپنی لڑکی کو بھی نہایت اعلیٰ تعلیم دی۔

ماریہ کی قابلیت خدمات اب وہ وقت آگیا کہ فرانس میں عظیم الشان تاریخی انقلاب برپا ہوا۔ اسے امراء سے نفرت باپ سے ورثہ میں ملی تھی وہ بھی رعایا کے ساتھ ہو کر لوگوں کو جوش دلانے لگی۔ اور علاقہ لیون میں زبردست بغاوت ہو گئی لوئی شانزدہم سراسیمہ ہو گیا اور اس نے رعایا کے مطالبات میں جو اسمبلی قائم کی اس میں اس علاقے کی طرف سے رولان ہی نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔

لوئی نے مصلحت وقت دیکھ کر سنہ ۹۲ء رولان کو وزیر داخلہ مقرر کر کے اپنا ایک آراستہ محل رہنے کے لئے دیدیا۔ کچھ روز بعد لوئی نے رولان کو خفیہ حکم دیا کہ آپ اسمبلی میں مخالفین تاج و تخت کی سزا دہی کی تجویز پیش کریں۔ رولان حیران تھا کہ ماریہ نے لوئی شانزدہم کو اس کی تجویز کے خلاف اپنے شوہر کی طرف سے ایک ایسی معرکہ آرا اور پر زور مدلل مکتوب لکھ بھیجا جس پر رولان برخاست کر دیا گیا۔

ماریہ نے کہا گھبرائیے نہیں میرے مکتوب کو آپ فوراً شائع کر دیں مکتوب کے شائع ہوتے ہی رعایا میں ایک ہیجان عظیم پیدا ہو گیا لوگ اسکی موثریت انداز بیان اور دلائل اور ادیبانہ شان دیکھ کر متحیر ہو گئے اور لوئی نے مجبور ہو کر پھر رولان کو وزیر مقرر کر لیا۔ اسوقت ماریہ نے ایک برق افگن تبسم کے ساتھ شوہر سے کہا "لیجئے اب تو آپ کو شکوہ نہ رہا میں نے ہی آپ کو برخاست کرایا تھا تو میں نے ہی آپ کو پھر مقرر کرا دیا۔"

انقلاب فرانس اور محسن کشی ابھی زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ فرانس میں مشہور تاریخی انقلاب برپا ہو گیا جس میں بادشاہ اور تمام شاہی خاندان گرفتار کر کے زندان میں ڈالدیا گیا۔ ماریہ ابتدا سے برابر حق کا ساتھ دیتی اور رعایا سے ہمدردی

کرتی چلی آرہی تھی۔ فرانسیسیوں نے اپنے محسنوں کے گلے کاٹنے میں ابتدا سے سرگرمی کا اظہار کیا ہے جب جون آف ارک جیسی فرشتہ خصلت دوشیزہ کے احسانات کو اس نے فراموش کرکے خود ہی گرفتار کرایا اور زندہ آگ میں جلوایا تو غریب ماریہ کے احسانات کو بھلا وہ کیا پیش نظر رکھ سکتے تھے۔ شوریدہ سر رعایا کی ایک جماعت نے ماریہ پر تہمت لگائی کہ وہ بادشاہ کو قیدخانے سے نکالکر دوبارہ سریر آرائے حکومت کرنے کی سازش کررہی ہے،، ایک بدبخت نے یہاں تک مشہور کردیا کہ وہ اسی مقصد کے لئے ساہوکاروں سے روپیہ حاصل کرنے کی سعی کررہی تھی۔ ہنگاموں کا زمانہ تھا لوگ یہ سنکر اس کے دشمن ہوگئے۔ رولاں تو موقعہ پاکر نکل گیا مگر ماریہ نے استقلال کے ساتھ مقابلہ کرنیکا عزم کرلیا۔ اور ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ انقلاب کے بعد جو عدالت قائم کی گئی تھی اس نے اسے گرفتار کرلیا۔

ماریہ نے عدالت میں الزامات کی تردید میں وہ سحر بیانی دکھائی اور وہ پرزور دلائل بیان کئے کہ ماریہ بری کردی گئی۔

محسن کشی کا المناک مظاہرہ

اس کی بریت اس کے دشمنوں کے مزید استقلال کا باعث بن گئی اور ایک شخص ویس سر کی فتنہ نوں معاندت سے جسے اس نے کسی وقت پناہ دے کے اس کی جان بچائی تھی الزامات کی ایک فہرست مرتب کرلی گئی اور وہ دوبارہ راستے ہی میں گرفتار کرلی گئی۔ کئی ماہ قید میں رہی۔ اس دوران اسیری میں بھی وہ اسی قسم کے بدنصیب شریف قیدیوں کو برابر تسکین دیتی رہی اور ایک یادگار زمانہ کتاب ،،اپیل ٹو پاسٹری،، لکھ ڈالی جو ایک نہایت موثر اور معرکہ آرا کتاب ہے۔ آخر اکتوبر ۱۷۹۳ء میں اسکا مقدمہ پھر پیش ہوکر سزائے

موت کا حکم ہوا جب اس کی مشکیں باندھ کر اُسے مقتل میں لیے چلے ہیں تو اس پر بلا کا حسن تھا اور چہرہ آفتاب کی مانند چمک رہا تھا ہونٹوں پر تبسم تھا اور پورے سکون و اطمینان کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔ راستے ہی میں "مجسمہ حریت،، جو نظر آیا تو اس نے بیساختہ کہا کہ "آزادی! اللہ اللہ تیرے نام پر دنیا میں کیسے کیسے جرائم و مظالم ہوئے ہیں اور تیرا تمسخر تیرے حامیوں نے کس لغویت کے ساتھ اُڑایا ہے۔ آخر "گلوٹن،، سے اس کا گلا کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ اس کا شوہر اپنی محبوب بیوی کے قتل کی خبر سُنکر تڑپ گیا اور اسی غم میں چند روز بعد مر گیا۔ ماریہ کی عمر ہنوز انتالیس سال ہی کی تھی اور اس کے عالم آشوب حسن و جمال کی دلربائیاں ہنوز زندہ تھیں افسوس ہے کہ فرانس کی یہ عدیم المثال حسینہ اور نابغہ روزگار خاتون اپنے ہی ہموطنوں کی بہیمانہ معاندت کا شکار ہو گئی۔ اسپاسیا تو پھر غیر ملکی تھی۔ مگر جون اور ماریہ تو اسی ملک کی نامور دختر تھیں۔

عہد نپولین کی ایک اولوالعزم حسینہ

پیدائش اور علم و فضل اس پرجمال خاتون کا باپ نیکر لوئی شانزدہم کی سلطنت کا وزیر خزانہ اور ایک معزز عہدیدار تھا اور ماں بھی بہت حسین اور تعلیم یافتہ تھی اور یہ فرانس کا ایک شریف و معزز خاندان کہلاتا تھا جس کے یہاں بمقام پیرس سنہ ۱۷۶۶ء میں یہ ماہ پیکر نازنین پیدا ہوئی والدین نے اس کی تربیت و تعلیم پر پوری توجہ مبذول کی تھی بہت ذہین تھی اس لئے گیارہ سال ہی کی عمر میں جملہ علوم متداولہ میں کمال پیدا کر لیا اور ابھی پورے چودہ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے "ربیوں کے طرز تحریر،، پر ایک معرکہ آرا کتاب تصنیف کر کے شائع کر دی۔ جو فرانس میں بہت مقبول ہوئی۔ پھر کچھ مدت بعد

اس نے "ملک کے مقدمہ پر ایک نظر" ایک اور کتاب لکھی جس پر ایک ہیجان پھیل گیا اور اُسے فرانس چھوڑنا پڑا یوں تو وہ فرانس کی ایک مشہور جادو نگار ادیب انشاپرداز اور فصیح و سحر بیان مقرر گذری ہے اور بہت سی کتابوں کی مصنفہ ہے۔ ڈلیفین اور سورین جیسے مشہور ناول لکھے ہیں مگر تخیل آفرینی، خودکشی اور جذبات کا اثر اس کی لاثانی اور فاضلانہ تصانیف ہیں۔ آج بھی فرانس میں اس کی تصانیف بڑی مقبول ہیں اور عزت کے ہاتھوں کی جاتی ہیں۔

اسے کتب بینی کا بیحد شوق تھا اور وہ اتنی سحر نگار اور لائق خاتون سمجھی جاتی تھی کہ نپولین نے ایک دفعہ اُسے جلاوطنی کا حکم دیتے ہوئے کہا تھا کہ "اس جادو بیان و جادو نگار لائق خاتون کے لئے ساری دنیا کھلی پڑی ہے۔ میں صرف ایک پیرس کو اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں"

حسن و دلربائی اور حیات معاشقی

وہ جتنی سحر بیان، جتنی جادو نگار لائق اور جتنی اولوالعزم تھی اس سے کہیں زیادہ حسین و گل اندام تھی۔ اس کے حسن و شباب پر جس کی نظر پڑ جاتی تھی ہوش و حواس جاتے رہتے تھے۔ چہرہ زیبا میں وہ دلکشی تھی کہ دیکھنے والے دل تھام کر رہ جاتے تھے جس وقت وہ اپنی بڑی بڑی غلافی آنکھیں اٹھا کر کسی کی طرف دیکھ لیتی تھی تو اس کے قلب پر بجلیاں گر پڑتی تھیں۔ خدا معلوم کتنے نوجوانوں کے دل کی دنیا اس نے تباہ کی ہوگی اور کتنے جوان اس کے عشق میں تڑپے ہوں گے مگر قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ بڑے بڑے سجیلے جوان اس کے سامنے آئے مگر اس نے سب کی آرزوؤں کو ٹھکرا دیا اور دل دیا تو ایک سن رسیدہ شخص کو جو ان دنوں سوئٹزرلینڈ کی طرف سے دربار فرانس میں سفارت کے معزز عہدے پر سرفراز تھا وہ اسے دیکھتے ہی ہزار

جان سے اس پر عاشق ہو گیا۔ اس کی ابھی کچھ ایسی عمر نہ تھی۔ صرف چودہ سال ہی کا سن تھا۔ اس نے کچھ ایسی باتیں بنائیں ایسے ڈورے ڈالے ایسی چالیں چلیں کہ یہ غنچہ حسن اس کے زیب ستار بننے پر یکایک آمادہ ہو گیا اور آمادہ ہوتے ہی شادی بھی ہو گئی۔

گو یہ شادی بالکل بے جوڑ تھی۔ چودہ سال کی دلہن اور پچاس سال کا دولہا۔ مگر اس عہد کی اخلاقی حالت کا یہ کتنا موثر نقشہ ہے کہ دونوں میاں بیوی میں زندگی بھر پوری محبت رہی اور دونوں کی زندگی پورے اتفاق اور عیش و آرام کے ساتھ گذری۔

انقلاب کا گہرا اثر کچھ عرصہ بعد فرانس میں انقلاب ہو گیا۔ سارا شاہی خاندان جیل میں پہنچ گیا اور مدعیان حریت کی طرف سے ہولناک مظالم کا ایک سلسلہ لامتناہی شروع ہو گیا جس سے اس کے قلب پر نہایت گہرا اثر پڑا اور اس نے آزادی پسندان فرانس کے خلاف نہایت زبردست کتاب لکھکر شائع کی۔ وہ چونکہ ایک غیر ملکی سفیر کی بیوی تھی اس لئے وہ دوران انقلاب میں بھی محفوظ طریق پر پیرس ہی میں رہی تھی مگر اب جو اس کے خلاف ایک ہیجان عظیم پیدا ہوا تو اُسے فرانس چھوڑنا ہی پڑا۔ لیکن قیام امن کے بعد وہ پھر پیرس آ گئی وہ نہایت مدبر و لائق اور سیاست داں تھی اور اس نے حکمراں حلقوں میں اتنا اثر پیدا کر لیا تھا کہ وہ جن خیالات کو چاہتی تھی کامیابی کے ساتھ پھیلا دیتی تھی انتہا یہ ہے کہ وہ نپولین کی تمام تدابیر عمل کی کامیاب مخالفت کرتی رہی جس سے مجبور ہو کر مدار المہام سلطنت ہوتے ہی اس نے پہلا حکم جو دیا وہ ریتن کی جلا وطنی کا حکم تھا۔

اُس نے اپنی جلا وطنی کا زمانہ اٹلی، سوئٹزرلینڈ اور مختلف ممالک

کی سیر اور تصنیف و تالیف میں گذارا اور پھر فرانس آ گئی اور ایک کتاب "جرمن" شائع کی جس پر پھر ایک شور مچ گیا۔ کتاب ضبط ہوئی اور پولس نے اس سختی کے ساتھ اس کی نگرانی شروع کر دی کہ اسے پھر فرانس سے جلاوطن ہونا پڑا۔ جہاں سے نکلکر وہ روس اور روس سے انگلستان پہنچی اور اب اس نے ایک اور معرکہ آرا کتاب "دہ سالہ جلا وطنی" لکھی

سیاسیات سے دست کشی

اس کتاب میں اس نے نہایت بیباکی اور دلیری کے ساتھ نپولین بونا پارٹ کی حکمرانی کی شدت کے ساتھ مخالفت کی اور نہ صرف مخالفت کی بلکہ اسے زبردست دھمکیاں بھی دیں۔

آخر ۱۸۱۴ء میں نپولین کا ستارۂ اقبال بھی غروب ہو گیا تو وہ پھر پیرس چلی آئی۔

ملک کے حالات اس سرعت کے ساتھ جلد جلد تبدیل ہو رہے تھے۔ اور لوگوں کے خیالات و افکار میں ایسی سریع تغیر ہوتا چلا جا رہا تھا کہ وہ سیاست ہی سے بیزار ہو گئی اور اس نے ملکی معاملات اور نظم و نسق حکومت میں دخل دینا اور حصہ لینا بالکل ترک کر دیا۔ وہ فرانس سے بھی بیزار ہو گئی تھی۔ سوئٹزرلینڈ کی نزہت بیز فضا کو اس نے پسند کیا اور وہیں گوشہ نشین ہو کر اس نے کتب بینی اور تصنیف تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اسی اثنا میں اس کے معزز شوہر کا بھی انتقال ہو گیا۔ شوہر تو بہت بوڑھا ہو گیا تھا مگر ربین ہنوز جوان تھی اس لئے اس نے وہیں دوسری شادی کر لی۔

تصانیف و تالیف

ایک عرصہ تک کسی کو اس شادی کا علم بھی نہ ہوا اور نہ اسکا دوسرا شوہر موسیو روکا

کوئی مشہور آدمی تھا۔ البتہ تعلیم یافتہ معزز اور دولتمند آدمی ضرور تھا وہ بدستور سوئٹزرلینڈ میں رہی۔ اب اس کی زندگی پرامن پرآرام اور خاموش زندگی تھی تاہم میڈم جیسی اولوالعزم اور فاضلہ فرانس نازنین نچلی کب بیٹھ سکتی تھی۔ اس نے اپنی سب سے مشہور و یگانہ کتاب "انقلاب فرانس پر نظر" بدون و مرتب کرنی شروع کردی۔ اس میں اس نے ملک کی طوائف الملکی، بدنظمی۔ ابتری، ظلم و سفاکی کے حالات مشرح طور پر لکھے اور اس ڈرامے کے جتنے ہیرو تھے اُن کی زندگی آئین زندگی اور اعمال زندگی کی ایک ہو بہو تصویر کھینچ کر رکھدی۔ یہ کتاب اس کی زندگی میں شائع نہ ہوسکی۔ آخر فرانس کی اس نامور مصنفہ جادو نگار انشا پرداز، زبردست مدبر اولوالعزم مقرر، شاندار خاتون اور مہ جمال حسینہ نے (۵۱) سال کی عمر میں ۱۸۱۷ء میں سوئٹزرلینڈ کے اندر انتقال کیا اور اپنے کارنامہ ہائے عمل اپنی یادگار چھوڑ گئی۔

نازنینان روس

غریب حسن کی فرمانروایانہ رفتار

پیدائش اور خاندانی حالات یہ ناز آفریں اور پری تمثال ملکہ دنیا کی ایک نامور اور مشہور نازنین ہوئی ہے جو ابتدا میں نہایت غریب اور ایک فلاکت زدہ خاندان کی چشم و چراغ تھی۔ ماں باپ کو زندگی بھر کبھی شکم سیر ہو کر روٹی بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ غریب باپ برسوں شہر بہ شہر مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر کہیں اور کبھی اُسے فارغ البالی نصیب نہ ہوئی۔ اسی غریبی و عسرت کے زمانہ میں

اس کے تاریک گھر میں یہ چراغ روشن ہوا اور ایسی ضیاباریوں کے ساتھ روشن ہوا کہ اس کی روشنی عسرت زدہ ماں باپ کے قلوب میں بھی اتر کر ان کے پردہ ہائے اندرونی کو روشن کر گیا۔ یہ اسی ننھی بچی کے قدموں کی برکت تھی کہ اس کی پیدائش کے وقت سے گھر میں کبھی فاقہ نہیں ہوا اور ماں باپ کی حالت روز بروز سنبھلتی چلی گئی اور یہ شہر سکوف کے نواح سے اٹھ کر اسی شہر میں آ بسے۔ ماں باپ نے بیٹی کو بلند بخت سمجھ کر نہایت ناز و نعم کے ساتھ پرورش کرنا شروع کر دیا اور ایک غریب خاندان جو کچھ کر سکتا تھا وہ اس نے کیا۔

حسن و جمال کا شہرہ

اولگا گو ایک غریب گھر کی بچی تھی مگر حسن و نازنینی میں ایک رشک حور نظر آتی تھی اور جمال و رعنائی کے اعتبار سے روس کے بڑے بڑے معزز اور شریف گھرانوں کی لڑکیاں بھی اس کی گرد کو نہ پہنچ سکتی تھیں جس وقت وہ پل بڑھ کر جوان ہوئی ہے اس وقت وہ بلا مبالغہ ایک حور نظر آتی تھی۔ نہایت سفید مرمریں رنگ، پھول سے رخسارے، سرخ سرخ پتلے پتلے ہونٹ، بڑی بڑی آنکھیں، سرو قد، کبک رفتار، جو دیکھتا تھا مٹ کر رہ جاتا تھا جس کی نظر پڑتی تھی اس پر بیخودی طاری ہو جاتی تھی۔

اس کا فتنہ خیز حسن و شباب تمام روس کو ایک دعوت تباہی دے رہا تھا اس کی رسیلی اور غزالیں آنکھیں سحر سے لبریز تھیں اس نے بلا مبالغہ بیشمار نوجوانوں کو گھائل کیا اور چودہ برس کی عمر ہی میں دور دور تک اس کے حسن و جمال کا شہرہ ہو گیا۔ بڑے بڑے دولتمندوں کو یہ آرزو ستانے لگی کہ وہ اسے اپنے کاشانۂ عشرت کی شمع بنائیں۔ غریب ماں باپ سمجھے ہوئے تھے کہ غریبوں اور امیروں کا رشتہ کیا؟ سب کو انکار کر دیتے تھے اور اب اس لڑکی سازشیں شروع ہو گئیں تاکہ

اس پھول پر زبردستی قبضہ کر لیا جائے اور اگر یہ گوہر شب چراغ زبردستی بھی بزور شمشیر ہاتھ آسکے تو بھی اسے حاصل کر لینا چاہیئے۔

فرمانروائے روس سے شادی اس وقت سریر روس پر بادشاہ اغور متمکن تھا۔ روس کی سلطنت بالکل جدید العہد سلطنت تھی ترکی اور مغلوں گروہوں کی طرح جو بت پرست سلافی گروہ بحر اسود کے شمال میں ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے۔ انہی میں کے ایک گروہ کے سردار روریک نے متعدد گروہوں کو مغلوب کر کے ایک سلطنت قائم کی جس کا نام اس نے اپنے سنگیں بتوں "روسالکی" کی مناسبت سے روس رکھا۔ ان کے نزدیک روسالکی نازک اندام اور حسین دیویاں تھیں جن کی وہ پرستش کرتے تھے روریک سنہ ۸۶۲ء میں اپنی فرمانروائی قائم کرتے ہی نوغروڈ پر قبضہ کیا اور اسے اپنا پایہ تخت مقرر کر لیا۔ صرف سترہ سال حکومت کر کے سنہ ۸۷۹ء میں جب وہ مرا ہے تو اس کا بیٹا اغور بہت بچہ تھا۔ اس زمانہ بغداد کے تخت خلافت پر معتمد علی اللہ فرمانروائی کر رہا تھا۔ ایک مقتدر روسی سردار اومرخ نے اغور کو تخت نشین کر کے اس کی طرف سے پورے (۳۳) سال فرمانروائی کی اور سلطنت کو بہت مضبوط و وسیع کر دیا۔ اغور بالکل خاموش بیٹھا رہا اور سنہ ۹۱۲ء میں اس کے مرنے کے بعد عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اغور کے کانوں تک اولغا کے حسن عالم آشوب کی شہرت پہنچ گئی تھی اس نے جونہی دیکھا تو دیکھتے ہی ہزار جان سے فریفتہ ہو گیا اور اس نے نہ صرف یہ کہ اس سے شادی کر لی بلکہ بعد کو اسے اپنا شریک حکومت بھی بنا لیا۔ یہ شادی سنہ ۹۰۳ء میں ہوئی۔

ارغو کا عبرتناک انجام ارغو بہت ظالم اور بد اخلاق بدوشاہ تھا مگر چونکہ اولغا کی محبت سے سرشار تھا۔ اس لئے اس کی محبت نے اس کی بہت کچھ اصلاح کی اور جہاں تک

ممکن ہو سکا اس نے اسے نیک نام بنانے کی سعی کی وہ اپنی سلکہ کے نام کا دیدیا آتھا جو وہ کبھی یہ کرتا لیکن اس کی دولت پرستی اور بخل کی عادت نہ گئی اس قسم کی حرکات وہ ملکہ سے چھپکر انجام دیتا۔ ملکہ کو دارالسلطنت میں چھوڑکر ایک دفعہ اس نے ایک شورید وسر گروہ "ڈریولیان" پر خوفناک حملہ کرکے اسے مطیع بنایا اور بہت سا روپیہ بطور تاوان جنگ وصول کرلیا۔ کچھ دن بعد پھر بلاوجہ یورش کرکے پہلے سے زیادہ روپیہ وصول کرلیا۔ شہر کیف میں پہنچکر سوچا اس قوم کے پاس بہت روپیہ ہے پھر چڑھ دوڑا اسی طرح اس نے پیہم پانچ بار یورش کرکے برابر روپیہ وصول کرتا رہا یہ قوم سرکش تو تھی ہی علانیہ مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔ اس ظلم سے وہ دل ہی دل میں اس کی جان کی دشمن بن گئی اور موقعہ کی منتظر رہی۔

ایک مرتبہ وہ چند رفقا کے ساتھ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر سیر کو نکل گیا۔ لوگ تاک میں تھے ہی اچانک آپڑے اور رفقا کو قتل کرکے اسے پکڑ لے گئے۔ ایک جگہ پہنچکر اُنہوں نے قریب کے دو درختوں کی موٹی موٹی شاخیں مجموعی طاقت سے کھینچکر مضبوط رسیوں سے باندھ دیں پھر ارغو کا ایک ایک ہاتھ اور پاؤں ایک شاخ سے اور دوسرا دوسری سے باندھ کر رسیوں کو کھولدیا جس سے اس کے جسم کے یکایک ٹکڑے ہو گئے ارغو نے بہت منت کی لیکن اُنہوں نے ایک نہ سنی۔ سنہ ۹۴۵ء میں تیس برس حکومت کرکے ارغو اس عبرتناک موت کی نذر ہو گیا۔

سردار ڈریولیان کا عاشقانہ پیغام

ملکہ اولفا نے اپنے نابالغ بیٹے کو تخت نشین کرکے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور نہایت دانائی و قابلیت کے ساتھ فرمانروائی شروع کردی۔ مگر اس کے قلب کو چین نہ تھا۔ انتقام کی آگ اس کے سینہ میں بھڑک رہی تھی "ڈریولیان" قوم کا سردار ملکہ اولفا

کے حسن جہانسوز پر پہلے سے عاشق ہو چکا تھا۔ مگر مجبور تھا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ ارغوجو اس سرگرمی کے ساتھ خاص طور پر عجلت کے ساتھ قتل کیا گیا اس میں اسکا عشق بھی برابر مصروف کار فرمائی تھا۔ اس قتل سے میدان صاف تھا اور حوصلے بھی بڑھ گئے اور اس نے بیس سفراء کے ذریعہ عجلت کے ساتھ ملکہ کے پاس اپنی شادی کا پیغام بھیجدیا۔ اولغا کو تو تلا سخت غصہ آیا۔ مگر بہت عقلمندی اور دانائی سے کام لیکر بولی۔ کہ مجھے اس سے بہت مسرت ہوئی میری تو خود بھی آرزو تھی۔ ٹھہرئیے میں ذرا سے مشورہ کر لوں مگر دیکھو صبح جو امراء جائیں تم انکی پشتوں پر سوار ہوکر آنا۔ اس سے تمہارا رعب قائم ہو جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور ملکہ نے انہیں اس فریب سے ایک گھائی میں ڈلوا کر زندہ دفن کرا دیا اور فوراً ہی قاصد بھیجکر اطلاع کرائی کہ ملکہ نے پیام شادی منظور کر لیا ہے سفراء قدر و منزلت کے ساتھ قصر شاہی میں مہمان ہیں آپ اپنے تمام معزز سرداروں کو بھیجد یجئے تاکہ وہ ایک شاہانہ جلوس کے ساتھ ملکہ کو لے آئیں۔ ڈریولیان کا سردار تو اولغا کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو ہی چکا تھا۔ فوراً تمام سرداروں کو بھیجدیا گیا جنکا نہایت شاہانہ استقبال ہوا اور وہ غسل کے بہانے حمام میں بھیجکر اور آگ تیز کر کے مروا ڈالے گئے۔

قتل شوہر کا خوفناک انتقام اب ملکہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فوج لیکر چل کھڑی ہوئی اور ایک صبا رفتار قاصد کے ذریعہ اطلاع کرائی کہ ملکہ جہاں روانہ ہو چکیں وہ اپنے شوہر کی قبر پر ماتم کے بعد آپ صاحبوں کی دعوت کریں گی اور پھر رسوم شادی ادا ہونگی۔ سردار فرط مسرت سے بیخود ہو گیا اور اپنی تمام قوم کے ساتھ استقبال کو نکلا۔ وہ اپنے سرداروں کو

ساتھ نہ دیکھ کر چوکنا ہوا مگر ملکہ نے نہایت نازنینی کے ساتھ فرمایا وہ لشکر کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں فوراً ہی دعوت کا انتظام ہو گیا اور فراغت طعام کے بعد تیز شرابیں منشی دوائیں ملا کر پلائی گئیں جب سب نشے میں دھت ہو گئے تو روسی فوج ان پر ٹوٹ پڑی۔ بھاگنے والے بھی نہ بھاگ سکے اور پانچ ہزار آدمی وہیں کاٹ کر رکھ دیے گئے سردار اور کچھ افراد بچ کر نکل گئے ملکہ کے انتقام کی پیاس اس قوم کی قوت توڑ کر بھی نہ بجھی تھی ایک سال بعد ملکہ نے اس قوم پر پُرجوش حملہ کر دیا۔ قوم بہادر تھی قلعہ کے پھاٹک بند کر کے بیٹھ رہی۔ ملکہ نے پھر چال چلی اور کہلا بھیجا۔ مانا کہ تم بہت بہادر ہو مگر کب تک بند پڑے رہو گے اور پڑے بھی رہے تو رسد اور کھانے پینے کا کیا انتظام کرو گے۔ اگر مصالحت پر آمادہ ہو تو میں نہایت سہل الحصول شرائط پر تمہارا قصور معاف کرنے پر تیار ہوں وہ یہ کہ تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے گھر سے تین تین کبوتر اور چڑیاں بطور اظہار اطاعت بھیج دے۔

وہ راضی ہو گئے۔ ملکہ نے گچھے اور گیندیں ہلکی ہلکی تیار کرا کے انہیں انکی دموں سے بندھوا کر اور ان میں آگ لگوا کر ان کو چھوڑ دیا تمام آسمان روشن ہو گیا سب تماشا دیکھنے اوپر چڑھ گئے مگر کچھ دیر بعد یہ جو اپنے گھروں میں گئے تو تمام قلعہ میں آگ لگا دی۔ باہر سے ملکہ نے حملہ کر دیا۔ اس طرح قلعہ پر قبضہ کر کے ملکہ نے اس قوم کی قوت بالکل توڑ دی۔

دانشمندانہ حکمرانی

ملکہ اولغا کی یہ انتہائی سفاکی اور سنگدلی تھی۔ ڈریولیان نے ایگور کو قتل ضرور کیا تھا مگر یہ بھی تنگ و مجبور ہو کر انہیں سزا ملنی چاہئے تھی مگر نہ اتنی سخت اور تباہ کن مگر چونکہ اس بیچاری ملکہ کو اپنے شوہر کے ساتھ عشق تھا اور اُسے

اپنے محبوب شوہر کی اس بیکسانہ موت کا شدید صدمہ تھا اس لئے اس نے جنون انتقام میں ہر ممکن سنگدلی سے کام لیا - ڈریولیان قوم بڑی متمدن قوم تھی اگر ملکہ اس تدبیر و عمل سے کام نہ لیتی تو اس پر اسکا قابو پانا بہت دشوار تھا - بہر کیف اس انتقام اور سنگدلی نے اُسے خود آخر میں بہت نادم کیا - وہ جوش انتقام میں جو کرنا تھا وہ کر گئی مگر بعد کو پچھتائی اور اس کی زندگی میں اس واقعہ المناک نے ایک حیرت انگیز تغیر پیدا کر دیا اور اس کی طبیعت یکایک خدا پرستی کی طرف راغب ہو گئی وہ اپنے اس جذبے کو اپنے دل میں لئے بیٹھی رہی اور اس نے اپنی تمامتر توجہات سلطنت کو مضبوط کرنے میں صرف کر دیں ۔

پھر کبھی اس سے کوئی ظالمانہ حرکت سرزد نہ ہوئی - بلکہ اس نے نہایت فیاضی و سیر چشمی، معدلت و انصاف اور جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی اور ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنی قوم کو تمدن و تہذیب کی طرف رجوع کرنا اور ہوشمند بنانا شروع کر دیا - آخر اس نے سنہ ۹۵۵ء میں دس برس تک پوری قابلیت کے ساتھ حکومت کرکے اور سلطنت کو تمام معاندوں اور خطرات سے پاک کرکے عنان حکومت اپنے بیٹے کے سپرد کر دی اور خود عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئی -

مسیحیت و فقر اس کی شادی سنہ ۹۰۳ء میں ہوئی سنہ ۹۱۳ء میں وہ باقاعدہ ملکہ روس بنی اور سنہ ۹۴۵ء میں (۴۲) برس سہاگن رہ کر وہ بیوہ ہو گئی اور خود مختاری کے ساتھ دس برس کمال پورے تزک و احتشام کے ساتھ حکومت کرکے سنہ ۹۵۵ء میں وہ ترک حکومت کرکے گوشہ نشین ہو گئی - وہ جتنی خوبصورت و مہ جمال تھی اتنی ہی عقیل و فرزانہ اور مفکر دماغ کی خاتون بھی تھی - اُسے بت پرستی سے خود بخود ایک نفرت سی ہو گئی اور ڈریولیان کی تباہی کے بعد تو اس کی طبیعت میں

کوئی زندگی اور زندہ دلی باقی ہی نہ رہی تھی وہ صرف وقت کی منتظر تھی اس نے ترک اصنام پرستی کا ارادہ کیا مگر فرمانروایانہ مصالح نے اُسے اس کی اجازت نہ دی مگر اب وہ آزاد تھی۔ اسوقت قسطنطنیہ مسیحیت کا مرکز تھا اور یہاں کلیسائے یونان کو بڑی شکوہ و عظمت حاصل تھی مسلمان تو اس تک نہ پہنچے اور اگر پہنچ جاتے تو یہ ہوشمند اور دانا ملکہ ضرور مسلمان ہو جاتی اور بہت نتیجہ خیز مسلمہ ثابت ہو جاتی البتہ اُسے مسیحی مبلغوں سے ملنے جلنے کا موقعہ ملا۔ اور وہ انہی کی طرف مائل ہو گئی۔

آخر وہ نوغراڈ سے روانہ ہو کر قسطنطنیہ پہنچی۔ عیسائی مذہب قبول کیا رومتہ الکبرا کے پوپ کی قدمبوسی کو گئی اور پھر روس واپس آکر نوغراڈ میں گوشہ نشین ہو گئی۔ اور (۱۲) برس کامل عبادت و ریاضت میں مصروف رہی بڑی بڑی محنتیں کیں اور آخر میں اتنی روحانی ترقی حاصل کر لی کہ خود عیسائیوں نے اسے ولی تسلیم کر لیا۔ واضح رہے کہ کلیسائے یونان میں اس وقت تک تصوف موجود ہے۔ یقیناً وہ لوگ مسلمانوں کی برابر کمال حاصل نہیں کر سکتے مگر اُن کے یہاں روشنی اور پرواز سب کچھ موجود ہے۔ شہیدوں کے رنگ پر روشنی کا رنگ اُن کے یہاں سرخ ہے جیسا کہ چشتیہ خاندان میں ہے۔ پروٹسٹنٹ طبقہ میں تصوف و روحانیت بالکل نہیں مگر رومن کیتھولک اب بھی محنت اور ترقی کرتے اور روحانیت کا ایک درجہ حاصل کر لیتے ہیں اتنی بات ضرور ہے کہ "پرواز" تو اب اُن کے یہاں رہی نہیں اور بڑی سے بڑی محنت کے بعد بھی آج کل انہیں یہ کمال حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ تین چار سال کی ریاضت میں "روشنی" پیدا ہو جاتی ہے جو محنت کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتی رہتی ہے افسوس ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں بھی حقیقی تصوف و کمال کا افلاس ہے اور قلب تک جاری کرنے والے شاذ ہی ملتے ہیں۔

غرض اولغا نے شہر کی امکانی ترقی اور روحانی کمال حاصل کر لیا تھا مگر اس کا بیٹا اس کی سعی کے باوجود بت پرست ہی رہا۔ اولغا کی زندگی بہت سبق آموز زندگی ہے۔ اس نے محض اپنے عالم آشوب حسن و جمال ہی کے باعث بلند سے بلند مرتبہ حاصل کیا اور بہت نام پیدا کر کے سنہ ۹۶۸ء انتقال کیا۔

سبز قدم لونڈی تختِ شاہی پر

پیدائش و خاندانی حالات یہ ملکہ دنیا کی ایک نامور ملکہ گزری ہے جس نے محض اپنے عدیم النظیر حسن و ناز اور رعنائی و جمال کی بدولت ایک دنی اور بیکسانہ حالات سے بلند ہو کر سریر سلطنت پر قدم رکھا۔ اس کے سوانح حیات پڑھنے سے خدا کی قدرت نظر آتی ہے کہ وہ کس طرح ذرے کو آفتاب اور قطرہ کو دریا بنا دیتا ہے۔ سویڈن کے صوبہ لیونیا میں اس ملکہ کا باپ جان رابٹ ہوج کا ایک بہت معمولی اور قلیل التنخواہ افسر تھا۔ غریب عسرت کی زندگی تھی۔ سنہ ۱۶۸۲ء میں اس کے گھر دنیا کی یہ مشہور ملکہ پیدا ہوئی۔ اور پیدا ہوتے ہی خاندان بھر میں نہ صرف منحوس بلکہ نہایت منحوس سمجھی گئی اور سب اعزا و اقارب اسے نفرت و بیزاری کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ ابھی صلب پدر سے بطن مادر ہی میں آئی تھی کہ باپ ایک اتفاقیہ موت مر گیا اور اس کی ماں دنیا میں بے والی وارث رہ گئی۔ غربت بیکسی پر غم و افلاس کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ گرداب مصائب میں گھر گئی کوئی سہارا نہ تھا۔ فقر و فاقہ میں جوں توں کر کے اپنی زندگی گزارتی تھی

وہ خود بھی اسے منحوس و سبز قدم سمجھتی تھی کہ اس کے آتے ہی مصائب و نوائب کا ہجوم ہو گیا کسی نے ہیٹ کا سانپ، بھی پالا ہے

یہ تو پھر انسان تھی۔ دکھ سہتی مصیبت اُٹھاتی اور ادھر اُدھر سے پیٹ بھر کر اسے دودھ پلاتی۔ ادھر اسکا دودھ چھوٹا اور تین برس کی ہونے کو آئی۔ ادھر ماں بھی مصیبت جھیلتے جھیلتے دنیا سے منہ موڑ گئی عزیزوں نے منحوس سمجھکر اس ننھی سی جان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا

خدمتگاری اور تحصیل علوم

انہیں کیا معلوم تھا کہ جسے وہ منحوس بتا رہے ہیں وہ ایک روز ملکہ بنے گی اور آفتاب بنکر درخشانیاں کریگی۔ دنیا میں کوئی بھی خبر گیر نہ رہا۔ اللہ تو اپنے بندوں کا خود رکھوالا ہے۔ اس نے اس کی پرورش کا یہ انتظام کیا کہ اسی گاؤں کے ایک ہمدرد انسان نے ترس کھا کر اسے اپنے یہاں رکھ لیا۔ اور جب یہ ذرا ہوشیار ہو گئی تو ایک پادری نے اپنے بچوں کی خدمت پر اسے مامور کر لیا جس کے عوض میں وہ اسے دونوں وقت روکھی سوکھی روٹی اور پھٹے پرانے کپڑے دیدیتا۔ یہ مصیبت کی ماری بچی جسکا اللہ کے سوا دنیا میں کوئی بھی نہ رہا تھا۔ اسی کو بڑی نعمت سمجھتی۔ پادری کے لڑکے پڑھتے تو یہ خدمت کے لئے اُن کے پاس حاضر رہتی اللہ تعالی نے ذہن و حافظہ غضب کا عطا کیا تھا۔ سُن سُن کر سب ازبر کر لیا۔ جو سبق ایک دفعہ سن لیتی کبھی نہ بھولتی۔ چپکے چپکے اس نے لکھنا بھی سیکھ لیا۔ پادری صاحب کے لڑکے تو معمولی ہی ترقی کر سکے مگر لایق استاد کا دیا ہوا سبق اسے مستحضر تھا۔ اس نے اس خوف سے اسکا کسی سے ذکر بھی نہ کیا کہ کہیں دل لگی تو روٹیوں سے بھی جاؤں گی اور نہ خود کسی کو خیال ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کہ یہ خدمتگار چھوکری کو کچھ شد بد ہو گئی ہے مگر یہاں یہ حالت تھی کہ یہ پڑھ لکھکر قریب قریب فارغ التحصیل ہو گئی اور جو کچھ استاد کی زبان سے نکلا اور کتابوں میں لکھا تھا وہ سب اسے مع تشریح اسناد یاد تھا۔

سبز قدمی و منحوسیت کے زندہ شواہد اب یہ خدمت گار لڑکی جوان ہوگئی تھی اور ایسے بلا خیز حسن و جمال کی مالک تھی کہ تاب نہ لی جاتی تھی۔ پھٹے پرانے کپڑے۔ موٹا جھوٹا کھانا، غریبی۔ کون اس کی طرف توجہ کرتا، مثل مشہور ہے کہ "غریب کی جوانی اور جاڑوں کی چاندنی کون دیکھتا ہے"۔ لعل گدڑی میں چمک رہا تھا مگر کوئی اسکا قدردان نہ تھا۔ سویڈن کے ایک سپاہی کی جو نظر پڑی تو بیقرار ہوگیا۔ ایک ہی نظر میں دل اور جگر دونوں مجروح تھے اس نے اپنا پیام دیدیا۔ ایک بے والی و وارث لڑکی کے لئے خواہ وہ کتنی ہی حسین اور جمال ہو۔ یہ بہت بڑی خوش قسمتی تھی اسی کے ساتھ ۱۷۰۲ء میں بعمر اٹھارہ سال شادی ہوگئی۔

یہ اس کی منحوسیت اور سبز قدمی کا تیسرا زندہ ثبوت تھا کہ شادی کے ایک برس بعد ہی روس نے سویڈن پر حملہ کرکے شہر مرین برگ کو فتح کرلیا۔ اس کا شوہر مارا گیا اور روسی افسر فوج بادرا سے زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ لیگیا۔ لوگوں میں مہینوں چرچے رہے۔ عورتیں اپنی صحبتوں میں ذکر کرتی رہیں کہ عجیب منحوس لڑکی ہے ماں کے پیٹ میں آتے ہی باپ کو کھایا دودھ چھوڑتے ہی ماں کو نگلا۔ اور اب شادی ہوتے ہی غریب شوہر کو ہضم کر گئی۔ اور ملک پر جو مصیبت آئی وہ اسی کی منحوسیت و سبز قدمی کا ایک ثمرہ تلخ تھا۔ دیکھئے روس میں جاکر کیا تباہی لاتی ہے۔ لیکن جب لوگ یہ چرچے کرتے تھے تو قسمت کھڑی ہنستی تھی۔ اور کہتی تھی دیکھنا یہی منحوس لڑکی سارے خوش قسمتوں کے جان و آبرو کی مالک بنکر رہے گی۔

شہنشاہ روس پر حسن کا جادو روس کی سرزمین میں قدم رکھتے ہی اس کا ستارۂ قسمت بلند ہونا شروع ہوا۔

وہ اپنی منحوسیت کے چرچے پہلے ہی سُن چکی تھی اور شوہر کی اچانک موت، اپنی یکایک بیوگی و گرفتاری نے اس کو بھی یقین دلا دیا کہ وہ واقعی منحوس ہے۔ وہ اب غلام تھی۔ ایک بیکسانہ و کنیزانہ زندگی بسر کر رہی تھی اور روزانہ کسی گوشے میں بیٹھکر اپنی بدقسمتی و نحوست پر چار آنسو بہا لیا کرتی تھی وہ روسی جنرل کے گھر والوں کی خدمت کرتی رہتی تھی۔ اُن کی دوستی ایک معزز رئیس لارڈ پیچی کاف سے تھی۔ یہ مظلوم لونڈی ان کے یہاں کام کاج کے سلسلہ میں آنے جانے لگی۔ چونکہ لارڈ کی بیگم بہت شریف اور رحمدل تھی اور اس کی بیکسی کی وجہ سے اس پر نظرِ عنایت روا رکھنے لگی تھی۔ اس لئے وہ خود بھی کام سے وقت نکالکر کبھی کبھی اس بیگم کے پاس چلی آتی تھی۔ دل تو اس کا ٹوٹ ہی چکا تھا اپنی منحوسیت کا یقین آ چکا تھا۔ اپنے مستقبل سے مایوس ہو چکی تھی اس نے اپنے شباب و حسن اور اس کی سحر خیزیوں کو یکسر بھولی ہوئی تھی ایک روز اتفاقاً لارڈ صاحب کی نظر جو اس پر پڑی تو بیتاب ہو گئے بہت بڑے آدمی تھے شادی شدہ تھے۔ مگر قلبِ آرزوؤں اور ارمانوں کی ایک دنیا بن چکا تھا۔ اپنے عشق کو چھپائے رہے اور ابھی کچھ فیصلہ نہ کرنے پائے تھے کہ ایک دن لارڈ صاحب کے ہاں پیٹر اعظم شہنشاہ روس کا نزول اجلال ہوا۔ نظر جو پڑی تو دل پہلو میں نہ تھا۔ اس کے جنرل کی لونڈی تھی بے تکلف بلا کر حال پوچھا۔ اس نے جو کہا گیا کہدیا۔ حُسن کی ادائیں چھپائے نہیں چھپتیں اور رعنائی چال ہزار حصاروں میں بھی اپنا کام کر جاتی ہے۔ "چھتنار اور سو مارکے لاکھن میں چوٹ" ایک مسلمہ حقیقت ہے خوبصورت نازنین اور بہادر انسان واقعی لاکھوں میں بھی اپنا وار کر جاتا ہے۔ اس کے حسن جانسوز کا جادو شہنشاہ پر چل گیا اور قصرِ حکومت میں جو پہنچا ہے تو یہ حالت تھی کہ اُسے اس لونڈی کے فراق

میں کسی کروٹ چین نہ پڑتا تھا

بیکس کنیز شہنشاہ روس کے آغوش میں

پیٹر اعظم شہنشاہ تھا۔ بڑا باجبروت
فرمانروا تھا۔ جانتا تھا کہ میں بادشاہ ہوں اور یہ پھر ایک کنیز ہے۔ بہت
صبر کیا۔ بہت ضبط و تحمل سے کام لیتا رہا۔ مگر حسن کا وار کاری ہو چکا تھا
کوئی پیش نہ گئی۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ وہ اپنی بیوی کو کچھ روز پہلے طلاق
دے چکا تھا کہ اُسے اس نے اپنے مذاق و مزاج کے مطابق نہ پایا تھا اور باہم
برابر اختلاف رہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ اپنے کاشانہ راحت کے لئے کوئی
اور ماہ پیکر حاصل کر کے اُسے اپنے دل کی مالک بنا لے۔ اس کنیز پر اسکا
دل آ ہی گیا تھا گو اسے ملکہ بنانا اس کے منصب رفیع کے مغائر تھا اس نے
خود کو بہت روکا لیکن اس کے قلب اور اس کے دل نے اُسے مجبور کر دیا۔
اور اس کے جب دلیر قابو نہ رہا تو اس سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا۔ اب یہ
کنیز شہنشاہ روس کے آغوش میں تھی۔ اس تعلق نے اس کے حسن و شباب
کو بھی اور چمکا دیا۔

بس یہ سمجھ لیجئے کہ یہ کنیز جسکا نام کیتھرائن تھا اس بلا کے حسن کی
مالک تھی کہ شہنشاہ وقت کا دل اس نے اس کے پہلو سے چھین لیا اور
جب اسپر بھی قرار نہ آیا تو چند ہی روز بعد اس نے ایک گرجا میں جا کر اس سے
مخفی طور پر نکاح کر لیا۔ کیتھرائن کا حسن تھا یا ایک فتنۂ بیدار۔ امرا میں
برابر اس نکاح پر سرگوشیاں ہو رہی تھیں اور ادھر شہنشاہ بیتاب تھا کہ وہ
اپنی ناز آفریں محبوبہ کو اپنے پہلو میں بٹھا کر دربار کرے اور اسے عزت و
احترام کا مورد بنا دے سنہ ۱۷۱۲ء میں اس نے اپنے نکاح کا اعلان کر دیا
گو اس اعلان کے وقت کیتھرائن کی عمر پورے تیس سال کی تھی مگر اسکا
حسن و جمال ماہ چہاردہم کی طرح چمک رہا تھا۔

ملکہ اور پیٹر میں عاشقانہ محبت

کیتھرائن ملکہ بن کے نہ صرف ایک کافرما جرا اور حسین و نازآفریں محبوبہ ثابت ہوئی بلکہ وہ نہایت دانائی و فرزانگی سے امور سلطنت میں گرانقدر مشورہ دینے لگی اور اپنی قابلیت و تدبر سے اس نے شہنشاہ کو اپنا دیوانہ بنالیا نازک سے نازک مواقع پر اس نے پیٹر اعظم کا ساتھ دیا۔ ہمہ وقت اس کی دلدہی میں مصروف رہنے لگی اور ایسے کام کئے اور مشورے دیئے کہ پیٹر کی شہرت ہو گئی۔

اسی اثنا میں سلطنت عثمانیہ سے جنگ چھڑ گئی اور ترکی سپہ سالار سیلاب کی طرح فوجیں لئے بڑھتا چلا آیا۔ پیٹر اعظم کو بڑا فکر ہوا۔ وہ تنہا خیمہ میں فکر مند و ملول بیٹھا تھا ملکہ یہ سنکر بیتابانہ دوڑی اور اندر گھستی چلی گئی۔ پیٹر نے ناخوش ہو کر کہا تمہارے مشورے نہائت صائب ہوتے ہیں بہت مجبور ہو گیا ہوں بتاؤ کیا کروں۔ ملکہ نے فوراً جواب دیا کہ آپ ترکوں سے صلح کرلیں جن شہروں پر ان کا قبضہ ہو چکا ہے انہیں انہیں کے قبضہ میں رہنے دیں۔ ترکی جنرل محمد پاشا کو میں رضا مند کر لونگی۔ چنانچہ ملکہ نے ایسی تدبیر و دانائی سے کام لیا اور کچھ اس انداز سے گفتگو کی کہ مصالحت ہو گئی اور پیٹر اعظم خوش ہو گیا۔

ملکہ کی شاندار رسم تاجپوشی

کیتھرائن کی دانائی اور محبتوں سے مسرور ہو کر پیٹر اعظم نے اسے باضابطہ طور پر تاج شہنشاہی پہنایا اور اسے وارث تخت ...... قرار دیا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کرایا ....

.... اور ایک عظیم الشان اور طویل جلوس کے ساتھ لیکر چلا۔ تمام عمائدین سلطنت اور افسران فوج اس جلوس میں اس کے ساتھ تھے۔ مورخ لکھتے ہیں کہ اس سے پیشتر روس میں کبھی اتنا شاندار اور پرشکوہ

جلوس نہ نکلا تھا اس کی عظمت کو اس واقعہ نے اور چار چاند لگا دئیے کہ خود شہنشاہ روس پیٹر اعظم اس تمام جلوس میں فوجی لباس پہنے ہوئے پیادہ پا ملکہ کے ساتھ تھا اور برابر نعرے بلند ہو رہے تھے۔ گرجے میں پہنچ کر یہ عظیم الشان جلوس ختم ہوا۔ وہاں تمام اعیانِ سلطنت کے سامنے خود پیٹر اعظم نے ملکہ کیتھرائن کو شہنشاہی تاج پہنایا اور ساتھ ہی ایک معرکہ آرا شاہی تقریر کی جس میں اپنی ملکہ کی دانائی و تدبر اور خدمات و قابلیتوں کی پر زور الفاظ میں تعریف کی گئی تھی۔ اس تقریر کے دوران میں برابر پُر جوش فوجی نعرے بلند ہوتے رہے۔

پیٹر اعظم کی نفرت

اب پیٹر اعظم کی یہ حالت تھی کہ سلطنت بھر میں وہ کیتھرائن کو بہترین ہستی سمجھتا تھا سفر و حضر میں اُسے اپنے ساتھ رکھتا تھا بالکل اس کے ہاتھ میں تھا اس کی دلدہی اور ناز برداری میں منہمک رہتا تھا۔ ممالک یورپ کی سیر کو گیا تو بھی ملکہ اس کے ساتھ تھی اُسے اس کے بغیر چین ہی نہ پڑتا تھا۔ جب ملکہ کیتھرائن کا عروجِ اقتدار اپنی انتہائی بلندیوں پر پہنچ گیا اور عشق نے تمام مراحل کمال طے کر لئے تو یکایک اس کے قلب میں ملکہ کی طرف سے تکدر پیدا ہوا۔ ۱۷۲۴ء کے اوائل میں اس کی تاجپوشی ہوئی تھی جس سے امراء کو بہت حسد پیدا ہوا اور انہوں نے سازشیں کر کے پیٹر اعظم کو ملکہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ اور پیٹر اعظم کو باور کرا دیا کہ ایک افسر سے ملکہ کا ناجائز تعلق ہے۔ اس یقین کے ساتھ ہی پیٹر اعظم کی تمام محبتیں یکایک معاندت و نفرت میں منتقل ہو گئیں۔ اس نے اس افسر کو تو فوراً قتل کر دیا مگر ملکہ کا رتبہ اتنا بلند ہو چکا تھا اور اس نے اپنی فیاضیوں اور داد و دہش سے رعایا پر اتنا اثر قائم کر لیا تھا کہ وہ اس پر ہاتھ نہ ڈال سکا اور موقعہ کا منتظر رہا۔

ملکہ کی فرمانروایانہ عظمت

ملکہ نے پیٹر کا دل صاف کرنے کی بہتیری سعی کی مگر کوئی نتیجہ مترتب نہ ہوا تو وہ اپنے زوال سے ڈری اور اپنے اثر سے کام لیکر پیٹر کو خفیہ طور پر زہر دلوا دیا اور وہ ۱۷۲۵ء میں ایک سال بعد ہی مر گیا۔ اس نے نہایت دانائی سے اس موت کو چھپایا اور پورا انتظام کرنے اور با اثر امراء و رؤساء کو ہمنوا بنا لینے کے بعد پیٹر کی موت کا اعلان کر دیا۔ بادشاہ کے کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اختلافات شروع ہو گئے۔ مگر جب بڑے بڑے امراء اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے تو سب نے اس کی اطاعت و انقیاد کا اقرار کر لیا اور ۱۷۲۵ء میں سوئڈن کی وہی فلاکت زدہ یتیم لڑکی جسے اس کے اعزا و اہل وطن منحوس و سبز قدم کہتے تھے اور جس کی ابتدائی زندگی نہایت بیکسانہ اور امید سوز تھی روس کی شہنشاہ بنکر سریر حکومت پر جلوہ افروز ہوئی اور حق یہ ہے کہ اس نے نہایت تدبر و دانائی اور جاہ و جلال سے فرمانروائی کی۔ اس نے مذہبی پیشواؤں کا اقتدار فنا کر دیا۔ ہاؤس آف لارڈ توڑ کر غربا پروری کا ثبوت دیا۔ علم و فضل کو ترقی دی حکومت کو بہت مضبوط کر دیا۔ مخالفین اور حریف اس کے نام سے لرزہ بر اندام رہتے تھے اور ہر طرف اس کی دھاک بندھی ہوئی تھی۔ تاریخ میں وہ روس کی ایک ہوشمند اور اولوالعزم ملکہ خیال کی جاتی ہے۔ وہ ابھی پورے دس سال بھی فرمانروائی نہ کرنے پائی تھی کہ پیام اجل آپہنچا۔ اور وہ صرف ۴۲ برس کی عمر میں اس دنیا کو چھوڑ گئی۔ لیکن شہرت دوام کا تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔

کیتھرائن واقعی حسن و جمال میں فقید المثال تھی۔ اس کی ادائیں بے پناہ تھیں۔ مگر وہ اتنی گل اندام اور مہ طلعت نہ ہوتی تو وہ کبھی اس رتبہ و کمال کو نہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کی رعنائی جمال نے اسے کم بخت ی

اور اس نے اسے فرش ذلت سے اٹھا کر عرش عزت پر بٹھایا ورنہ کون کہہ سکتا تھا کہ صوبہ لیوونیا کی یہ یتیم بچی فلک شہرت پر آفتاب بنکر چمکیگی اور بڑے بڑے با اقتدار امراء کے سر اسکے سامنے جھکیں گے۔

نازنینان بنو عباس

خاندان عباسیہ کی اولین پیکر جمال ملکہ

خاندان اور حسن جمال یہ ہوشمند اور پیکر جمال خاتون بنو عباسیہ کے خلیفہ اول کی ناز آفرین ملکہ تھی۔ اور عرب کے ایک شریف قریش قبیلہ مخزوم کی چشم و چراغ تھی۔ تمام مورخ اس امر میں متفق ہیں کہ یہ ملکہ دانائی و فرزانگی تدبیر و دانش۔ سلیقہ اور شائستگی میں بہرہ خاص رکھتی تھی اور بہت شریف النفس اور نیک نہاد عورت تھی حسن و جمال میں تو یہ دور دور تک اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ آنکھ میں غضب کا جادو تھا اور ادا و ناز میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ ایک دفعہ عبدالعزیز بن عبدالملک اموی کی نگاہ اس کے نورانی چہرہ پر پڑ گئی بسمل ہوگیا ہوش و حواس جاتے رہے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ باپ کے خوف سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا عشق و مشک چھپائے نہیں چھپتے۔ آخر عبدالملک کو بھی پتہ چلگیا یہ بہت مقتدر فرمانروا تھا پہلے تو بیٹے کو بہت سمجھایا جب دیکھا کہ اس کی بیقراری بڑھتی ہی جاتی ہے تو مجبور ہوکر پیام دیدیا۔

عبدالعزیز آخر شہزادہ تھا شادی ہوگئی۔ دونوں میں والہانہ محبت تھی اور یہ اسی کا دم بھرتا تھا۔ قدرت کو عاشق و معشوق کا

یہ وصل منظور نہ تھا۔ عبدالعزیز کو عین عالم شباب میں پیام اجل آپہنچا اور اس کی یہ نوخیز و نوبہار بیوی بیوہ ہوگئی۔

شادی وبیوگی

اس تعلق نے اس کی حیثیت کو بہت نمایاں کر دیا تھا۔ عرب کی آزاد معاشرت کی دختر تھی وہ ابھی اپنے عقد ثانی کی فکر ہی میں تھی کہ کسی طرح ایک اور معزز و دولتمند تاجر ہاشم اس کی چشم فسوں ساز کا شکار ہوگیا۔ اب ام سلمہ اڑ گئی وہ شادی پر راضی نہ تھی مگر اس نے کچھ ایسے ڈورے ڈالے آخر اس سے بھی شادی ہوگئی لیکن اسے چند روز گلشن وصل کی سیر کرتے گذرے تھے کہ یہ بھی شکار اجل ہوگیا۔ عرب میں متعدد شادیاں کرنا کوئی معیوب امر نہ تھا۔ مگر اب ام سلمہ کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے پاس دولت بہت کافی تھی اور گونہ عیش و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی۔ ایک روز ام سلمہ بالائے بام بیٹھی ہوئی تھی غرفے پر فضا سے منظر کا نظارہ کر رہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت و شکیل جوان ادھر گذر رہا ہے اس میں کچھ اس بلا کی کشش اور مقناطیسیت تھی کہ وہ ام سلمہ جس پر اتنے دوسرے فریفتہ ہوتے رہتے تھے خود اس پر عاشق ہوگئی اور اسی وقت اپنی ہمنشین خواتین سے پوچھا کیا تم اس جوان سے واقف ہو سب نے کہا کہ بیوی یہ تو بہت شریف اور مشہور انسان ہیں انکا نام ابوالعباس سفاح ہے

حجلۂ عروسی کا برق افروز نظارہ

گردش ایام نے اپنے عہد میں بنو ہاشم کو فلاکت و عسرت کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچا رکھا تھا۔ پھر بھی شرافت و عظمت کے آثار ان کے چہرے سے عیاں تھے اور گدڑیوں میں بھی یہ لعل برابر مصروف درخشانی رہتے تھے ام سلمہ دولتمند تھی اور حسین مگر اس نے ابوالعباس کی فلاکت کو نظر انداز کر کے عربی آزادانہ طریق پر اسی وقت نکاح کا پیغام دیدیا۔

ابوالعباس اسقدر غریب تھے کہ یہ سنکر حیرت زدہ رہ گئے اور فرمایا میں تو بہت مفلس ہوں۔ پیامبر نے سات سو اشرفیاں لاکر سامنے ڈھیر کر دیں اور کہا پرواہ نہ کیجئے اور اپنے نکاح کا باضابطہ پیغام بھجوا دیجئے۔ پیغام دیدیا گیا اور نکاح ہو گیا۔

ایک غریب اور مفلوک انسان اور پری جمال لکھپتی بیوی! حجلۂ عروسی میں جو شب کو پہنچے میاں تو ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ دیکھا کہ دلہن جواہرات میں غرق شاہانہ جوڑا پہنے ایک آراستہ اور شاندار کمرے میں بڑی آن بان کے ساتھ بیٹھی ہے اور ایک امیرانہ رعب و جلال چہرے سے عیاں ہے۔ یہ حالت تھی کہ قدم اٹھانا چاہتے تھے اور نہ اٹھتا تھا۔ اُن کے تصور میں بھی کبھی یہ نظارہ نہ آیا تھا۔ ام سلمہ سمجھ گئی فوراً اٹھی اور سادہ لباس زیب بر کر لیا۔ مگر اس سادگی میں بھی ہزار بناؤ تھے اور امارت کا جلال بات کرنے کی جرأت نہ ہونے دیتا تھا۔ آخر ام سلمہ بڑھی اور کہا گھبرایئے نہیں آیئے پاس بیٹھیے اب تو میں آپ کی بیوی ہوں اور سب دولت و حسن آپ ہی کا ہے۔

ابوالعباس کی قسمت کھل گئی اب وہ ایک فاقہ کش غریب
اللہ کی دین نہیں بلکہ ایک امیر اعظم تھے جس کے پاس زر و جواہر کے انبار تھے۔ پھر بھی بیوی کے درم نا خریدہ غلام تھے۔ جو وہ کہتی کرتے۔ اس زمانہ کی کوئی امیرزادی ہوتی تو ایسے نیازمند خادم کو خاطر میں بھی لاتی مگر ام سلمہ مسلمان تھی اور مسلمان بھی خدا ترس۔ اس نے شوہر کی دلجوئی اور دلداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ دونوں میں والہانہ اور عاشقانہ محبت تھی۔ زندگی بڑے عیش و آرام کے ساتھ گذار رہی تھی اور ابوالعباس کہا کرتے تھے کہ مجھے تو دنیا ہی میں جنت مل گئی ہے۔ حور و قصور سب سامنے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کئی بچے بھی ہو گئے اور زندگی میں جتنی تمنا میسر تھیں کسی انسان کو حاصل ہو سکتی ہیں وہ سب انہیں حاصل تھیں۔

اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کو نوازنے اور دینے پر آتا ہے تو پھر اتنا دیتا ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا اور وہ برابر دیئے چلا جاتا ہے۔ چند سال کے بعد بنی امیہ کا آفتابِ اقبال غروب ہو گیا اور بنو عباس کا ستارہ عظمت افق پر بلند ہونا شروع ہوا۔ اللہ کی دین دیکھئے کہ دنیا کے اس عظیم الشان اور مقتدر خان کا پہلا فرمانروا اور تمام دنیائے اسلام کا واحد حکمران بنتا ہے تو وہی جوان جسے چند سال بیشتر شکم سیر ہو کر رزق بھی نہ ملتا تھا۔ جو حجلۂ عروسی میں ام سلمہ کی شان امارت و حسن دیکھ کر مبہوت کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔ اور جس کی اتنی جرات بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ اپنی دلہن کے جسم کو ہاتھ لگا سکے۔

ام سلمہ کی دانائی ولیاقت

پوری اسلامی دنیا کا فرمانروا بن جانے کے بعد بھی ابوالعباس اپنی ناز آفریں بیوی کے ویسے ہی فرمانبردار رہے لیکن اب جو شاہانہ اقتدار بڑھا تو ایک روز ایک مقتدر مصاحب خالد بن صفوان نے ورغلایا کہ امیرالمومنین اتنے رفیع منصب کے حامل ہو کر آپ صرف ایک ہی ملکہ پر اکتفا کئے ہوئے ہیں اور نہیں جانتے کہ ارض عالم پر کیسی کیسی جادو نظر مہ پارہ موجود ہیں جو آپ کے ایک اشارہ پر آپ کے کاشانۂ عیش کی شمع بن سکتی ہیں۔ خالد تو آگ لگا کر چلا گیا مگر ابوالعباس سوچ میں پڑ گئے۔ خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ ام سلمہ آ گئی۔ دلدہی کی تسلی دی ہنستی بولی اور پوچھنے لگی کہ آپ اس وقت فکر مند کیوں ہیں۔ ابوالعباس نے بہت بہلایا۔ بہت ٹلایا مگر اس نے ایک نہ سنی اور برابر اصرار کئے چلی گئی۔ مجبور ہو کر ابوالعباس نے ساری روداد بیان کر دی۔ ام سلمہ کے ایڑی سے جو لگی تو چوٹی پر پہنچی اور بولی آپ نے اس بدکردار کو کچھ جواب دیا۔ ابوالعباس اب شہنشاہ تھے برافروختہ ہو کر کہا جواب کیا دیتا اس نے جو کہا میرے فائدے کے لیے کہا

اُم سلمہ خاموش اُٹھی ہوئی چلی گئی اور

خالد بن صفوان کی درگت

سرہنگان شاہی کو بلا کر حکم دیا کہ ابھی خالد بن صفوان کے گھر جاؤ اور اُسے اتنا مارو کہ اسکا کوئی عضو ضربات سے خالی نہ رہے۔ وہاں کیا دیر تھی سرہنگوں نے دروازے پر پہنچکر دستک دی۔ یہ سمجھتے تھے کہ امیر المومنین ضرور مجھے طلب کریکے انعام سے سرفراز کریں گے اور یہ اہم خدمت میرے سپرد کی جائے گی۔ فوراً جھپٹ کر باہر آئے۔ اسی وقت دھڑا دھڑ مار پڑنی شروع ہو گئی بمشکل بھاگ کر گھر میں پناہ لی۔

شاہی چوبدار روز بلانے آتے لیکن یہ ڈر کے مارے گھر سے نہ نکلتے آخر ایک روز وہ پکڑ کر لے ہی گئے۔ مگر یہ سہمے ہوئے تھے خوف کے مارے زرد پڑے ہوئے تھے۔ دربار میں پہنچتے ہی ابوالعباس نے پوچھا خالد کہاں تھے۔ عرض کیا امیر المومنین! بیمار تھا۔ فرمایا تمہاری اس روز کی باتوں میں مجھے بڑا لطف آیا تھا ذرا پھر تو اعادہ کرو کہ میں نے تمہارے مشورہ کے مطابق مزید عیش رانی کا تہیہ کر لیا ہے۔ خالد پہلے دیکھ چکا تھا کہ امیر المومنین کی پشت کی جانب غرفہ پر جو زرنگار پردہ پڑا ہے وہ جنبش میں ہے سمجھا ضرور ملکہ چھپی ہوئی یہاں کھڑی ہوگی لرز گیا اور خیال کیا کہ پہلے تو جان بچ گئی۔ اب زبان سے ذرا لغزش ہوئی تو ملکہ گھر بھی کھدوا کر پھینکدیگی۔

خالد دربار میں

خالد نے کہا حضور میں نے اس روز عرض کیا تھا کہ جس نے ایک بیوی کے سوا دوسری کی وہ کسی روز ضرور نقصان اٹھائیگا۔ ابوالعباس نے کہا کمبخت جھوٹ کہتا ہے۔ فرمایا نہیں حضور میں نے اور یہ کہا تھا کہ جس کے حرم میں تین بیویاں ہوں اس کی جان ہمیشہ ضیق میں رہتی ہے۔ ابوالعباس

نے برہم ہو کر کہا۔ خدا کی قسم تو نے یہ ہرگز کبھی نہ کہا تھا۔ میرے سامنے جھوٹ بکتا ہے۔ خالد نے جواب دیا ہاں مجھے یاد آگیا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جس شہنشاہ کے یہاں اتفاق سے چار بیویاں اکٹھی ہو جائیں پھر تو اس کی زندگی کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اب تو ابوالعباس کے غصے کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ چیخ کر بولا۔ ظالم میرے منہ پر جھوٹ بول رہا ہے اور میرے غضب سے نہیں ڈرتا۔ تو نے یہ نہ کہا تھا کہ دنیا میں بڑی بڑی ماہ پیکر اور حور تمثال نازنین موجود ہیں۔

خالد نے فوراً جواب دیا بیشک میں نے یہ عرض کیا تھا کہ امیر المومنین کے حرم میں جو نازک اندام دوشیزہ کنیزیں ہیں وہ عورتیں تو معلوم ہی نہیں ہوتیں خدا جانے کیا بلا ہیں۔ ساتھ ہی اس پر پردے کے پیچھے سے ایک سبک و حسین قہقہے کی آواز سنائی دی کہ اس کے کان تو اُدھر ہی لگے ہوئے تھے۔ سنبھل گیا اور بولا امیر المومنین ٹھیک ہے میں نے یہ ضرور کہا تھا قریش کے پھول بنی مخزوم ہیں اور ان تمام پھولوں میں سے ایک منتخب اور نہایت نکہت بیز اور خوش رنگ پھول آپ کے کاشانۂ عیش میں موجود ہے۔ اب آپ کسی اور طرف نظر اٹھا کر کبھی نہ دیکھیں کہ اس کی شادابی کیا کم ہے۔

ام سلمہ کی تدبیر کا کرشمہ

ام سلمہ نے اسی وقت پردے کے پیچھے سے جواب دیا۔ خالد! تم سچ کہتے ہو میں تمہیں سچا سمجھتی ہوں تم نے امیر المومنین سے ضرور یہی کہا ہوگا۔ انہوں نے اپنی طرف سے نئی اور عجیب باتیں گھڑ کر تمہاری طرف منسوب کر دیں۔

یہ ایک عجیب پُر لطف اور حیرت انگیز تماشا تھا۔ امیر المومنین تو حالت غضب میں خالد کو نا دانستہ سب و شتم کر رہے تھے کہ اللہ تجھے غارت کرے میں ضرور تجھے اس فریب زاری کی سزا دوں گا کہا کچھ تھا اور اب

کہہ کچھ رہا ہے۔

اُم سلمہ بیٹھی سن رہی تھی امیر المومنین کو پسینہ پر پسینہ آرہا تھا کہ مجھے ملکہ سے شرمندگی اٹھانی پڑی۔ خالد کی پشت بھاری تھی سمجھتا تھا کہ امیر المومنین ملکہ کے ہاتھ میں ہیں میں نے اُسے خوش کرلیا۔ کوئی مخالف حکم بھی دیں گے تو ملکہ بچا لیگی کہ وہ بہت شریف طبیعت اور غریب نواز ہے۔ اسی اثنا میں وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے باہر کھسک گیا۔ وہ ڈرتے ڈرتے گیا تھا مگر واپس جو آیا تو گو نہ بے پروا اور پُر امید تھا اور جانتا تھا کہ میں نے جو غلطی کی تھی اس کی تلافی کردی اب میری جان کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔

ملکہ کا رعب جلال

خالد گھر پہنچکر اطمینان سے بیٹھ گیا اللہ کا شکر کر رہا تھا کہ جان بچ گئی۔ چند لمحوں میں دروازہ پر دستک کی آواز آئی باہر آکر جو دیکھا تو وہی مارنے اور دل کھول کر سزا دینے والے سرہنگان شاہی کھڑے ہوئے ہیں جنہوں نے اسی وقت دس ہزار درہم کی تھیلیاں خالد کے سامنے ڈال دیں نقرئی کشتی میں رکھکر ایک بیش بہا خلعت پیش کیا۔ ساتھ ہی ایک خوبصورت گھوڑا اور ایک ہوشیار غلام عطا کر کے فرمایا ملکۂ عالم نے یہ تحائف تمہیں بھیجے ہیں اور باور کرد یا ہے کہ اب تم بے کھٹکے رہو وہ تم پر بہت مہربان ہیں اور آیندہ بھی وہ برابر تمہیں نوازتی رہیں گی۔ خالد کوئی معمولی آدمی نہ تھا ایک فارغ البال امیر تھا۔ اور اس حادثہ سے وہ متنبہ ہو گیا تھا۔ اتنے بڑے امیر کے زدوکوب اور خلعت و انعام کا واقعہ ایسا نہ تھا جو چھپ سکتا سب میں مشہور ہو گیا۔

تمام لوگ لرز گئے اور پھر کسی کی جرأت نہ ہوئی جو ملکہ کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکے یا امیر المومنین کو کوئی ایسا مشورہ دے سکے سمجھتے تھے کہ اگر کسی نے کوئی لغزش بھی کی تو ملکہ اس کی کھال کھچوا لیگی اور اُسے

دنیا میں پھر سانس لینا نصیب نہ ہوگا۔

میاں بیوی میں محبت ابوالعباس کی طبیعت میں سربرآرائے حکومت ہوکر سختی پیدا ہوگئی تھی۔ اس نے بنی امیہ پر بڑے بڑے ظلم کئے اور اپنے حریفوں کو شدید سے شدید سزائیں دیں۔ مگر ملکہ کا رعب اس پر پہلے ہی سے قائم ہوگیا تھا۔ اس نے اس کے خلاف جس جرأت کا اظہار کیا وہ محض ایک اتفاق تھا۔ اس کے بعد دونوں پھر ویسے ہی کے ویسے تھے۔ اس نے اس کے بعد پھر کبھی دوسری شادی کا ارادہ نہ کیا اور اپنی ملکہ کے حکم کا بندہ بنا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی اس ملکہ کی دانائی و تدبر کا ایک کرشمہ تھا اس نے اپنا طرز عمل ہی ایسا رکھا کہ امیرالمومنین کو کبھی اس کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت نہ ہوئی۔ اور اٹھاتا بھی کیسے اسے اپنا ابتدائی زمانہ یاد تھا۔ اور واقعی یہ ملکہ ہی کے قدموں کی برکت تھی کہ وہ ایک ادنیٰ حالت سے بلند ہوکر سریر خلافت پر فائز ہوگیا۔ پھر ام سلمہ کا حُسن وہ حسن تھا جس نے حسینان عالم کے چراغ گل کر دیئے تھے۔ وہ علم و فضل۔ دانائی و عقل۔ تدبر و فراست۔ شرافت و تقویٰ اور حسن و جمال میں اپنی نظیر آپ تھی۔ اس نے غریبی امیری اور گدائی ہر حالت میں اپنے شوہر کی پوری خدمت و دلدہی کی برابر اسے مشورے دیتی رہی۔ اور یہ اس کے حسن عمل اور حسن نیت ہی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اللہ کے لئے ایک غریب مفلس شوہر کے ساتھ نبھایا۔ اور اللہ نے اس کے عوض میں شاہی عطا کر دی۔

ہارون رشید کی ماں

ولادت اور خاندانی عظمت یہ پرجمال اور با وقار ملکہ ۱۲۰ھ میں کتم عدم سے پردہ

وجود پر جلوہ گر ہوئی۔ خاندان عباسیہ کی چشم و چراغ اور خلیفہ مہدی کی لخت جگر تھی۔ ہادی اور ہارون رشید دونوں اس کے بھائی تھے اس کی ماں مکنونہ گو ایک کنیز تھی۔ مگر کمال فن اور حسن و جمال میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ جس وقت مہدی کے کاشانہ عیش کی شمع بنی ہے تو یہ اسطرح خلیفہ پر چھا گئی کہ تمام حسینان حرم کے چراغ اس کی نظروں کے سامنے گل ہو گئے تا آنکہ ملکہ خیزران جیسی مہ پارہ بھی اکثر کہہ اٹھا کرتی تھی کہ مکنونہ نے حرم میں داخل ہو کر میری وقعت پر خاص اثر ڈالا۔ مہدی کے زیب کاشانہ بننے سے پیشتر یہ عبید اللہ بن عباس کے پوتے حسین بن عبداللہ کے پاس تھی۔ مدینہ میں رہتی تھی اور وہاں تمام خاندانوں میں اس کے حسن و جمال کی شہرت تھی۔ اس وقت موسیقی میں مہارت بڑا کمال سمجھا جاتا تھا۔ اور آج کی طرح اس وقت کی سوسائٹی میں یہ کوئی معیوب بات نہ تھی۔ منصور کے عہد میں مہدی اس کے نورانی چہرہ پر عاشق ہو گیا اور اسے ایک لاکھ درہم میں خرید کر اپنی بیوی بنایا مگر باپ کی زندگی میں اس نے باپ پر یہ راز آشکارا نہ کیا۔

عین اسوقت جبکہ مہدی کی سریر آرائی حکومت کے جشن ہو رہے تھے اسی پر یجمال مکنونہ کے نہال آرزو میں یہ ثمر رنگیں لگا اور علیہ اس کے بطن سے پیدا ہوئی۔

حسن و جمال اور علم و فضل علیہ ایک مہتم بالشان خلیفہ کی لخت جگر اور شاہزادی تھی۔ رعنائی جمال اور حسن ناز آفرینی میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی اور اپنی ماں کے حسن سے اُسے پورا حصہ ملا تھا۔ مہدی کو اس سے بڑی محبت تھی۔ شاہانہ طریق پر اس کی تعلیم و تربیت ہوئی اور اس نے بہت جلد ادب، شعر اور جملہ علوم متداولہ میں کمال پیدا کر لیا۔ شعر و سخن سے اُسے خاص شغف اور

اور مناسبت تھی اور وہ اپنے زمانہ کی ایک مشہور شاعرہ گذری ہے۔ اس وقت عرب کی معاشرت اور عرب کی شاعری میں یہ بات تھی کہ شعراء اظہار عشق اور تغزل کے لئے کسی مہ پارہ کو اپنا محبوب قرار دے لیتے تھے۔ مردوں کے پیش نظر کوئی عورت اور عورتوں کے پیش نظر کوئی مرد ہوتا تھا۔ فرضی محبوب کا رواج نہ تھا اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ عورت و مرد شاعر جسے اپنا محبوب بنا کر شعر کہتے تھے اس سے فی الحقیقت انہیں عشق بھی ہوتا تھا۔ یہ محض ایک رسمی امر تھا جس میں بداخلاقی و آوارگی کو ذرہ برابر دخل نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ عرب میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ جس سے عشق ہو جاتا تھا اس سے شادی ہرگز نہ ہوتی تھی۔ علیہ نے بھی اسی عربی رسم کے مطابق ایک غلام طل کو اپنا فرضی محبوب قرار دیکر مشق سخن شروع کر دی۔

ہارون رشید کو غیرت اسلامی کے مطابق بہن کا یہ طریقہ سخت ناگوار گذرا اور اس نے ہدایت کر دی کہ آئندہ طل کا نام کبھی زبان پر نہ لانا۔ علیہ نے اس روز سے شعر کہنا بھی بند کر دیا۔

غناء وموسیقی میں کمال

علیہ کو موسیقی میں بھی تبحر حاصل تھا۔ مگر کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ ہارون رشید کو موسیقی اور گانا سننے کا والہانہ شوق تھا اور وہ اس عہد کے مشہور مغنی ابراہیم موصلی اور اسحق موصلی کی بہت قدر کرتا تھا۔ ایک روز وہ محل سے اٹھکر فوراً ابراہیم کے یہاں پہنچ گیا جس سے اس کے کمال شوق کا زندہ ثبوت ملتا ہے۔ ابراہیم لپک کر باہر آیا اور بڑے ادب سے اندر لیجا کر بٹھایا۔ اس وقت وہ دو پری جمال لڑکیوں کو موسیقی کی تعلیم دے رہا تھا۔ جو امیرالمومنین کی آہٹ پاتے ہی اپنے اپنے سرود چھوڑ کر اٹھ بھاگی تھیں۔ رشید کو جو معلوم ہوا تو اس نے دونوں کو بلا کر امتحاناً انکا گانا سنا۔ امیرالمومنین کو گائے جانے والے اشعار اور ان کی دھن بہت پسند آئی۔ پوچھا

یہ اشعار اور دھن کس کی ہے؟ ابراہیم نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ پھر اپنی لڑکیوں سے پوچھا۔ بولیں دونوں چیزیں ہماری بیوی کی ہیں۔ پوچھا کیا تمہاری بیوی کا نام کیا ہے۔ بولیں۔ امیر المومنین کی ہمشیرہ علیہ خاتون کی۔

اب ہارون رشید کو علم ہوا کہ میری بہن ایک باکمال شاعرہ ہونے کے علاوہ اپنے عہد کی مایہ ناز ماہر فن موسیقی بھی ہے۔ اسی وقت اٹھا محلسرا میں آیا اور علیہ سے کہا کہ پیاری بہن دل چاہتا ہے کہ آج تمہارے ساتھ بیٹھ کر نبیذ پیوں۔ فوراً دور چلنے لگا اور علیہ کی کنیزوں نے گانا بجانا شروع کر دیا۔ چند ہی لمحوں بعد ہارون رشید نے سرود اٹھا کر بہن کی گود میں ڈال دیا اور فرمایا بجاؤ اور سناؤ۔ علیہ سراسیمہ ہو گئی اور مبہوت ہو کر امیر المومنین کا منہ تکنے لگی۔ علیہ کیونکر یہ جرات کر سکتی تھی۔ ہارون رشید نے کہا کہ بہن

حرم شاہی میں فردوسی نظارہ

آپ کو اپنے باپ مہدی کی تربیت کی قسم ہے کہ بھائی کو آج کچھ سنائیے۔ نیچی نظر کر کے بولی کیا سناؤں۔ ہارون رشید اداشناس موسیقی تھا۔ جو اشعار اور دھن سنکر آیا تھا انہی کی طرف اشارہ کر دیا۔ علیہ فوراً سمجھ گئی کہ آج صاحب تاج و تخت بھائی کو پتہ لگ گیا۔ مجبوراً گایا اور کچھ اس انداز سے گایا کہ ہارون رشید پر محویت طاری ہو گئی۔ بیساختہ اٹھ کر بہن کی پیشانی محبت سے چومی اور فرمایا بہن مجھے آج تک آپ کے اس کمال فن کا علم نہ تھا۔ اب تو گھر میں گنگا بہہ رہی تھی۔ جب دل چاہتا تھوڑی دیر بہن کے پاس جا کر سن لیتا۔

ایک دن ہارون رشید کی خدمت میں ایک فتنہ روزگار اور آفت قلب و جگر کنیز پیش کی گئی۔ جس کے حسن و غنا نے ملکہ ہارون رشید پر ایک سحر کر دیا۔ رات بھر کے جلسہ طرب کے بعد محلسرا کی دو ہزار کنیزیں زرق برق لباس

میں حکما پیش ہوئیں اور پھر گانے کا شغل شروع ہوگیا۔ ملکہ زبیدہ یہ رنگ دیکھکر کھٹک گئی۔ اور علیہ سے شکوہ کیا۔ اس نے کہا آپ ہراساں نہ ہوں میں ابھی سب انتظام کئے دیتی ہوں۔ علیہ نے اسی وقت دو سحر آمیز اشعار موزوں کرکے ایک پُرجوش دھن ایجاد کی سب کو سکھائی اور نہایت شاندار لباس میں مغرق کرکے ایک طرف بٹھا دیا۔ نماز عصر کے بعد ہارون رشید پھر جو اُسی آفت روزگار کنیز کے پاس جا بیٹھا تو وہ مختلف سمتوں سے دو ہزار کنیزوں کو ساتھ لیئے ہوئے علیہ اور زبیدہ برآمد ہوئیں اشارہ پاتے ہی ان تمام کنیزوں نے علیہ کے دونوں اشعار کچھ اس درد سوز کے ساتھ گائے کہ سماں بندھ گیا۔

زرق برق اور رنگ برنگ کی پوشاکیں مہ جمال نازنینیں دلربا صف بندی پرجوش اشعار دلدوز نغمہ۔ بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی قصر جنت میں حوران بہشتی مصروف نغمہ سرائی ہیں ہارون رشید کو اسی وقت حال آگیا۔ بیخودی طاری ہوگئی بیتاب ہوگیا اور بیوی اور بہن سے کہنے لگا کہ اس وقت سے زیادہ مسرت مجھے پوری زندگی میں کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ حکم دیا کہ اس جشن طرب کی خوشی میں خزانہ لٹا دیا جائے چنانچہ چھ کروڑ درہم اُسی آن میں لٹا دیئے گئے۔ جو اشعار گائے گئے اُن کا حقیقی لطف تو اشعار ہی سنکر آسکتا ہے مگر نثر میں انکا مفہوم یہ تھا کہ "او پیکر بیوفائی تو نے تو مجھے چھوڑ دیا۔ لیکن میرے پہلو میں ایک وفا آشنا دل ہے جو کسی حالت میں بھی تجھے چھوڑنے کا روادار نہیں اے مجھے داغ وفا دیکر چھوڑنے والے اتنا تو بتلائے جا کہ اب تو کس سے ملنے اور ہم آغوش ہونے کا تہیہ کئے ہوئے ہے" یہ ہمارے عہد اقبال کی فائزالمرامیوں کے جشن طرب کا ایک ہلکا سا خاکہ ہے۔ اب تو ہم داغ فراق صحبت شب "کی ایک جلی ہوئی شمع ہیں وہ رنگ کل تک دنیا اور عشق دنیا

کے تنہا مالک نہیں تھے۔

علیہ کی موسیقی کا ساحرانہ اثر

ایک وزیر یحییٰ بن خالد کے فرزند جلیل جو اس دور کے امیر الامرا تھے اور جن پر ہارون رشید بہت مہربان تھا، شاہانہ جشن طرب میں شریک ہوئے امیر المومنین کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی دستک کی آواز پر عقب پردہ سے نغمہ و سرود کی مترنم صدائیں بلند ہوئیں جن کے سنتے ہی دونوں پر ایک سرشاری کا عالم طاری ہو گیا۔ اس کے بعد امیر المومنین نے حکم دیا کہ میری پسندیدہ اور ایجاد کردہ دھنیں بھی کچھ سنا دیجئے۔ حکم کے ساتھ ہی پھر ساز چھڑ گیا۔ نغمے بلند ہوئے پھر تو یہ عالم تھا کہ امیر المومنین پر بالکل از خود رفتگی کا عالم طاری تھا اور امیر الامراء کی یہ حالت تھی کہ وفور جوش میں بار بار کھڑے ہو جاتے تھے اور ناچنے لگتے تھے۔ ہارون رشید نے حکماً نغمہ سرائی بند کرائی کہ اب نماز کا وقت آ گیا ہے۔ امیر الامرا نے پوچھا امیر المومنین یہ موسیقی کی سحر پاشیاں کس حسین گلے کی رہین منت ہیں۔ فرمایا کسی سے ذکر ہرگز نہ کرنا یہ کمال میری بہن علیہ کا ہے۔

نامور مغنی اسحٰق موصلی نے بڑی محنت اور تجسس سے ایک نئی اور عجیب دھن ایجاد کی اور امیر المومنین کے پاس اسے سنانے چلا۔ علیہ کو خبر ہو گئی راستہ ہی سے پکڑوا لیا اور حکم دیا پہلے مجھے سناتے جایئے۔ سناتے ہی علیہ نے اسے ذہن نشین کر کے پھر خود جو گایا ہے تو اسحٰق کی یہ حالت تھی کہ دیوانوں کی طرح ناچ رہا تھا۔ بولا سرکار قسم ہے خدائے عز و جل کی میں نے زندگی میں نہ آج تک کبھی ایسا سحر پاش، سحر آمیز نغمہ سنا اور نہ گایا۔ آپ نے تو ہمارے روشن چراغ گل کر دیے۔ علیہ نے اسی وقت بیس ہزار درہم اور بیس تھان انعام دیکر کہا کہ دھن تو تمہاری ہی ہے میں اس کی قیمت ادا کرتی ہوں۔

علیہ کو موسیقی میں مجتہدانہ کمال حاصل تھا۔ نئی نئی دھنیں روز ایجاد کرتی۔ ایک دفعہ عید کے روز علیہ نے تبریک تہنیت کے دو شعر کہے اور انہیں نئی دُھن میں ہارون رشید کے سامنے جا کر جو سنایا تو وہ از خود رفتہ تھا۔ کسی طرح یہ دھن عام ہو گئی اور ایک طویل عرصہ کے بعد عید ہی کے روز عرب کی مشہور مغنیہ عریب نے معتمد علی اللہ کے سامنے جو وہی شعر اور وہی دُھن گائی ہے تو دیوانگی طاری تھی۔ اسی وقت تیس ہزار درہم انعام دیئے۔

ہارون رشید کی برادرانہ محبت

ہارون الرشید کے ساتھ اس کی بہن علیہ کو عاشقانہ محبت تھی اور ہارون بھی بہن کی دلداری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا۔ اس لئے علیہ کو بھائی کے انتقال کا انتہائی صدمہ ہوا۔ شاعری اور موسیقی دونوں ترک کر دیں۔ امین الرشید کے شدید اصرار پر کبھی کبھی تو گا لیا کرتا تھا حسرت و یاس کا ایک خاموش دریا ہوتا تھا۔ البتہ مامون نے سریر خلافت پر قدم رکھتے ہی اپنی شہرہ آفاق علم پروری کے پیش نظر علیہ کے کمال کی بھی قدردانی شروع کر دی۔ اور وہ محبت کی کہ ہارون رشید کا صدمہ اس کے قلب سے گھٹنے لگا۔ پھر بھی اس کا دل ٹوٹ چکا تھا وہ گاتی ضرور تھی مگر اب وہ جوش باقی نہ رہا تھا۔ ایک صحبت میں مامون کے دونوں بھائی منصور و ابراہیم اور اس کا لڑکا ابو احمد بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک ابراہیم اندر پردے میں چلے گئے اور نغمہ و سرود کی دلکش صدائیں آنی شروع ہوئیں ابو احمد پر اتنی بیخودی طاری ہوئی کہ آداب شاہی بھی بھول گیا۔ مامون نے فرمایا بیٹا کیوں کیا حالت ہے عرض کی امیر المومنین نغمہ کی ایسی دلکش و پرسوز آوازیں آ رہی ہیں کہ بیقرار ہوا جاتا ہوں۔ فرمایا کوئی اور نہیں ہے تمہاری پھوپی جان علیہ تمہارے چچا جان ابراہیم سے ایک دُھن میں مقابلہ

کر رہی ہیں۔

بنو عباس کے آخری عہد تک علیہ کے نغمے شاہانِ طرب میں برابر گائے جاتے تھے اور تمام ما بعد کے مغنی علیہ کے کمالاتِ فن کے معترف تھے۔ معتصم باللہ اور منتصر باللہ کے دربار میں برابر علیہ کے اشعار اور علیہ کے نغمے سرور و رنگ پیدا کرتے رہے۔ مشہور مغنیہ عریب علیہ ہی کے نغمے گایا کرتی تھی۔ علیہ اور اس کا حقیقی بھائی ابراہیم دونوں فن موسیقی میں مجتہدانہ کمال رکھتے تھے۔ اگر کسی کو ان کے مقابلہ میں پیش بھی کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف اسحق موصلی ہے۔ مگر وہ خود علیہ کو خود سے بڑھ کر سمجھتا تھا۔ مشہور ہو گیا تھا کہ اس عہد میں نہ کوئی مرد ابراہیم کا ہمرتبہ تھا اور نہ کوئی عورت علیہ کے ہمرتبہ تھی۔ بڑے بڑے اساتذہ فن نے علیہ کو ابراہیم اور اسحق موصلی دونوں پر فوقیت دی ہے۔ وہ زبردست شاعرہ اور نادرہ روزگار شاعرہ و مغنیہ گذری ہے۔

دینداری و اتقا

علیہ کی شادی اپنے خاندان ہی کے ایک شاہزادے موسیٰ بن عیسیٰ کے ساتھ ہوئی تھی۔ زندگی بھر دونوں میاں بیوی میں قلبی محبت رہی۔ شوہر بیوی کا عاشق تھا اور بیوی شوہر پر فریفتہ تھی۔ دونوں قصر شاہی ہی میں رہتے تھے۔ شعر و موسیقی کے اس کمال اور تبحر و بذلہ سنجی و شوخ مزاجی کے باوجود وہ مذہب کی بڑی پابند خدا ترس اور نہایت متقی و نیک طینت خاتون تھی۔ زندگی بھر نہ کوئی نماز ترک ہوئی اور نہ روزہ قضا ہوا۔ وہ زیادہ تر ان ایام میں نغمہ و سرود کا شغل اختیار کرتی جن میں عورتیں معذور ہوتی ہیں۔ اس کے بعد وہ شعر گوئی اور کتب بینی میں اپنا وقت صرف کرتی۔ تلاوت قرآن اس کا روزانہ معمول تھا۔ اس کے پابندی عہد کا یہ عالم تھا کہ جب ہارون الرشید کے انتقال پر اس نے طل کا نام زبان پر نہ لانے کا اقرار کیا ہے تو ہارون رشید برابر تو وہ

میں لگا رہا اور اکثر کان لگا کے سنتا رہا کہ کیا کر رہی ہے کیا شعر کہہ رہی ہے۔ ایک مرتبہ علیہ نہایت خوش گلوئی کے ساتھ قرآن پڑھ رہی تھی۔ ہارون دیر تک دیوار کے سہارے کھڑا سنتا رہا جب وہ اس آیت پر پہنچی "فان لم یصبہا وابل فطل" تو اس نے لفظ "طل" کے بجائے "فالذی منعنا منہ امیر المومنین" پڑھا یعنی وہی جس کے زبان پر لانے سے امیر المومنین نے منع کیا۔ ہارون رشید بہن کی یہ احتیاط اور پابندی عہد دیکھکر بیقرار ہو گیا اور بہن کو گلے لگایا۔

علیہ کا انتقال پر ملال

ایک روز علیہ نے مامون کے اصرار پر کچھ اس دلکشی و ازخود رفتگی کے ساتھ گایا کہ وہ بے اختیار ہو گیا اور بیخودی کے عالم میں اس نے علیہ کو آغوش میں لیکر پیار کیا۔ چونکہ اس پیار میں ایک مستانہ شان تھی۔ اس لئے علیہ کو ماموں کی اس بیخودانہ حرکت پر انتہائی شرم آئی پسینہ سے پانی پانی ہو گئی اور اتنا شدید صدمہ پہنچا کہ اسی وقت بخار آ گیا اور ایسی بستر پر پڑی کہ چند روز ہی کے اندر اندر راہی ملک بقا ہو گئی جس سے اس کی اسلامی غیرت اور پاکدامنی کا کتنا شاندار ثبوت ملتا ہے اس کا انتقال سنہ ہجری میں بعمر پچاس سال ہوا۔

علیہ کی پوری زندگی عیش و سرور اور راحت و آرام میں گذری۔ شوہر اسکا عاشق تھا اور باپ بھائی اور اعزا و اقارب اس سے بیحد محبت کرتے تھے۔ علم و فضل شعر و ادب اور غنا و موسیقی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی حسن و جمال میں بے ہمتا تھی۔ دانائی و عقل اور فرزانگی و حیا دین داری و اتقا عصمت و عفت اور جود و سخا میں مشہور تھی فن موسیقی کی تعلیم اس نے اپنی ماہر فن ماں سے پائی تھی جو اس زمانہ میں ہرگز معیوب نہ تھی جبکہ روز سے اس فن لطیف کو عصمت فروش عورتوں نے اپنا

بنایا اور اس کے ذریعہ انہوں نے اپنے حسن کو چمکانے اور فروخت کرنے کی سعی کی اسی روز سے شرفا اس سے گونہ اجتناب کرنے لگے اور زنا و غنا مل کر اخلاق و دولت کی تباہی عام کا باعث بن گئے۔

بنو عباس کی ناموَر ملکہ

خاندانی عظمت و جلال یہ خوش نصیب و بے مثال ملکہ ایک شہرۂ آفاق خاتون ہو گذری ہے

۱۴۵ھ میں بمقام موصل پیدا ہوئی جہاں اسکا معزز باپ جعفر اسکے دادا خلیفہ منصور کی طرف سے منصب ولایت پر مامور تھا۔ چار سال بعد ہی ۱۵۰ھ میں جعفر کا انتقال ہو گیا اور ہوش سنبھالنے سے پہلے بچی یتیم ہو گئی۔ منصور کو اپنے لائق بیٹے کی جوانمرگی کا بیحد صدمہ ہوا وہ اس بچی کو موصل سے قصرِ خلافت میں لے آیا اور نہایت محبت اور پیار سے بچی کو پرورش کرنا شروع کیا۔ گو منصور ایک صاحب سطوت فرمانروا تھا مگر پوتی اس کی محبت و رأفت کی مرکز تھی۔ وہ دیر تک اسے گود میں لیکر پیار کرتا اور کھلاتا رہتا تھا اور دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اور ہلا ہلا کر کہتا کہ "زبیدہ" ہے "زبیدہ" عربی میں زبیدہ رنی کو کہتے ہیں جس سے مکھن نکالا جاتا ہے۔ چونکہ بچی بہت گوری اور خوبصورت تھی اس لئے وہ لاڈ پیار میں اسے اس نام سے منسوب کرتا رہتا تھا۔ جو ایسا زبانوں پر چڑھا کہ اس نے اس کے اصلی نام امۃ العزیز کو بھی مٹا کر رکھ دیا۔ منصور کے بعد زبیدہ کے چچا مہدی نے بھی سریر آرائے حکومت ہو کر بھتیجی سے انتہائی شفقت روا رکھی اور یہ اسی شفقت کا اثر تھا کہ ۱۶۵ھ میں جب کہ زبیدہ کی عمر ہنوز چودہ سال کی تھی اپنے شہرۂ آفاق بیٹے ہارون رشید کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے اس کی شادی کر دی۔

دانائی ولیاقت

ہارون رشید کے خلیفہ ہوتے ہی زبیدہ کے عزواقتدار کا آفتاب خط استوا پر تھا۔ چونکہ حسن و جمال اور نازنینی و نازآفرینی میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ اور شائستگی و دانائی، خلق و مروت اور عادت و مزاج میں اپنا جواب آپ تھی اس لئے ہارون رشید کے دل کو اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کچھ اس آن و ادا کے ساتھ زندگی بسر کی کہ شوہر کی نظر میں سب سے محبوب و عزیز تر رہی تھی۔ رشید سے زبیدہ کی والہانہ محبت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ حرم شاہی میں آئے دن نئی نئی دلربا اور ماہ پیکر کنیزیں داخل ہوتی رہتی تھیں مگر اس کی جبین پر کبھی بل نہ آتا تھا۔ اور وہ اس کے کسی کام اور کسی اقدام پر حرف گیری نہ کرتی تھی۔ حالانکہ رشک رقابت عورت کی فطرت میں داخل ہے اور تمام شاہی خاندانوں میں اسکا اثر نمایاں رہا ہے۔ مگر زبیدہ کو شوہر کی خوشنودی کے لئے سب کچھ گوارا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ زبیدہ کو جیسا پر عیش شباب میسر ہوا ایسا دنیا میں کسی کو کم نصیب ہوتا ہے۔ حرم شاہی میں ہمیشہ اسے ممتاز درجہ حاصل رہا اور محلسرا میں اسی کا حکم آخر وقت تک چلا گیا۔

یہی نہیں زبیدہ نے اپنی دانائی و تدبیر سے ہارون رشید کی اصلاح ہر امر میں کی۔ قابلیت کا یہ کتنا شاندار نمونہ تھا کہ "دنیا والے تو خیال کرتے تھے کہ رشید پر زبیدہ حکومت کر رہی ہے اور واقعی حالت بھی یہی تھی اور رشید سمجھتا تھا کہ ملکہ میری مطیع ہے۔ رشید اس کی عزت بھی انتہا سے زیادہ کرتا تھا اور جس وقت جتنی دولت طلب کرتی تھی بے تکلف بھیج دیتا۔ اس عہد کے ایک بزرگ کا قول تھا کہ اگر زبیدہ اپنی کاکلیں پھیلائے تو اس کی ہر لٹ کسی نہ کسی خلیفہ و فرمانروا ہی پر جا کر پڑے گی۔ اول خلیفہ عباس سفاح اس کے دادا کا بھائی تھا

دویم خلیفہ منصور اسکا حقیقی دادا تھا۔ تیسرا خلیفہ مہدی اسکا چچا اور خسر تھا۔ چوتھا خلیفہ ہادی اس کا دیور تھا۔ پانچواں خلیفہ ہارون رشید تو اسکا سرتاج ہی تھا۔ چھٹا خلیفہ امین اُسکا فرزند تھا اور ساتویں اور آٹھویں خلیفہ مامون اور معتصم اس کے سوتیلے بیٹے تھے۔ دنیا کی کوئی ملکہ اتنے باجبروت فرمانرواؤں کی قرابت کا دعوے کر سکتی ہے نہیں اور ہرگز نہیں۔

حوادث و صدمات ابھی اس کی شادی کو چار ہی سال گذرے تھے کہ اسکا دیور ہادی خلیفہ ہو گیا۔ جو ہارون رشید سے سخت بغض رکھتا تھا لیکن اُسکا سانحۂ حیات ڈیڑھ سال ہی کے اندر لبریز ہو گیا۔ اب ہارون رشید پوری دنیائے اسلام کا خلیفہ تھا اور زبیدہ دنیا کی سب سے بلند بخت اور خوش نصیب ملکہ۔ اس کے بعد پورے (۲۳) برس اس کے انتہائی عیش و سرور کے سال تھے۔

۱۹۳ھ میں اپنے محبوب فرمانروا شوہر کے مرنے کا صدمہ واقعی اسے بیحد ہوا لیکن پھر بھی اسے کوئی غم ایسا نہ تھا اس لئے کہ اب اسکا بیٹا امین الرشید خلیفہ تھا اور اس کی عزت اور زیادہ ہو گئی تھی۔ پانچ سال بعد ۱۹۸ ہجری میں البتہ اس پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ جب کہ اسکا بیٹا مارا گیا۔ مامون کے سپہ سالار طاہر نے امین الرشید پر حملہ کے سلسلہ میں بغداد کے اندر بڑی تباہی مچائی۔ دیگر محلات کے سلسلہ میں زبیدہ کا محل بھی لوٹ لیا۔ تمام قیصر و ایوان اجاڑ دیئے اور اسے بے پردہ دے نقاب نکالا زبیدہ نے یہ تمام واقعات الیمہ نظم میں لکھ کر مامون کو بھیجے اور آخر میں یہ بھی لکھدیا کہ اگر یہ سب کچھ تمہارے حکم سے ہوا ہے تو میں صبر کرونگی کہ قسمت میں یہی تھا۔ ورنہ مجھ پر جو گذری ہے وہ ہارون کو قبر میں چین کے ساتھ سونے دیگی۔ مامون پر اتنا اثر پڑا کہ اس کے آنسو بے اختیار

نکل آئے اور بولا کہ میں طاہر سے خود اس ظلم اور بھائی کے خون کا انتقام لونگا چنانچہ اس کے خراسان سے بغداد آتے ہی زبیدہ کی پھر وہی شان تھی اور وہی عزت۔ مامون نے ایک لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ کر دیا اور اُسے قصرِ خلافت ہی میں لاکر عزت کے ساتھ رکھا۔ مامون زندگی بھر اس کا ادب کرتا رہا۔

عدیم المثال فیاضیاں زبیدہ نہایت بیدار اور متقی ملکہ تھی اس کے محل میں سو حافظ قرآن لڑکیاں اس خدمت پر مامور تھیں اور وہ روزانہ دس دس پارے پڑھ کر تین روز کے اندر سو قرآن ختم کر دیا کریں۔ ہر وقت محل کے مختلف گوشوں سے تلاوت قرآن کی صدائیں بلند ہوتی رہتی تھیں۔ صوم و صلوٰۃ کی سختی پابند تھی۔ انتہائی فیاض تھی جب وہ بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حج کو نکلی ہے تو قدم قدم پر فیاضیاں کرتی ہوئی گئی۔ جی کھولکر روپیہ صرف کیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس سفر میں اس نے سترہ لاکھ دینار خیراتی امور میں صرف کئے۔ اس نے حجاج کی نفع رسانی کے لئے متعدد تالاب، مکانات اور سرائیں بنوائیں اس کا سب سے بڑا کارنامہ "نہرِ زبیدہ" ہے جسے اس نے عظیم مصارف سے بڑے بڑے پہاڑ کاٹ کر نکالا اور اندر اور اوپر سے بالکل پختہ کر دیا تاکہ ریت اس پانی کو نہ پی سکے اس وقت مکہ معظمہ میں پانی کی بڑی قلت تھی۔ اور یہ حالت تھی کہ چند گز بھی اس ریگزار میں پانی لایا جانا غیر ممکن نظر آتا تھا۔ انجنیروں نے جب مشکلات اور گراں مصارف کا اندیشہ ظاہر کیا ہے تو اس نے علانیہ کہدیا تھا کوئی پرواہ نہ کرو۔ ہر پھاوڑا چلانے کی اجرت ایک اشرفی بھی دینی پڑے گی تو دونگی۔ اس حج سے واپس جاکر وہ سکون کے ساتھ عبادت و یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئی۔ ہارون اور مامون نے اسے عرب کی سب سے بڑی دولت مند ملکہ بنا دیا تھا۔ اور وہ اس دولت کو نہایت فیاضی و سیرچشمی کے ساتھ

برابر راہِ خدا میں صرف کرتی رہتی تھی۔ لہٰذا اور حرمین شریفین میں آج تک اس کی زندہ یادگاریں موجود ہیں۔

آج ہمارے غربا بھی عبادت سے بے نیاز ہیں اور اس زمانہ میں ہمارے فرمانروا تک اُسے ہر چیز سے مقدم سمجھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ زبیدہ خاتون رحم و مروت نفع رسانی خلائق و ہمدردی ملت رحم و کرم اور حسن و جمال میں یگانہ روزگار گذری ہے اور تاریخ اسلام میں جتنی شہرت اس نے حاصل کی اور جو نام اس نے پایا وہ کسی اور ملکہ کو نصیب نہ ہوا اور جیسی شاندار اور پرعیش اور دیندارانہ زندگی وہ گذار گئی بہت کم کسی نے گذاری ہوگی۔

خلیفہ المتوکل علی اللہ کی محبوبہ

راہبانہ حسن کی درخشانیاں

یہ خاتون ایک اسقف شام کی بیٹی تھی۔ مذہب عیسائی تھا بنو عباس کے دسویں خلیفہ المتوکل علی اللہ کی محبوب بیوی تھی۔ شعائین نام تھا اور حسن و رعنائی اور ادا و نازنینی میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی اس کا حسن و شباب زمانہ کے لئے ایک فتنۂ بیدار تھا اور یہ اس بلا کی ماہ پیکر حسین اور نازک اندام تھی کہ خود فرمانروائے وقت پہلی جھلک میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ ایک مرتبہ حوالی دمشق میں مقیم تھا وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کچھ آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے صبح کے سہانے وقت میں ایک طرف سیر کے لئے نکلا۔ وہ برابر چمنوں باغوں اور گلزاروں کی تنہائی کی سیر کرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ کہ ایک سمت ایک عظیم الشان گرجا نظر آیا۔ جہاں بکثرت راہب اور دوشیزہ لڑکیاں فروکش تھیں۔ گرجے والے یہ دیکھتے ہی کہ دنیائے اسلام کا باجبروت فرمانروا ادھر سے گذر رہا ہے آداب بجا لانے کے لئے دوڑے۔ اور

اسقف تمام راہب اور تمام لڑکے اور لڑکیاں والہانہ باہر نکل آئیں اور سب نے مؤدب ہوکر سلام عرض کیا۔ متوکل علی اللہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ سب سے محبت کے ساتھ ملا۔ ان کے خلوص و وفاداری کی تعریف کی۔ وہ سلام لیتا ہوا خراماں خراماں بڑھا چلا جا رہا تھا کہ اسی مجمع میں سے ایک مہ پارہ نظر آئی ——— یہ نازنین برس پندرہ کہ سولہ کا سن۔ شباب ہے جوبن اور ادا کی پیکر حسن و جمال کی ایک زندہ تصویر۔ نیچی نگاہیں کئے اور اپنے دست سیمیں میں ایک طلائی عود دان لئے کھڑی تھی۔ نظر پڑتے ہی ایک تیر تھا جو متوکل علی اللہ کے دل میں پڑا اور ایک سرشاری طاری ہوگئی —

منظر حسن و عشق

متوکل کا دل قابو میں نہ تھا اس کے حواس منتشر ہوئے جاتے تھے۔ اس نے خود کو بہت سنبھالا اور اسقف سے پوچھا کہ آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ نازنین کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ اسقف نے جواب دیا جہاں پناہ یہ میری بیٹی ہے اور اسکا نام شعانین ہے۔ اسقف خلیفہ کے تیور دیکھکر اس کے دل کی حالت کا اندازہ لگا چکا تھا مگر مجال دم زدنی نہ تھی۔ آخر متوکل نے فرط عشق میں آگے بڑھ کر کہا شعانین! میرا گلا خشک ہو رہا ہے۔ مجھے شدت کی پیاس لگی ہوئی ہے مجھے تھوڑا سا پانی پلا دیجئے۔ شعانین نے ایک برق پاش ادا تبسم کے ساتھ کہا اگر جہاں پناہ کی تشنگی میری جان شیریں سے بھی فرو ہو سکے تو مجھے جان دینے میں تامل نہ ہوتا مگر کیا کروں گرجا کا پانی آپ کے لائق نہیں ہے۔ یہ کہا اور جھپٹ کر خانقاہ میں پہنچی اور عجلت کے ساتھ ایک نقرئی گلاس گرجا سے اٹھا لائی اور بڑھ کر خلیفہ کے ایک سردار سے عرض کیا کہ امیر المؤمنین کے لئے جو پانی آپ کے ساتھ ہو وہ اس کٹورے میں بھر کر انہیں دیجئے۔ شعانین کی اس تڑپ اس لگاوٹ عجلت اور اس درجہ پر ادا کو دیکھ کر وہ مدہوش ہو گیا۔

پانی تو جوں توں کر کے پی لیا پھر بولا نازنین! کیا آپ یہ پسند کریں گی کہیں آپ سے محبت کروں۔ یہ سنتے ہی شعانین مسکرائی اور ایک متانہ انداز سے جواب دیا۔ امیر المومنین اس وقت تو میری حیثیت ایک کنیز کی ہے لیکن اگر کہیں قسمت نے مجھے آپ کی محبوبہ بنا دیا تو میرے لئے کتنی مشکلات پیدا ہو جائیں گی کہ پھر آپ کی معمولی خفگی بھی میری پوری زندگی کو متاثر کر کے رکھ دے گی۔

اب متوکل اسد رجا از خود رفتہ ہو چکا تھا

اظہار محبت کا نادر طریقہ

کہ اس پر گونہ دیوانگی طاری ہوتی چلی جا رہی تھی اور وہ بھول چکا تھا کہ اس کا رتبہ کیا ہے اور وہ کیا باتیں کر رہا ہے اس نے اسی وقت کہا کہ میرا ارادہ آج تمہارے گرجے میں قیام کا ہے اسقف و راہبوں کے لئے اس سے بڑا شرف کیا ہو سکتا تھا۔ انہوں نے فوراً گرجے کی ملحقہ شاندار عمارتوں کی ایک بالائی منزل پر خلیفہ کے قیام کا بندوبست کر دیا۔ وہیں اس کا کھانا آگیا۔ اور وہیں خاصہ چن دیا گیا۔

فراغت طعام کے بعد شعانین سرود اٹھا لائی اور اس نے نہایت دلفریب و دلبرانہ انداز میں تانیں اڑانی شروع کر دیں۔ شعانین جس طرح حسن و جمال اور نازنینی و ناز آفرینی میں عدیم المثال تھی اسی طرح غنا و موسیقی میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس نے چند اشعار نہایت موثر انداز میں گائے اور کچھ اس ادا و انداز میں گائے کہ ایک سماں قائم ہو گیا۔ ان اشعار کا مفہوم یہ تھا کہ:—

اے شخص جو مجھ سے محبت و معاشقہ کا دعوی کرتا ہے مرحبا! میرے جان و دل تجھ پر قربان! مبادا میں اپنی محبت سے محروم و مایوس رہوں میں تو تیری معاشقہ و محبت کی

کنیز ہوں۔ اس لئے پی اور پلا اور پیرے جو ہم صحبت پینے
سے احتراز کریں اُن کے سامنے جام و ساغر اٹھالے جس
خدا نے آسمان کو قائم کیا ہے۔ میں اسی کی قسم کھا کر کہتی
ہوں تو میری جان کا مالک ہو گیا ہے۔ میرے دل کو اپنے عشق
میں مبتلا کر کے ایک عذاب الیم میں گرفتار کر دیا ہے۔

اشعار سنتے ہی متوکل کا دل ہاتھ سے نکل

شعانین کا اسلام

گیا اور بولا شعانین! اگر تمہارے ان اشعار
کا وہی مطلب ہے جو میں سمجھا ہوں اور واقعی تمہیں مجھ سے دعوی محبت ہے
تو میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔

حضرت عشق کی کارفرمائی ملاحظہ فرمائیے کہ شعانین اسی صحبت میں
مسلمان ہوئی اور اسی گھڑی میں نکاح ہو گیا۔ اب شعانین حوالی دمشق کی
ایک خانقاہ کی ریاضت کش اور مرتاض راہبہ نہ تھی بلکہ ملکہ عالم تھی
اور اس کا سکہ تمام دنیائے اسلام پر قائم تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شعانین
حسن و جمال ناز و ادا اور نازنینی و ناز آفرینی میں بے مثل تھی۔ موسیقی میں
بھی اسے کمال حاصل تھا اور علم و فضل میں ممتاز تھی سب سے بڑی بات
یہ کہ وہ مسلمان ہو کر نہایت دیندار اور متقی مسلمہ ثابت ہوئی۔ زندگی
بھر صوم و صلوٰۃ کی پابند رہی اور اس نے اس شان کی اسلامی زندگی
بسر کی کہ ہر طرف دھوم مچ گئی۔ یہ محسوس ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ نو مسلمہ ہے
علاوہ ازیں اس نے غربا پروری اور فیاضی اپنا شعار رکھا اور لاکھوں
روپیہ خیرات کرتی رہی۔ متوکل جب تک جیا اسی کا دم بھرتا رہا
اور اس نے بھی اپنی لیاقت سے کبھی اس کی محبت کو کم
نہ ہونے دیا۔

وفا و عشق کی ایک لاثانی تصویر

پیدائش اور علم و فضل یہ مہ پارہ حور و تمثال خاتون ارض بغداد میں بہ عہد ہارون رشید پیدا ہوئی ماں باپ کی اکلوتی بچی تھی اس لئے بڑے ناز و نعم اور لاڈ پیار سے پلی بڑھی بغداد اس زمانہ میں علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا ممکن نہ تھا کہ یہ اس چشمے سے سیراب نہ ہوتی۔ بہت جلد تمام علوم متداولہ میں کمال حاصل کر لیا غضب کا حافظہ تھا، چھ ماہ بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ قرآن حفظ کر لیا اس قدر خوش گلو تھی کہ جب قرآن پڑھتی تو ایک سماں بندھ جاتا اور لوگوں پر ایک از خود رفتگی کا عالم طاری ہو جاتا۔ دس برس کی عمر تھی یہ زمانہ ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی نشیب و فراز دنیوی کا خیال کرے اپنے مکان کی بالائی منزل پر بیٹھی تلاوت کر رہی تھی آواز بلند ہو گئی اتنی بلند کہ باہر سے صاف سنی جاتی تھی۔ ابھی چند ہی لمحے گذرے تھے کہ لب سڑک لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے جو ادھر سے گذرتا قدم آگے نہ بڑھاتا۔

سرود و نغمہ میں بھی وہ سحر نہیں ہوتا جو اس کی تلاوت میں تھا۔ ادب انشا میں بھی کمال حاصل تھا اور بچپن ہی میں ایسے شعر کہنے لگی تھی کہ بڑے بڑے شعرا تعجب و حیرت کی نظر سے دیکھتے تھے اس کے اشعار میں جذبات کا وہ طوفان ہوتا تھا کہ جو پڑھتا اور مدہوش ہو کر رہ جاتا۔ اسے شعرا کے دیوان از بر تھے اور بڑے بڑے طویل قصاید نوک زبان رہتے تھے۔

حسن و عشق کا معرکہ ابھی دائرہ شباب میں قدم بھی نہ رکھنے پائی تھی کہ باپ کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد

یہ اطہر اور پرورش لڑکی اپنے چچا کے گھر میں پرورش پانے لگی جو اس کے ساتھ پدرانہ سلوک روا رکھتا۔ کچھ روز بعد ماں کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب اس کی چچی ہی اس کی ماں تھی۔ اور یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ وہ اس کے ساتھ حقیقی ماؤں جیسا برتاؤ کرتی تھی۔

ممکن نہ تھا کہ اتنی حساس اور ایسی طوفانی جوش والی لڑکی اور اتنی زبردست اور فطری شاعرہ واردات معاشقہ سے تہی دامن رہتی اسکے ساتھ اس کا ایک ورہم عمر لڑکا مدرسہ میں پڑھا کرتا تھا۔ یہ کوئی غیر نہ تھا۔ اس کے چچا ہی کا بیٹا تھا اور یہ بھی نہایت ذہین اور خوبصورت تھا۔ بچپن کے ایام تو کھیل کود اور بےخبری میں گذر گئے لیکن زندگی کے موسم بہار میں جب شباب کے پھول کھلے اور اس کے اندر بلوغ کا ایک لطیف انقلاب ہوا تو ایک روز یہ مہ پارہ گھر میں کشیدہ کاڑھ رہی تھی۔ تنہا بیٹھی ہوئی تھی کہ اسکا چچازاد بھائی باہر سے آیا اور آتے ہی چپکے سے پیچھے جا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ اس نے جو کچھ محسوس کر کے نگاہ پھیری تو اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا معمولی بات تھی مگر آن کی آن میں رائی کا پہاڑ

عشق کا کاری وار

بن گیا اور اس قہقہہ نے ایک خوفناک صورت اختیار کر لی۔ بات آئی گئی ہوئی مگر اس روز سے لطیفہ (اس لڑکی کا نام) بری طرح افسردہ ہو کر رہ گئی۔ اس کی چہلیں جاتی رہیں اس کی ندلیسمیاں خاموش ہو گئیں۔ اس کے پھول سے رخسارے کملا گئے۔ اس کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے۔ اس کا چہرہ اداس ہو گیا اور وہ ایک پژمردہ زندگی بسر کرنے لگی۔ لطیفہ کی چچی اور چچا حیران تھے اُن کا تردد روز بروز بڑھتا چلا ... جا رہا تھا۔ انہوں نے حقیقت حال کی تہ کو پہنچنے کی انتہائی سعی کی۔ حکیموں کو دکھایا۔ فالیں کھلوائیں مرض کی تشخیص کرائی۔ مگر کوئی پتہ نہ چلا۔ کوئی راز نہ کھلا کسی علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ لطیفہ کی طبیعت

روز بروز نڈھال ہوتی چلی جا رہی تھی۔ اس لئے شفیق چچا کی افکار بھی روز افزوں تھی۔

لطیفہ کی چچی نہایت ہوشمند اور دانا عورت تھی اس کی نظر لطیفہ کی حرکات و سکنات پر لگی ہوئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ جب اسکا فرزند واصف لطیفہ کے سامنے سے گذرتا ہے تو اس کے چہرے پر حسرت برسنے لگتی ہے۔ اور وہ ایک آہ سرد بھر کر رہ جاتی ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ اکثر اوقات لطیفہ کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جب واصف گھر سے باہر گیا ہے وہ بیہوش ہو گئی ہے۔ آخر اسے یقین ہو گیا کہ یہ مرض مرض عشق ہے جسکا اظہار وہ اپنی فطری شرافت و پاکدامنی کی وجہ سے کسی کے سامنے نہیں کرتی۔

وفا و حسن کا زندہ پیکر

چچی نے اپنے شوہر سے کہا اللہ کا شکر ہے کہ برادری میں کسی کو اس عشق کا علم نہیں ہوا۔ جوڑ نہایت موزوں ہے۔ فوراً شادی کر دینی چاہیئے۔ شادی ہوئی اور واصف کی ماں کے خیال کے مطابق لطیفہ کی حالت میں فوری انقلاب واقع ہو گیا ممکن نہ تھا کہ لطیفہ کے اس جنون عشق کا اثر واصف پر نہ ہوتا۔ شادی ہوتے ہی اس نے اپنی عاشق زار اور محبوب بیوی سے کہدیا کہ ہر وقت بنی سنوری رہا کرو جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ لطیفہ ہر وقت ایک ارضی حور نظر آنے لگی۔ زندگی نہایت عیش و کامرانی سے گذر رہی تھی کہ چند سال کے بعد ہی واصف کا انتقال ہو گیا۔ لطیفہ کی جو حالت ہوئی اسکا نقشہ الفاظ میں کھینچنا غیر ممکن ہے۔ اسکا یہ معمول ہو گیا کہ وہ روزانہ خوب بن سنور کے واصف کی قبر پر جاتی اور بیٹھتی اور رات گئے چلی آتی۔ اکثر وہ اس مضمون کے اشعار پڑھتی کہ اے میرے مرنے والے محبوب میں زیورات اور گرانبہا ملبوسات سے مزین ہو کر تیری قبر پر آئی ہوں اور جس کی آتشی

کے عالم میں تو مجھے دیکھکر خوش ہوتا تھا وہی آراستگی میں نے اختیار کر رکھی ہے اور تیرے سامنے بن سنور کر آتی ہوں۔

شدہ شدہ ہارون رشید کو یہ خبر پہنچ گئی کہ ایک مہ پارہ صد ہزار بناؤ کے ساتھ روزانہ قبرستان میں اپنے شوہر کی قبر پر پہنچتی ہے اور حسن و جمال میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس نے کہا ایسی وفا کیش اور مہ جمال خاتون ضرور اس قابل ہے کہ میرے کاشانہ عیش کی شمع بنے۔ اسی وقت عامل کے نام فرمان جاری ہوا کہ اس حور وش بیوہ کے سرپرستوں کو دس ہزار درہم دے کر بہ اہتمام خاص قصر خلافت کو روانہ کر دو۔ ہارون رشید کو کیا علم تھا کہ عشق نے لطیفہ کو کچھ سے کچھ بنا دیا ہے اور وہ اب اگر زندہ ہے تو محض اپنے محبوب شوہر کے ماتم کے لئے اور وہ اب کسی دوسرے کی ہو کر نہیں رہ سکتی وہ بڑے کر و فر کے ساتھ قصر خلافت کی ۔۔۔۔ کی طرف روانہ ہوئی۔ مگر قبر محبوب کی مفارقت کے صدمے سے راستے ہی میں دم توڑ دیا۔ ہارون رشید کو اس پیکر وفا و جمال کے مرنے کا اتنا صدمہ ہوا کہ جب بھی اسے اس کی موت کا خیال آ جاتا تھا آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ اسکا عشق سچا عشق تھا وہ عشق جو محبوب کے سوا سب کو دنیا و مافیہا دونوں سے غافل کر دیتا ہے۔

وفا و محبت کی حساس مورت

ابتدائی حالات واثق باللہ واقعی امیر المومنین تھا، خاندان عباسیہ کا چشم و چراغ تھا مسلمان تھا، مگر نہایت عیاش اور میخوار تھا۔ اسی کے عہد میں ایک شریف خاندان عربی کنیز فریدہ مشہور اور باکمال مطرب عمرو بن بانہ کے ہاتھ لگی۔ چونکہ وہ حسن و ناز آفرینی اور رعنائی جمال میں یگانہ روزگار تھی۔ نگاہ میں وہ جادو تھا کہ جسپر پڑ گئی بسمل ہو گیا ساتھ ہی نہایت بذلہ سنج

لطیفہ گو اور شوخ مزاج واقع ہوئی تھی اس لئے اُسے اس نے خاص توجہ کے ساتھ پرورش کیا اور اس امید پر موسیقی میں اُسے ماہر بنایا کہ اسے خلیفہ وقت کو وہ نگا اور منہ مانگا انعام پائے گا۔ تھی فطری طور پر بہت ذہین۔ اس لئے وہ بہت جلد اس فن میں کامل ہو گئی جس کے بعد اُس نے اسے واثق باللہ کے نذر کر دیا۔ لطف یہ ہے کہ واثق باللہ جس قدر عیاش اور بے پروا فرمانروا تھا فریدہ اُتنی نیک اطوار اور وفا شعار تھی۔

جس روز سے وہ واثق کے محل میں پہنچی اس روز سے اس کی زندگی میں ایک انقلاب عظیم رونما ہو گیا۔ وہ وفا و عشق کی پیکر بن گئی۔ خلیفہ کا عشق کتنا ہی بے اساس کہہ لیا جائے مگر اسکا عشق سچا عشق تھا اور وہ محل میں نہایت شریفانہ اور خوددارانہ زندگی بسر کر رہی تھی۔ خلیفہ نے بھی اس کے وفا کیشانہ عشق و محبت حسن و جمال اور عقل و دانائی سے مسحور ہو کر اسے اپنی محبوبۂ خاص کا رتبہ عطا کر دیا۔

فریدہ عروسی لباس میں

اسی خلیفہ کا ایک ندیم و مصاحب تھا محمد بن حارث جو اس کی صحبت طرب میں اکثر شریک ہوا کرتا تھا اور ہفتہ میں جو دو روز اس کے لئے مقرر تھے اُن پر وہ مدعو کر لیا جاتا تھا۔ ایک روز چوبدار غیر معینہ وقت پر اس کے لینے کے لئے آ گئے وہ سہم گیا کہ خدا جانے کیا معاملہ ہے اور کیا اُفتاد پڑنے والی ہے جو خلاف معمول اور غیر متوقع طور پر مجھے طلب کیا گیا ہے بہرکیف حکم حاکم مرگ مفاجات وہ ساتھ ہو لیا۔ لرزہ براندام تھا اور محل پر محل اور کمروں پر کمرے طے کرتا ہوا چوبداروں کے ساتھ بڑھا چلا جا رہا تھا۔ منزل بہ منزل چوبدار بدل جاتے تھے آخر وہ ایک نہایت شاندار کمرے میں پہنچا جس کی تزئین و آرائش آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھی۔ در و دیوار پر مطلا منقش و نگار تھے کمخواب کا فرش تھا حریر و زربفت کے پردے آویزاں تھے۔ درمیان میں ایک جواہر نگار

تخت پر مرصع تکیہ لگائے اور شاہانہ لباس زیب بر کئے واثق متمکن ہی اور اس کے پہلو میں ایک مغرق اور عروسانہ لباس پہنے ہوئے فریدہ بیٹھی تھی۔

واثق کی عیش پرستی۔ واثق نے صورت دیکھتے ہی کہا ابن حارث خوب آئے۔ یہ صحبت عیش تمہارے بغیر بے لطف و بے کیف تھی سیوقت شراب کا دور شروع ہوا اور ساز چھڑ گیا۔ اس کے بعد فریدہ نے اپنا نغمہ چھیڑا اور مجنون کے اشعار اس درد و سوز کے ساتھ گائے کہ واثق از خود رفتہ ہو گیا اور بیخودانہ انداز میں لے اپنے پہلو میں بھینچنے لگا بار بار اس کے گلے میں باہیں ڈال دیتا۔ نغمہ کیا تھا ایک زندہ جادو تھا فریدہ کی موسیقی نے صحبت کی صحبت کو رنگ دیا اور وہ لطف پیدا کیا کہ ہر طرف سے صدائے آفریں بلند ہونی شروع ہو گئیں عین اسی وقت واثق نے از راہ قدردانی فریدہ کے ایک لات اس زور سے ماری کہ وہ لڑھکتی ہوئی نیچے آرہی اور اس کے جسم نازنین میں متعدد چوٹیں آگئیں۔ سب کے سب حیرت زدہ رہ گئے۔ سناٹے میں آگئے کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ اتنی محبوب ہستی اور اسد رجہ طلعت پر اتنا سخت عتاب۔ ابن حارث کے استفسار پر کیا فرماتے ہیں کہ مجھے یکایک یہ محسوس ہوا کہ میرا بیٹا جعفر اسی تخت پر اسی طرح فریدہ کو اپنے پہلو میں لیے بیٹھا ہے۔ میں اسے گوارا نہ کر سکا اور اسے لات مار کر تخت سے نیچے پھینکدیا۔

فریدہ کا عشق صادق واثق اپنے ولیعہد اور بیٹے جعفر سے خود اتنا بدگمان تھا کہ اس کی جان کا دشمن بن گیا تھا۔ آخر ابن حارث نے کہا کہ امیر المومنین کسی وہم کا شکار نہ ہوں۔ اللہ نے چاہا تو جعفر قتل ہو گا۔ اور آپ ہی اس

تخت پر جلوہ گر رہیں گے۔ پھر اس نے کہا فریدہ ایک عدیم النظیر حسینہ اور آپ کی سچی محبوبہ ہے آپ اس پر کرم فرمائیں۔ رحم کریں اور اسے پھر پہلو میں جگہ دیں۔ اب واثق کے دریائے محبت میں پھر جوش آ گیا تھا۔ کنیزوں کو حکم دیا کہ فریدہ کو فوراً دوسرا زرنگار جوڑا پہنا کر میرے پاس تخت پر بٹھا دیا جائے۔ چونکہ فریدہ محبوبۂ خاص تھی اور واثق کی سچی عاشق اس لئے اسے فوراً اپنے ساتھ حسن سلوکی کا تخت نکال تھا اور اب تک اس کی آنکھ کا آنسو نہ رکا تھا۔ واثق کو بھی یارائے ضبط نہ رہا اور وہ بھی زار زار رونے لگا۔ فریدہ نے کہا امیر المومنین اگر آپ کو میرے متعلق کوئی اندیشہ ہے تو آپ مجھے اسی وقت قتل کر دیں۔ واثق پھر رونے لگا اور سب محفل رونے لگی۔ واثق نے اسی وقت خلعت خاص عطا کیا اور ایک گرانبہا ہار نکال کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔

عبرت عالم کا دلدوز منظر

زمانے نے اپنا ورق الٹا اور جعفر متوکل علی اللہ کا لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا ایک دن متوکل نے ابن حارث سے کہا کہ تم میرے باپ کے بھی ندیم تھے اور میرے بھی دیکھو یہ فریدہ میری برابر تخت پر بیٹھی ہوئی ہے میں کئی روز سے اصرار کر رہا ہوں کہ کچھ گائے۔ مگر یہ نہیں مانتی۔ ابن حارث کے سمجھانے سے اس نے جو کچھ گایا وہ بے ثباتی عالم اور عبرتناکی زمانہ کا ایک پر درد سین تھا پھر یکایک جوش میں آ گئی سرود پھینک دیا تڑپ کر تخت سے کود پڑی اور بیقرارانہ زمین میں لوٹتی اور ہائے آقا ہائے آقا کرتی نظر آئی۔ متوکل کو بھی اس سے محبت ہو گئی تھی جب وہ کسی طرح متوکل کے پہلو میں بیٹھ کر گانے پر تیار نہ ہوئی تو متوکل نے حکم دیدیا کہ جب تک اچھی نہ ہو اس کے سر پر برابر تھپڑ پڑتے رہیں لیکن اسکا عشق سچا عشق تھا وہ نہ گائی اور واثق کی مفارقت میں گھٹ گھٹ کر مر گئی۔ وفا و محبت کا یہ کتنا شاندار نظارہ تھا۔

محرومِ وصالِ نازنین

عہد اسلام کی غلامی عہد اسلامی میں تعبید و غلامی کا رواج تو موجود تھا لیکن یہ غلامی مغربی ممالک جیسی وحشیانہ غلامی نہ تھی جس میں ظلم و جور اور بربریت اور قساوت کے سوا کچھ نہ تھا ابتدا الوضرور اچھی نہ ہوتی تھی مگر درمیان و انتہا اکثر حالتوں میں شاندار ہوتی تھی۔ یہ اسلامی گھروں میں آرام و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے اور ترقی کر کے بڑے بڑے مدارج حاصل کر لیتے تھے کمسن کنیزوں اور غلاموں کو تربیت و تعلیم دیکر اس درجہ شائستہ اور مہذب بنا دیا جاتا تھا کہ وہ امرا اور فرمانرواؤں کے کاشانہائے راحت میں پہنچکر عیش کی زندگی بسر کرتے تھے تمام بڑے بڑے شہروں میں غلاموں کی خرید و فروخت کی کوٹھیاں تھیں جنہیں مالکوں کی طرف سے انہیں فن موسیقی اور مختلف علوم کے معلمین مقرر ہوتے تھے جو انہیں ہر قسم کی تعلیم دینے میں مصروف رہتے تھے۔ ان کوٹھیوں میں روزانہ ہزاروں کی نہیں لاکھوں روپیہ کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اسی قسم کی ایک کوٹھی آغاز عہد عباسیہ میں بصرہ کے اندر واقع تھی جسکا مالک عبداللہ بن مالک خزاعی ایک دولتمند بردہ فروش تھا جس کے پاس بیک وقت کئی کئی ہزار کنیز و غلام موجود رہتے تھے اس کے پاس ہر ملک و قوم کی حسین سے حسین اور ماہ پیکر کنیزیں رہتی تھیں جنہیں خریدنے اور دیکھنے کے لئے آرزومند امرا برابر آتے رہتے تھے۔

امیرانہ شانِ حسن ایک روز عبداللہ ان ماہ پیکر کنیزوں کی خرید و پسند میں مصروف تھے کہ اطلاع ہوئی کہ کوئی معزز خاتون بڑے کر و فر کے ساتھ کوٹھی کی طرف چلی آرہی ہے۔ عبداللہ نے باہر نکلکر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نازنین ایرانی سج دھج سے گھوڑے پر سوار

چلی آرہی ہے۔ لباس نہایت زرق برق اور جواہر نگار ہے جو ایک نہایت خوبصورت ریشمیں برقع میں ملفوف ہے اور سو حبشی غلام شاہی چوبداروں جیسی وردیاں پہنے آگے آگے چلے آرہے ہیں۔ عبداللہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور خاموش کھڑا ہوگیا۔

اس نازنین نے کہا کہ میں امیر المومنین ابوالعباس سفاح کی لخت جگر ریطہ کی کنیز عتبہ ہوں اور اس کے حکم سے کچھ ایسے لونڈی غلام خریدنے آئی ہوں جن کی حالت قابل رحم ہو۔ کیونکہ شہزادی صاحبہ انہیں آزاد کریں گی۔

عتبہ ایک آراستہ اور پرتکلف کمرے میں ایک زرتار مسند پر بٹھا دی گئی اور لونڈی غلام اس کے سامنے پیش ہونے شروع ہوئے۔ عتبہ نے دس بارہ ایسے لونڈی غلام انتخاب کر لیے جن کی صورتوں سے ان کی بیکسی ظاہر تھی۔ اور جو بہت پژمردہ اور کمزور معلوم ہوتے تھے۔ انہیں اسی وقت خریدا اور یہ کہکر انہیں آزاد کر دیا کہ تم آزاد ہو۔ شاہزادی صاحبہ کو دعا دیتے ہوئے جہاں چاہو چلے جاؤ۔

عتبہ کے حسن و جمال کی شہرت

عتبہ کے حسن و جمال اور ناز آفرینی گل اندامی کا اس وقت بہت شہرہ تھا۔ مشہور عربی شاعر ابوالعتاہیہ کہیں اس کی جھلک دیکھ کر اس پر ہزار جان سے عاشق ہوگیا تھا مگر مجبور تھا کہ یہ بہت بلند مرتبہ خاتون تھی اسے کہیں معلوم ہوگیا تھا کہ عتبہ عنقریب لونڈی غلام خریدنے کے لئے عبداللہ کی کوٹھی میں آنیوالی ہے۔ وہ اسی وقت عبداللہ کے پاس آکر زر خرید غلاموں میں شامل ہوگیا۔ اس آرزو میں کہ شاید اس طرح اسے اپنی بلند منزلت معشوقہ کے سامنے پیش ہونے کا شرف حاصل ہوجائے۔ چنانچہ اس وقت وہ بڈھوں کا بھیس بدل کر اور بوسیدہ کپڑے پہن کر ایک طرف کھڑا ہو گیا

اور سامنے آکر عاجزانہ استدعا کی کہ بیگم صاحبہ بڈھا ہوں ناتوان اگر مجھے بھی آزاد کرا دیا جائے تو جتنے دن جیوں گا دعائیں دیتا رہونگا عتبہ نے عبداللہ سے کہا کہ یہ غلام صورت سے شریف معلوم ہوتا ہے زبان بھی صاف و فصیح ہے۔ ناتوان ہے اسے بھی آزاد کردو۔ ابوالعتاہیہ کی تکمیل آرزو کا وقت آچکا تھا۔ آزادی کا نام سنتے ہی قدموں پر گرا اور بولا جب تک زندہ ہوں احسان یاد رکھوں گا۔ مجھے دست بوسی کی اجازت دیجئے۔ اسے کیا علم تھا اجازت دیدی۔ اس نے بڑھ کر بڑی گرمجوشی کے ساتھ کئی بار ہاتھ چومے اور چلدیا۔

حسن و عشق کے کھیل

عبداللہ کو بے اختیار ہنسی آگئی اور استفسار پر اس نے ساری داستان سنادی مگر اب کیا ہوتا تھا۔ اس کے بعد شاعر صاحب نے زور شور کے ساتھ قصائد اور غزلیات میں نام لے لے کر اظہار عشق شروع کردیا۔ جب اس کی بیقراری اور اسکا غصہ حد سے فزوں ہو گیا تو خلیفہ مہدی کے عہد میں وہ ملکہ خیزران کے پاس جاکر بہت روئی کہ تمام ملک میں میری رسوائی ہو رہی ہے اس نے مہدی سے شکایت کردی جس نے بجرم تہمت دُرّے لگوائے ابوالعتاہیہ کراہتا ہوا قصر خلافت سے نکل رہا تھا کہ عتبہ پر پھر اس کی نظر پڑی۔ اس نے نہایت دردناک لہجے میں بصورت منظوم کہا کہ آہ! تمہاری اور محض تمہاری وجہ سے خلیفہ نے مجھے ادھیڑ کر رکھدیا۔ عتبہ کا دل بھر آیا اور ملکہ خیزران کے سامنے جاتے ہی بے اختیار رو پڑی مہدی نے پوچھا۔ اب کیوں روتی ہے۔ ملکہ بولی اب اس لئے روتی ہے کہ اس قسمت کے عاشق پر مار پڑی ہے۔ اس پر مہدی کو بھی ہنسی آگئی اور اس نے ابوالعتاہیہ کو پچاس ہزار درہم انعام دئے جو اس نے وہیں کھڑے کھڑے لٹا دیئے۔ مہدی کو بہت غصہ آیا۔ ابوالعتاہیہ نے

کہا، امیر المومنین کیا کروں میں خود عشق پر نثار ہوں میں اسکے حصول کا ذریعہ بنانا گوارا نہیں کرسکتا۔ مہدی نے نہ لٹانے کی تاکید کر کے پچاس ہزار اور انعام دیا۔

کچھ مدت بعد ایک جشن کے موقعہ پر ابوالعتاہیہ نے اس مفہوم کے دو پرسوز شعر پڑھ کر سنائے جنکا مفہوم یہ تھا، "کہ میرے قلب حزیں میں ایک آرزو ہے جسے صرف خدا اور اسکا خلیفہ ہی پوری کرسکتا ہے میں تو اس کی تکمیل سے مایوس ہو چکا ہوں پھر بھی امیر المومنین کی فیاضی دل میں ہوس پیدا کرہی دیتی ہے۔ مہدی اتنا متاثر ہو گیا کہ اس نے اسی وقت اس کی آرزو پوری کردینی چاہی۔ مگر عتبہ بولی کہ امیر المومنین میں آپ کی معزز خدمت چھوڑ کر ایک شاعر کی شریک قسمت نہیں بننا چاہتی۔ اس پر مہدی خاموش ہو گیا۔ عتبہ خود بھی اس کی عاشق تھی۔ کہنے کو تو کہہ گئی مگر بعد کو پچھتائی۔ ابوالعتاہیہ غریب زندگی بھر اس کے عشق میں تڑپتا رہا اور عتبہ نئے نئے طریق پر اس کے ساتھ سلوک ہوتی رہی۔ لذت وصال کبھی نصیب نہ ہوا۔ عتبہ اس عہد میں رعنائی جمال اور زیبائی حسن میں یکتا تھی۔

نازنینانِ بنو اُمیہ

امیر معاویہ کی نازآفریں بیٹی

حسن و جمال اور تعلیم و تربیت

یہ خاتون اپنے عہد کی ایک شہرۂ آفاق نازنین تھی۔ اور حسن و جمال میں ایک شفتہ بہار تھے کسی طرح کم نہ تھی اور ہوئی

چاہیئے تھی۔ اس لئے کہ آخر شہزادی اور قبیلۂ قریش کی چشم و چراغ تھی جس وقت اس کی عمر چار سال کی ہوئی۔ اسی وقت حضرت امیر معاویہ نے اس کی تعلیم و تربیت کے لئے لائق معلم مقرر کر دیئے جنہوں نے شاہانہ انعامات کی توقع میں بہت جلد اسے ادب و انشا شعر و سخن تفسیر و حدیث میں ماہر بنا دیا۔ امیر معاویہ نے ایک روز امتحان جو لیا تو اپنی لاڈلی بیٹی کی خداداد ذہانت اور لیاقت علمی دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ بیٹی خوش گلو بھی ہے اس لئے اس کی تربیت آواز کے لئے اس زمانے کے ایک مشہور اور کہن سال ماہر موسیقی کو مقرر کر دیا۔ ایک وقت وہ نغمہ و ترنم کی تعلیم حاصل کرتی اور دوسرے وقت شعر و سخن کی مشق کیا کرتی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چودہ سال کی عمر میں یہی نہیں کہ اس کا حسن و شباب بہر روش قیامت اور آفت روزگار تھا بلکہ وہ علم و فضل میں بھی یکتائے عصر تھی اور اس زمانہ کی شاید ہی کوئی خاتون ہو گی جو حسن و قابلیت میں اس کے مقابل لائی جا سکے۔

شعر کہتی تو جوش سے بھرے ہوئے نغمہ سرائی کرتی تو جذبات سے لبریز۔ بولتی تو گویا سیلاب امنڈا چلا آ رہا ہے۔ امیر معاویہ کیا عرب کو اس کی ہستی پر فخر تھا۔

شاہد طناز کا جلوس

بہت فیاض اور دیندار تھی۔ مکہ اور مدینہ کی گانیوالیاں اس کی قدردانی کا شہرہ سُن کر ہر سال دمشق پہنچتیں تھیں اور گراں قدر انعامات لے کر واپس آتیں۔ امیر معاویہ کو تو اپنی اس خوبرو زرنگار بیٹی عاتکہ کے ساتھ عاشقانہ محبت تھی ہی۔ یزید پلید بھی بہن سے بہت محبت کرتا تھا عاتکہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ حسن و شباب کا پھول پوری شگفتگی کے ساتھ کھلا ہوا تھا کہ عاتکہ اپنے باپ حضرت معاویہ سے اجازت

لیکر حج کو روانہ ہوئی۔ اس شان کے ساتھ کہ وہ ہوم مچگئی کئی ہزار کنیز و غلام خدام و محافظ ساتھ تھے۔ جو خوبصورت و عبار رفتار سانڈنیوں پر نفیس و خوشنما محمل تھے جن پر زر بفت کے پردے پڑے ہوئے تھے اور منقش کی جھالریں لگی ہوئی تھیں۔ محافظ سوار اعلیٰ درجہ کے عربی گھوڑوں پر سوار تھے۔ یہ جلوس اتنا شاندار تھا کہ گرد و نواح کے قبایل اسے دیکھنے کے لئے اپنے خیموں سے نکل پڑے تھے۔

مکہ معظمہ کے متصل ہی اس جلوس نے قیام کیا۔ تمازت آفتاب نے شدید گرمی پیدا کر دی تھی اور عائکہ کے حکم سے محملوں کے پردے اُٹھا دیئے گئے تھے۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ حسن و شباب کا ایک چمن کھلا ہوا ہے یا فلک عظمت پر بیک وقت صدہا چاند اپنی پوری درخشانیوں کے ساتھ نکل آئے ہیں۔ رستہ عام تھا۔ سر راہ یہ گلشن حسن کی بہار مصروف دلبری تھی کہ عرب کے ایک نہایت معزز و مشہور نوجوان و خوش جمال شاعر کا گذر ادھر سے ہوا۔ اس کی نظر جو عائکہ کے چہرۂ انور پر پڑی بیقرار ہو گیا۔ دل ہاتھ سے جاتا رہا اور جگر میں وہ شعلہ بھڑکا جو بجھائے نہ بجھ سکا اس دلگرفتہ شاعر کا نام تھا وہب جمحی۔ اب بھلا وہب

عشق کا وار

کے قدم کیا اُٹھتے۔ قدم اُٹھاتا تھا مگر نہ اُٹھتے تھے نظر ہٹاتا تھا مگر نہ ہٹتی تھی۔ ہٹتی تھی اور پھر پڑتی تھی۔ عائکہ تاڑ گئی اور ناراض ہو کر پردے چھوڑوا دیئے۔ وہب بھی اس ڈراپ سین کے بعد چلدیا۔ مگر سینے میں ایک آگ لگی ہوئی تھی اس نے گھر پہنچنے سے پیشتر ہی چند پُرسوز اشعار کہے جن میں اس منظر جمال کی تصویر نہایت ثبات دستی کے ساتھ کھینچی گئی تھی اور عربی آئین کے موافق صاف صاف بیان کر دیا تھا کہ وہ کس درجہ بلند مرتبہ اور عالی منزلت محبوبہ ہے۔ جس نے میرے سینے سے جبر میرا دل چھین لیا ہے۔ عرب شاعری کا

وادیٔ ایمن بنا ہوا تھا۔ آن کی آن میں یہ اشعار زبان زد عوام و خواص ہو گئے
اور مطربوں نے انہیں اپنے نغموں میں گانا بھی شروع کر دیا۔ عاتکہ نے بھی سنا اور
نہ صرف یہ کہ اس کو ان پرجوش اور معرکہ آرا اشعار کی داد دی۔ بار بار گوایا بلکہ
بطور اظہار قدردانی اُسے بلا کر انعام و اکرام بھی دیا اور جب تک مکہ میں رہی برابر
تحفے ہدایا بھیجتی رہی۔

عاتکہ کا شدید تاثر

دونوں میں محبت پیدا ہو چکی تھی لیکن عاتکہ دمشق جو پہنچی
تو وہب عقب میں تھا۔ مگر دمشق مکہ نہ تھا یہاں
عاتکہ کے محل کے قریب بھی نہ پھٹک سکا۔ بیقراری عشق میں اس نے شعر کہنے
شروع کر دیئے، چونکہ شاعر تھا مشہور اور اشعار تھے پرجوش۔ جو کچھ زبان سے
نکلا فوراً عوام تک پہنچ گیا۔ شدہ شدہ امیر معاویہؓ کے کانوں میں ان کی گونج
پہنچ گئی۔ جو اس وقت ساری دنیائے اسلام کے واحد خلیفہ تھے اور ضبط و
تحمل کے لئے عرب بھر میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے وہب کو بلا کر کہا
کہ دیکھو مجھے تو اپنی بیٹی کی عفت پر پورا اعتماد ہے اور نوجوان شعراء کے لیے
یہ کوئی معیوب امر بھی نہیں کہ وہ جس پریجمال دوشیزہ کے ساتھ چاہیں تشبیب
کریں لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ عاتکہ کا بھائی یزید سن لیگا تو ہرگز نہ بخشے گا۔
وہب سہم گیا اور بھاگ کر مکہ پہنچ گیا۔ مگر عشق کب چین لینے دیتا ہے۔ چند ہی
روز کے بعد اس نے پرجوش اشعار سے لبریز ایک خط عاتکہ کو بھیجا جس سے
عاتکہ اس درجہ متاثر ہوئی کہ رو دی اور بے اختیار رو دی۔ معاویہؓ نے اطلاع پاکر
وہ خط اڑا لیا اور یزید کو بلا کر مشورہ لیا جس نے کہا کہ اسے فوراً کسی شخص
کے ذریعہ مروا دینا چاہیے کیونکہ یہ اپنی شاعری میں برابر اظہار عشق کر رہا ہے

عشق صادق

یزید نے کہا کہ اس کے کچھ اشعار مجھ تک پہنچے ہیں جن کا
مفہوم یہ ہے کہ "ظالم فرمانروا مجھے اپنی محبوبہ سے ملنے
نہیں دیتا جس عشق میں سزائے شدید کا خطرہ ہو اس میں کوئی خوبی

نہیں اور جس پر بحیال معشوقہ سے وصال غیر ممکن ہو اس سے عشق ہی کیا۔
افسوس کہ مانا تو کبھی نصیب نہ ہوا اور بدنام البتہ ہو گیا۔" معاویہ بولے۔
کچھ پرواہ نہیں اسے محض فراق کا شکوہ ہے اور اسے میں کسی تدبیر جلد ختم
کردوں گا۔ چنانچہ وہ اسی سال حج کے لئے گئے وہاں تمام شعراء و شرفاء کو بلا کر
انعام دئیے۔ وہب کو علیحدہ بلا کر کہا کہ جب تم سے باز پرس کی جاتی ہے
کہہ دیتے ہو کہ یہ اشعار میرے نہیں۔ پھر اب تم یہ بتاؤ کہ تمہارے قبیلہ میں
کون سی لڑکی سب سے زیادہ حسین ہے اسی سے تمہاری شادی کردوں۔
نام معلوم ہونے پر اپنی طرف سے مہر دیکر معاویہؓ نے وہب کی شادی
کردی۔ چند روز بعد وہب نے کہا کہ آپ کے شاہانہ برتاؤ نے مجھے مسحور
کر لیا ہے اب کبھی عاتکہ کے متعلق شعر نہ کہوں گا۔ میری دلہن کے
متعلق یہ ہے کہ وہ حسین تو ہے مگر نہ اسے مجھ سے محبت ہے اور نہ مجھے
اس سے ہے۔ اس لئے میں اسے طلاق دیتا ہوں۔ معاویہؓ اس بے
تکلفی و اقرار سے بہت خوش ہوئے اسکا وظیفہ کر دیا۔ کچھ ہو مگر یہ ضرور
ہے کہ دونوں کے قلب میں آخر تک عشق کے شعلے بھڑکتے رہے کیونکہ دونوں
ایک دوسرے کے سچے عاشق تھے۔

نازک مزاج فاضلہ عورت

علم و فضل نعمان بن بشیر عہد اموی میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکے
تھے اور بہت دولتمند اور بارسوخ شخص خیال کئے جاتے
تھے ان کے تین لڑکیاں تھیں عمرہ۔ ہند اور حمیدہ ذی ثروت خاندان
تھا۔ تینوں بڑے ناز و نعم کے ساتھ پرورش ہوئیں اور تینوں نے اعلیٰ
تعلیم پائی۔ یوں تو نعمان کی سب ہی بیٹیاں لائق اور باجمال تھیں
مگر حمیدہ کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ وہ حسن و سحر طرازی میں بھی

عدیم المثال تھی اور علوم و فنون میں بھی درجہ تبحر حاصل کر لیا تھا علی الخصوص شعر و سخن، بدیہہ گوئی اور منطق میں تو اپنا نظیر نہ رکھتی تھی خطابت میں یہ کمال حاصل تھا کہ اس کے سامنے بولنا محال تھا واقعی ایک ماہ پارہ اور بڑے گھرانے کی لڑکی کو فلک شہرت کا مہر و ماہ بنانے کے لئے یہ خوبیاں بہت چیز تھیں۔ لیکن اس کے ایک عیب نے اس کی تمام خوبیوں کو مدھم اور بے حقیقت کر دیا وہ یہ کہ اسے اپنی لیاقت و حسن پر اس درجہ غرور ہو گیا کہ وہ کسی کو اپنے برابر نہ سمجھتی تھی۔ اور سب کو حقیر سمجھتی تھی۔ اور جس کسی کا جو عیب کچھ پاتی اسے بڑھانے اور شہرت دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتی۔

حارث کی بیقراری عشق

خلیفہ عبدالملک بن مروان فرمانروائے سلطنت تھا اور اس کے باپ نعمان اس وقت حمص کے گورنر تھے۔ حمیدہ باپ ہی کے پاس رہتی تھی۔ اتفاقاً ایک مرتبہ اور ذی رسوخ امیر حارث بن خالد خلیفہ سے ملنے کیلئے دمشق آیا۔ جہاں ان دنوں حمیدہ کی خداداد ذہانت و لیاقت اور حسن و شاعری کی ایک دھوم مچی ہوئی تھی حارث کے قلب میں نادیدہ عشق کا جذبہ پیدا ہوا اور چپکے سے اسکے لئے وہیں سے پیام بھیجا جو فوراً ہی منظور ہو کر نکاح ہو گیا اور حمیدہ عروسانہ جوڑا پہنے حارث کے گھر رخصت ہوئی اسے حمیدہ کے مزاج کا کوئی علم نہ تھا۔ چند ہی روز میں کسی امر پر باہم جھگڑا ہو گیا۔ حمیدہ بگڑ گئی اور نہ صرف بگڑی بلکہ ایک شہرت سوز ہجو بھی لکھ ڈالی۔ جو اسی وقت عام زبانوں پر رواں ہو گئی۔ شوہر بھی آخر عرب ہی کا فرزند تھا۔ اس نے بھی جواب دیا لیکن حمیدہ کی شاعری بہت زبردست اور پر جوش تھی۔ حارث کے اشعار کو کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور حمیدہ کے اشعار بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہو گئے۔ حارث کا اور تو کچھ زور نہ چلا طلاق دے کر اس کے باپ کے پاس بھیج دیا۔

حسن عالم آشوب کے کرشمے

ظالم حسین بھی بلا کی تھی کہیں عبد الملک کے مشہور اور نبرد آزما سپہ سالار روح بن زنباع کی نظر اس پر پڑ گئی۔ عاشق ہو گیا شادی کر لی کچھ مدت تو سکون کے ساتھ گذر گئی۔ اس کے بعد ایک تقریب کے موقعہ پر حمیدہ نے یہ حرکت کی کہ اس نے قبیلہ بنی جذام کے لوگوں کو پردے کی آڑ سے جھانکنا شروع کیا پری پیکر تو تھی ہی ان کی نظریں بھی بیتابانہ اٹھنے لگیں۔ روح نے اندر آ کر اظہار ناراضی کیا۔ حمیدہ ایک مغرور اور بد مزاج حسینہ! وہ بھلا کیا برداشت کرنے والی تھی بولی "خوب تمہارے قبیلے کے لوگوں سے حلال تعلق پیدا کرنا تو تجھے گوارا نہیں حرام کیا کرے گی" ناگوار تو بہت گذرا مگر خاموش ہو گئے۔ اس نے جو دیکھا کہ یہ ناراض رہتے ہیں تو ان کی بھی ہجو کہہ ڈالی۔ روح بہت لائق شاعر تھا اس نے بھی جواب دیا۔ ایک مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا نوک جھونک رہی۔ ملتے بولتے ہم صحبت رہتے مگر دونوں ایک دوسرے کی پرزور سے پرزور ہجو کہتے تھے اور دوسرے لطف اٹھاتے روح سب کچھ برداشت کرتا رہا مگر اس نے طلاق نہ دی اور ایک روز جل کر کہہ دیا "یا اللہ اگر حمیدہ میرے بعد زندہ رہی تو اسے ایسا شوہر ملے جو اس کے رخساروں کو طمانچے مار مار کر سرخ کر دے اور اس کے پہلو میں بیٹھ بیٹھ کر مُوتا کرے" حمیدہ جل گئی اور جب دیکھا کہ یہ چھوڑتا ہی نہیں تو خلع حاصل کر لیا۔

حسن قابلیت کا ہمہ گیر اعتراف

ایک دنیا اس کے حسن قابلیت کی معترف تھی۔ مگر مزاج سے ڈرتی تھی۔ زبان درازی سے خائف تھی کئی سال کی بیوگی کے بعد ایک اور دولتمند شخص فیض بن محمد نے اس سے نکاح کر لیا۔ یہ نہایت خوبصورت نوعمر اور وجیہہ جوان تھا۔ لوگوں نے اسے روکا مگر وہ نہ مانا۔ نکاح کے بعد حمیدہ کو معلوم ہوا کہ فیض بہت درشت مزاج جنگجو بدزبان اور

شرابخوار ہے۔ وہ ذرا سی بات پر گالیاں دے بیٹھتا تھا۔ دست درازی بھی کرتا تھا۔ ڈانٹتا بھی تھا۔ ہر وقت نشے میں مخمور بھی رہتا تھا اور بہت پی جاتا تھا تو اس کے زانو پر سر رکھ کر لیٹا بھی کرتا تھا۔ آخر حمیدہ ایک روز کہہ اٹھی کہ "خدا روح سے سمجھے کہ اس نے جو بد دعا دی تھی اسے میں زندہ صورت میں سامنے دیکھ رہی ہوں۔ وہ عادت سے ضرور مجبور تھی مگر اسے اس کے ساتھ عشق تھا۔ اس پر مٹی ہوئی تھی اور تمام جھگڑوں کے باوجود اس سے محبت کرتی تھی۔ بدمزاج سے نباہنا اور محبت کرنا بہت مشکل ہے۔ آخر تنگ آ گئی اور عاجز ہو کر اس نے اس کی بھی ہجو لکھنی شروع کر دی اور یہ نوبت آ گئی کہ فیض کا باہر نکلنا بند ہو گیا۔ کیونکہ باہر جو دیکھتا صورت سامنے ہوتے ہی حمیدہ کے ہجویہ شعر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہا۔

علمی فضیلت کی دھاک

حمیدہ کوئی معمولی عورت نہ تھی اس کی فصاحت و بلاغت اس کی خطابت نازک خیالی اس کی شاعری و ادبی کمالات اور اس کی نفاست مزاج اور رعنائی حسن کا شہرہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیائے اسلام میں پھیلا ہوا تھا۔ تمام فضلائے عصر اور شعرائے عرب اس کی قابلیت و تبحر کے معترف اور اس کی عظمت کے قائل تھے خود خلیفہ عبدالملک اسے ایک یگانہ روزگار فاضلہ و شاعرہ کہا کرتا تھا مگر اس کے غرور و بدمزاجی اور زبان درازی و خود پرستی نے لوگوں کو اس سے متنفر و خائف کر رکھا تھا جس کے پیچھے پڑ جاتی دھجیاں اڑا کر رکھ دیتی۔ بیجا ذلیل کرتی اور لتے لے ڈالتی جو تننے جاتا خواہ مخواہ بحث شروع کر دیتی اور زبان کے وہ چرکے لگاتی کہ کوئی تاب نہ لا سکتا۔ حجاج بن یوسف گورنر عراق جو اسکا داماد تھا اس کی ہجو بھی برابر کرتی رہی۔ اس نے دھمکایا بھی مگر باز نہ آئی۔ ہر

شوہر کو ذلیل کیا کسی کو خاطر ہی میں نہ لاتی تھی۔ مگر قیض سے جوں توں کرکے اس کی آخر تک بنھی رہی۔ اسی سے اولاد ہوئی اور شام میں پہلی صدی میں انتقال کیا۔ اگر کہیں اسکا مزاج بھی ٹھیک ہوتا تو عرب والے اس کے سامنے اپنی آنکھیں بچھاتے۔ مگر اپنے مزاج کی بدولت نہ یہ خود سکھ کی نیند سوئی اور نہ سونے دیا۔

مہ جمال اموی ملکہ

حسن و جمال و تعلیم و تربیت

یہ جادو نگار اور سحر طراز حسینہ تھی تو ایک کنیز مگر اپنی دلبری و رعنائی جمال کی بدولت قصر خلافت میں پہنچ گئی اور اس مادی دنیا میں جتنا عروج ممکن ہے اتنا اس نے حاصل کرلیا۔

اس کا نام سلامہ ہے مگر تاریخ عرب میں یہ سلامۃ القس کے نام سے مشہور ہے عہد اموی میں ایک صاحب سہل بن عبدالرحمن نے اسے بچپن ہی میں کہیں سے خرید کیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ کنیز کے اندر ترقی کن جوہر نمایاں ہیں۔ جو مناسب تربیت کے بعد اسے بہت قابلقدر چیز بنا سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے اس کی تربیت و تعلیم کی طرف خاص توجہ مرکوز کی۔ اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا عطا کیا تھا۔ پڑھنا جو شروع کیا اور ہوش جو سنبھالا تو پر پرزے نکالنے لگی اور صرف پانچ ہی سال کے قلیل وقفہ مدت میں اس نے سند فضیلت حاصل کرلی۔ ادب، انشاء، شعر و شاعری اور تفسیر و معانی قرآن میں درجہ تبحر حاصل کرلیا۔ ایسے اشعار موزوں کرنے لگی جو سنتا جھومنے لگتا۔ فطری طور پر نفیس مزاج بھی تھا۔ تہذیب و شائستگی میں بھی یکتا نکلی۔ عرب میں شاعری کے بعد موسیقی بھی تمدن و تہذیب کا جزو اہم بن گئی تھی اور امیرزادیاں تک اس میں کمال پیدا کررہی تھیں

یہ عیب نہیں اس زمانہ میں بڑے بڑے حکما، وفضلا تک کے لئے مایۂ کمال سمجھی تھی سہیل نے اس کے حسن و جمال اور قابلیت شعری کے پیش نظر اسے فن موسیقی کی بھی اعلیٰ تعلیم دی اور اس فن میں اس نے بہت جلد خود کو عین الکمال تک پہنچایا

ایک بزرگ محترم کا عشق

ایک روز یہ سہیل کے محل میں بالائی منزل پر بیٹھی ہوئی اپنے کمرے میں باندازِ بیخودی گا رہی تھی کہ اُدھر سے اس عہد کے ناقل اجل زیب شہیر اور مشہور فقیہ مجتہد حضرت عبدالرحمن بن عبداللہ کا گذر ہوا۔ یہ بزرگ خود بھی نہایت شکیل و جمیل جوان تھے گلشن حیات میں تازہ بہار آئی تھی۔ شباب و جوانی کے پھول شگفتہ ہو رہے تھے۔ چلتے چلتے اُن کے کانوں میں جو سلامہ کی مترنم اور نغمہ آرا آواز پہنچی تو جھومنے لگے، وجدانی کیفیت طاری ہو گئی ٹھٹھک کے وہیں رہ گئے اور دروازے سے لگ کر گانا سننے لگے۔ اتنے ہی میں سہیل بھی دروازہ پر آ گئے۔ دیکھا کہ عبدالرحمن کھڑے ہیں، دوڑ کر ہاتھ چومے اور عرض کی کہ اس طرح کھڑے رہنا آپ کی عظمت و تقدس کے شایاں نہیں اندر تشریف لے چلئے آپ اطمینان سے اس آفت روزگار حسینہ کا گانا بھی سن لیں گے اور مجھے بھی آپ کے قدم رنجہ فرمانے سے گونہ شرف حاصل ہو جائیگا۔ فرمایا نہیں میں نامحرم کے سامنے نہیں جا سکتا۔

سہیل بولے نہ سہی میں آپ کو پردے کی آڑ میں بٹھا دونگا۔ بیخودی تو طاری ہو ہی چکی تھی۔ خاموشی کے ساتھ اندر چلے گئے اور برابر والے کمرے میں بیٹھ گئے۔

حسن و غنا کی سحر کاری

عبدالرحمن کی یہ حالت تھی کہ از خود رفتہ ہو رہے تھے۔ محویت کا عالم طاری تھا۔ سہیل کو جو شوخی سوجھی خاموشی کے ساتھ پاس سے اٹھے اور کنیز کو لا کر سامنے بٹھا دیا اور کہا کہ لیجئے گانے کے ساتھ ساتھ اس کے عدیم المثال حسن

عالم آشوب سے بھی بہرہ مند ہو لیجئے۔ عبدالرحمٰن بہت بزرگ اور زاہد و متقی انسان تھے لیکن حسن و عشق کی بارگاہ میں پہنچکر زہد و پارسائی کی قبا اکثر چاک ہوتی رہی ہے اور "چیز ہار" کا "وار" شاذ ہی خالی جاتا ہے۔ عنفوان شباب کا زمانہ وجد آور تھی اور نوشگفتگی حسن۔ نظر پڑتے ہی دل سینے میں تھا اس کی نگاہ نیم باز کا تیر ان کے جگر میں پیوست ہو گیا اور سلامہ بھی شمع جمال کی کی پروانہ بن گئی۔ دونوں بیک نظر ایک دوسرے کے پرستار محبت بن گئے۔ عبدالرحمٰن کچھ دیر بعد اٹھنے لگے تو سلامہ نے دامن پکڑ لیا اور کہا جب تک آپ دوبارہ آنیکا وعدہ نہ کریں گے میں نہ چھوڑونگی۔ مجبور عشق تھے اُن کا دل خود ہی کا آرزو مند ہو چکا تھا وعدہ کر لیا اور چلے گئے۔

دلچسپ صحبت کی دلچسپ گفتگو

سہل نے خود ہی آزادی دیدی تھی۔ دونوں باہم تبادلہ قلوب کرچکے تھے۔ عبدالرحمٰن آنے جانے لگے۔ یہ حالت تھی کہ روز آتے اور گھنٹوں خلوت و تنہائی میں پاس بیٹھے رہتے، گانا سنتے باتیں کرتے اور اٹھکر چلے جاتے۔ پہلے تو سلامہ فطرت نسوانی کے اقتضا کے مطابق منتظر رہی کہ ان کی طرف سے اظہار عشق کی ابتدا ہو اور میں عاشق کی بجائے معشوق بنکر ناز کروں۔ مگر جب ادھر سے کوئی تحریک ہی نہ ہوئی اور بیقراری قلب حد سے فزوں ہو گئی تو ایک روز خلوت میں بولی "میں تو آپ کی محبت میں اتنی بیقرار ہو چکی ہوں کہ تاب صبر بھی باقی نہیں رہی" انتہائی سادگی بے تکلفی کے ساتھ فرمایا "میرے قلب کا بھی یہی عنوان ہے"، بولی "میرا دل تو آپ کے لب ہائے شیریں کے چومنے کا آرزو مند ہے" فرمایا "مجھے بھی یہی تمنا ہے" اب سلامہ کو تاب نہ تھی گونہ دلیری کے ساتھ بولی "جی چاہتا ہے کہ آپکے سینہ پر اپنے سینہ کو رکھدوں" اسی سادگی کے ساتھ جواب ملا۔ "ارمان مجھے بھی یہی ہے۔"

خدا ترسی کا شاندار مظاہرہ

آخر سلامہ کی خودداری نے جذب دیدیا اور جھنجھلا کے کہا۔ تو پھر شوق تکمیل میں مانع کون امر ہے کہ آپ کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتے" پورنی بے جوشی و سکون کے ساتھ جواب دیا "خدائے قدوس کا یہ ارشاد" الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین" بروز حشر متقی اور خدا ترس دوستوں کے سوا بعض دوست باہم ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ میں کیونکر یہ گوارا کرسکتا ہوں کہ ہماری یہ محبت عداوت میں منتقل ہو جائے" یہ کہکر اٹھے اور چلے گئے۔ اور پھر کبھی ادہر کا رخ نہ کیا۔ اسی روز سے سلامہ سلامۃ القس (زاہد مرتاض والی سلامہ) مشہور ہوگئی۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے اور کس قسم کا خدا ترس دل اپنے پہلو میں رکھتے تھے۔ واقعی جنتی بزرگ وہی تھے۔ آخر کچھ مدت بعد بنو امیہ کا نواں خلیفہ یزید بن عبدالملک سلامہ کی شمع جمال کا پروانہ بنگیا عاشق ہوگیا اور اسے سہل سے خرید کر اپنی ملکہ بنالیا۔ سلامہ اب انتہائی عروج حاصل کر چکی تھی۔ اس نے اس دانائی فراست کے ساتھ قصر خلافت میں بسر کی کہ مورخ لکھتے ہیں کہ حکومت درحقیقت سلامہ ہی کر رہی تھی۔ اور یزید کا دل اور دماغ بالکل اس کے ہاتھ میں تھا۔ زندگی بھر وہ اس کی محبوبہ خاص بنی رہی اور عیش و مسرت کی حیات گذار کر اس نے انتقال کیا۔

نازنینان زہری

یگانہ روزگار زہری ملکہ

خاندانی عظمت و تقدس عائشہ دیگر محاسن و محامد اور مفید و شہرت

کے علاوہ ایسی حسین اور اس پایہ کی صاحب جمال بی بی تھیں کہ زمانہ صدیوں بعد بھی ایسی حور پیکر خواتین کم پیدا کرتا ہے۔ وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہم شکل تھیں اور خالہ بھانجیوں میں والہانہ محبت تھی ان کی ایک بہن ام اسحٰق حضرت امام حسنؓ سے بیاہی گئی تھیں اس طرح وہ نواسۂ رسولؐ کی سالی ہونے کا بھی شرف رکھتی تھیں۔ باپ حضرت طلحہؓ تھے اور نانا حضرت ابوبکر صدیق، ماں حضرت ام کلثوم تھیں حضرت ام المومنین کی بھانجی حضرت صدیق اکبرؓ کی نواسی۔ حضرت امام حسنؓ کی سالی اور حضرت طلحہؓ کی لخت جگر جتنی معزز و شریف اور جتنی پارسا و عفیفہ ہو سکتی ہیں اس کے متعلق کسی تبصرے اور اظہار رائے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا اور جلیل القدر فرمانروا ولید بن عبدالملک انہی کا داماد تھا جسے اُن کی حور وش بیٹی نفیسہ بیاہی ہوئی تھی حضرت ام المومنین عائشہؓ نے اپنی اس فاضلۂ روزگار اور نازنین ہمشیرزادی کی شادی اپنے برادر زادہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابوبکر کے ساتھ کردی جن سے اُن کے یہاں چار بچے پیدا ہوئے۔

انتہائی حُسن اور انتہائی نازک مزاجی

عائشہ چونکہ قبیلہ بنی تیم سے قرابت رکھتی تھیں اس لئے بہت تیز اور سیف زبان تھیں کیونکہ یہ اس قبیلہ کی خصوصیات تھیں کہ اس کی دختریں جہاں خوبصورت اور اپنے شوہروں کی محبوب ہوتی تھیں وہاں وہ بالطبع نہایت تند مزاج بھی ہوتی تھیں اور خاوندوں کا دبائو بالکل نہ مانتی تھیں۔ چنانچہ ان کی بھی شوہر سے نہ بنی اور چند ماہ کی علیحدگی کے بعد میل ہوا بھی۔ پھر بھی روز جھگڑے ہی رہتے تھے کسی نے رائے دی کہ یہ حالت ہے تو پھر آپ عائشہ کو طلاق کیوں نہیں دیدیتے۔ جواب دیا مصیبت تو یہ ہے کہ مجھے اس ظالم کے ساتھ محبت بھی تو ہے۔ کچھ دنوں بعد ان کے

بیوہ ہو جانے پر مصعب بن زبیرؓ نے مجبور عشق ہو کر پانچ لاکھ درہم مہر دیکر نکاح کر لیا اور اسی قدر رقم خطیر منہ دکھائی پر پیش کی۔ ان کے بھائی عبد اللہ بن زبیرؓ جانتے تھے کہ عائشہ ایک بلا خیز حسن و جمال کی حامل ہے اور اس کی محبت میں گرفتار ہو کر کچھ بھی نہ کر سکیں گے اس لئے انہوں نے بھائی کو اس تعلق پر ڈانٹ بتائی۔ اور حکم دیا کہ فوراً مکہ چلے آؤ۔ مصعب نے تعمیل حکم کی اور جس طرح بن پڑا بھائی کو راضی کر لیا۔

عادت و مزاج مشکل ہی سے تبدیل ہوتا ہے۔ گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ تھا مصعبؓ کو ان سے عاشقانہ محبت تھی۔ اس پر عائشہ کا مزاج ٹھکانے پر نہ رہتا تھا برابر جھگڑتی رہتی تھیں۔ ان کی محبت دلدہی کو خاطر میں نہ لاتی تھیں اور کہنا بھی نہ مانتی تھیں۔ نازک مزاجی کی انتہا یہ تھی کہ ایک روز مصعب نے انہیں خواب ناز سے جگا کر آٹھ بڑے بڑے گراں قیمت موتی ان کی گود میں ڈالدیئے۔ اس پر فرماتی ہیں آپ نے مجھے فضول بیدار کر دیا۔ میں اپنی خواب نوشیں کے مقابلہ میں ان موتیوں کو بالکل بے حقیقت سمجھتی ہوں۔ اسی طرح آئے دن میاں بیوی میں ٹھنا جاتی رہتی تھی۔ مگر مصعب تھے کہ ان کی شمع حسن کے پروانے بنے ہوئے تھے وہ جب بگڑتیں تو جو منہ میں آتا کہہ سناتیں اور بگڑتیں تو اپنے جسم کو ہاتھ نہ لگانے دیتیں اور شوہر کی منتوں پر بھی نہ منتیں۔

اصلاح مزاج کا عاشقانہ ڈھنگ

ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے مصعب بڑے جری و دلیر تھے۔ مگر ناز آفریں بیوی کے سامنے ایک نہ چلتی تھی آخر تنگ آ گئے ایک روز ملول بیٹھے تھے کہ ان کے پرائیویٹ سکرٹری ابن ابی فروہ نے کہا اور کچھ نہیں آپ کی ناز برداریوں نے مزاج بگاڑ دیا ہے۔ اگر آپ مجھے حکم دیں تو ایک آن میں سیدھا کر دوں۔ فرمایا بہتر ہے مگر ملحوظ رہے کہ

کہ عائشہ کو میں دنیا کی بہترین نعمت سمجھتا ہوں اور مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے اُسے کوئی ضرر نہ پہنچ جائے۔ ابن فروہ اطمینان دلا کر دو تنو مند حبشیوں کو لئے ہوئے محل پر پہنچا۔ رات زیادہ گذر چکی تھی۔ دروازہ کھلوایا جواب آیا اس نا وقت دروازہ کھلوانے کا مقصد! بولا میں تو حکم کا بندہ ہوں۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے حبشیوں کو صحن میں کدالوں سے گڈھا کھودنے کا حکم دیا۔ کنیزیں دیکھنے اور پوچھنے لگیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے ابن ابی فروہ خاموش تھا۔ آخر سادگی کے ساتھ بولا بہنیں اب کیا بتاؤں تمہارے آقا مصعب اتنے سنگدل اور ظالم ہیں کہ کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں۔

پوچھا بتائیے تو کیا کیا اور کیا حکم دیا۔ رنجیدہ چہرہ بنا کر کہا حکم ہوا ہے کہ اسی وقت صحن میں گہرا گڈھا کھود کر تمہاری مالکہ کو رات کی تاریکی ہی میں زندہ دفن کر دوں۔ یہ سنتے ہی تمام کنیزیں لرزنے لگیں۔ گھبرائی ہوئی اندر گئیں۔ عائشہ بھی یہ سنکر سناٹے میں آ گئیں۔ ہوش پراں ہو گئے۔ فوراً سامنے آئیں اور منتیں شروع کر دیں۔ ابن ابی فروہ نے غمگین لہجہ میں کہا بی بی میں کیا کروں تمہارے شوہر کے ظلم وشقاوت کا کوئی ٹھکانا بھی ہے اُن کے حکم کو ٹالنا خود اپنی موت کو بلانا ہے لہٰذا لیں اچھا اتنی دیر تو صبر کرو کہ میں اُن سے ملکر دو باتیں کر لوں کہا یہ تو ممکن ہی نہیں اُن کا حکم قطعی ہے اتنا سنتے [illegible]

[illegible]

میری طرف سے جا کر کچھ کہو سنو۔ بولا۔ خوب! اگر طیش میں آ کر انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو میرے اہل و عیال کیا کریں گے۔ اس پر سب مایوس ہو گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ جب ابن ابی فروہ نے خوب رلوا لیا۔ بد حواس بنا لیا تو بولا۔ اچھا بی بی مجھ سے آپ کی بیقراری نہیں دیکھی جاتی۔ جاتا ہوں زیادہ سے زیادہ یہی تو ہو گا کہ قتل ہو جاؤں گا۔ مگر ہاں اُن سے جا کر کہوں کیا بولیں تم اپنی طرف سے ذمہ لیلو کہ اب عائشہ سے کبھی یہ حرکت سرزد نہ ہو گی پھر بولا اور مجھے کیا انعام ملیگا۔ کہا زندگی بھر ممنون رہونگی جو مانگو گے دونگی۔ بولا تو بحلف اقرار کیجئے۔ تمام عہد و پیمان لیکر ابن ابی فروہ چلا گیا اور مصعب سے جا کر حالات جو بیان کئے تو وہ بہت ہنسے۔ بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ پھر جلد جا کے قسم بھی لے لو کہ اب تو مجھ سے نہ لڑیں گی اور کہنا مانیں گی۔ اس کی تعمیل بھی ہو گئی اور معاملہ ختم ہوا۔ اس طرح دونوں یکجا کافی عرصہ تک خوش و خرم اور با اتفاق رہے۔ مگر مصعب کی محبت بیقرار نازبرداریوں نے پھر عائشہ کو بیخوف کر دیا اور پھر جنگ شروع ہو گئی۔ تنگ آ کر مصعب پھر بگڑ گئے اور یہ بھی خبر نہ لی کہ عائشہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ محبت میں بیقرار ضرور تھے مگر اُدھر رُخ نہ کرتے تھے۔ مصعب کے اس ضبط و استقلال نے عائشہ کی نازک مزاجی اور غرور کو توڑ دیا اور وہ اپنی حرکات پر ندامت کا اظہار کرنے لگی۔ اس کے کچھ دن بعد اس نے سُنا کہ مصعب جنگ عظیم میں کامیاب و فتحمند ہو کر آ رہے ہیں اپنی کنیز سے بولی کہ اب تو مجھے اس نا اتفاقی سے سخت رنج و تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ کنیز تھی ہوشمند بولی تو آپ اُن کی بیوی ہیں موقعہ پیار کا ہے۔ آپ فوراً اُن کے محل میں جائیں اور آتے ہی اُنہیں اُن کی فتحیابی پر پیار کیا دیں۔ جونہی مصعب نے محل میں قدم رکھا عائشہ جھپٹ کر بڑھیں اور اپنے آنچل سے اُن کے سر و چہرہ کا گرد و غبار جھاڑنے اور

صاف کرنے لگیں اور مبارکباد دی۔ مصعب یہ تغیر دیکھ کر بہت مسرور ہوئے بولے۔ ہٹو قریب آؤ تم نفیس مزاج نازنین ہو خود زرہ کے لوہے کی بدبو سے تمہارا سر پھٹنے لگے گا محبت و وارفتگی کے ساتھ جواب دیا عائشہ اب تو نہیں مجھے بسوگند خدا و رسول مجھے تو اس لوہے کی بو عنبر و مشک کی خوشبو سے بھی اس وقت زیادہ عزیز ہے۔

اس کے بعد پھر زندگی بھر شادی کبھی دونوں میں کوئی جھڑپ ہوئی اور دونوں نے عاشقانہ زندگی بسر کی۔ ایک شمع تھی اور دوسرا پروانہ

تیسرے خاوند کا انتقال

عائشہ مزاج کی تیز ضرور تھیں مگر یہ نہ تھا کہ انہیں مصعب سے محبت نہ ہو جو مصعب خلیفہ ہی عبد الملک کے مقابلہ میں دلیرانہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تو عائشہ کو انتہائی صدمہ ہوا اور آخر وقت تک اُن کی نازبرداریاں نہ بھولیں اس کے بعد خلیفۃ الملک کے بشیر بن مروان نے نکاح کا پیغام دیا۔ مگر عائشہ نے ایک اور دولتمند و معزز قریشی رئیس عمر بن عبد اللہ تمیمی کا پیام منظور کر کے حیرہ میں عقد کر لیا جس نے پانچ لاکھ درہم بطور مہر اور پانچ لاکھ بطور رونمائی دیئے۔ عمر بڑا دلیر اور بہادر شخص تھا۔ مگر وہ بھی عائشہ سے دباہی رہا۔ عموماً تو جنگ نہ ہوتی تھی۔ پھر بھی کبھی کبھی چشمک ہو ہی جاتی تھی۔ مگر اس زندگی میں بھی جو ہر طرح عیش کی زندگی تھی۔ عائشہ کو مصعب کی یاد بھولتی ہی نہ تھی۔ ایک دفعہ وہ عمر کے چہرے کا غبار رومال سے صاف کر رہی تھیں کہ بیساختہ بول اُٹھیں کہ "غبار میں جیسا پیارا چہرہ مصعب کا ہو جاتا تھا ایسا چہرہ میں نے کسی کا بھی نہ دیکھا،، عمر کے تن بدن میں جوش رقابت سے آگ لگ اٹھی مگر عائشہ کے مزاج کے ادا شناس تھے خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو رہے سنہ ۸۲ھ میں جب عمر کا بھی انتقال ہو گیا تو انہوں نے عہد کر لیا کہ اب نکاح نہ کرونگی۔ چنانچہ بعد کو بڑے بڑے

امراء کے جتنے پیغام آئے اُنہوں نے سب کو رد کر دیا اور باقی تمام عمر بیوگی میں بسر کر دی۔

حسن و جمال اور علم و فضل

عائشہ ایک عالم آشوب حسن و جمال کی خاتون تھیں اور اُس زمانہ میں تمام معززین اور شرفائے عرب انہیں خوبصورتی اور رعنائی میں عدیم المثال سمجھتے جاتے تھے یہی وجہ تھی کہ ہر موقعہ پیدا ہونے پر انہیں امرائے عرب کے پیام آنے شروع ہو جاتے تھے حتیٰ کہ خلیفہ وقت کے بھائی کا بھی پیام آیا۔ ایک دفعہ اتفاقیہ طور پر حضرۃ ابوہریرہ کی نظر آپ کے بہار آفریں حسن پر پڑ گئی تھی پھر انکی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکل گئے تھے۔ سبحان اللہ مجھے تو یہ محسوس ہوا کہ جنت کی کوئی حور دنیا میں اتر آگئی ہے۔ اس عدیم المثال حسن پر لیاقت علمی کا یہ عالم تھا کہ تفسیر معانی قرآن ادب و انشا شعر و شاعری علم الانساب علم ہیئت فصاحت و بلاغت اور معانی و خطابت میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں

جس وقت وہ ہشام بن عبد الملک جیسے زبردست اور باجبروت فرمانروائے اسلام کے پاس اپنے حقوق و وظائف کے لئے لڑنے کو مرد انہ ہو گئی ہیں اور اس کے سامنے تقریر کی ہے تو وہ متحیر ہو کر رہ گیا تھا اور اسے یہ اقرار کرتے ہی بن پڑی تھی کہ میں ضرور آپ کے حقوق آپ کو دونگا۔ اس کے بعد فوراً انہیں نیچا کرنے کے لئے خفیہ طور پر معززین اور فضلائے بنی امیہ کو کہلا بھیجا ہے کہ وہ دربار میں آکر عائشہ سے مقابلہ علمی کریں۔ اسی رات کو قصر خلافت میں ایک شاندار جلسہ ہوا اور عائشہ کے علم و اطلاع کے بغیر سب نے مختلف علمی مباحثے شروع کئے تو عائشہ سنبھل کر بیٹھ گئیں اور ہر علم و فن میں فضلائے بنی امیہ دمشق کا ناطقہ بند کر دیا۔ تاریخ و سیر تفسیر قرآن، اشعار جاہلیت اور فصاحت و بلاغت ہر چیز میں سب نے تسلیم کر لیا کہ یہ بے ہمتا ہیں اور کوئی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ایک متبحر عالم نے چھیڑنے کی غرض سے سیاروں کی رفتار اور فلکیات کا ذکر چھیڑ دیا۔ عائشہ نے ایک ایک سیارے کا نام اور

اس کی رفتار جو بتائی تو سب مبہوت رہ گئے۔ خود ہشام بولا اور علوم میں تو ممکن ہے کہ آپ نے فضلائے روزگار سے کمال حاصل کیا۔ لیکن فلکیات میں یہ تبحر آپ نے کہاں سے حاصل کیا۔ فرمایا اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے۔ بہرکیف اس شاہی جلسے نے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ اس عہد میں کوئی فاضل بھی اُن کا ہمسر نہ تھا۔ آخر ہشام نے ایک لاکھ درہم انہیں عطا فرمائے۔

حضرت مصعب کی خوش نصیبی

حضرت مصعب اپنے عہد میں سب سے خوش نصیب انسان تھے

اس زمانہ کی دونوں منتخب روزگار حسینہ و فاضلہ عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت امام حسینؓ اُن کے عقد میں تھیں۔ فرمانروایان وقت اُن کی زندگی پر رشک کرتے تھے اور وہ جب تک جیئے محسود روزگار بنے رہے۔ عراق و عجم پر بھی زندگی ہی میں اس کا قبضہ ہو چکا تھا۔ زندگی بھی پورے عیش میں گذری اقتدار بھی پایا اور رتبہ شہادت بھی حاصل کیا۔ اُن کا فلک فرسا قصر طائف میں بھی تھا۔ دولت بھی اتنی پاس تھی کہ شمار نہ تھا۔ گویا اللہ نے صحت عقل، علم و دولت اور حسن ہر نعمت عائشہ کو عطا کر دی تھی۔ بیوگی کے دور میں ہر سال حج کے لئے مکہ جاتیں اور اس شان و شکوہ کے ساتھ جاتیں کہ دھوم مچ جاتی۔ ایک سال امیر معاویہ کی بیٹی عاتکہ نے جو حج کا ارادہ کیا تو باپ نے کہلایا تھا کہ بڑا شان کے ساتھ جانا کہ وہاں عائشہ بھی ہوں گی۔ عاتکہ شاہانہ اہتمام کے ساتھ گئی مگر یہ دیکھا کہ عائشہ کی کنیزوں اور مشاطہ کا جلوس بھی عاتکہ کے شاہانہ جلوس سے بےحد شاندار تھا۔ اور جس وقت عائشہ کا جلوس سامنے آیا ہے تو گو عاتکہ شہزادی تھی مگر اسے دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔ عائشہ کا جلوس تین سو سانڈنیوں پر مشتمل تھا جن پر مطلا کلس دار محملیں تھیں اور زربفت و حریر کے پردے پڑے ہوئے تھے اور عائشہ دینار و درہم لٹاتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ عائشہ کے

داماد ولید بن عبدالملک نے بعد کو اپنی ساس کے جلوس کو اور شاندار بنا دیا

دینداری اور جودوسخا غرض عائشہ کی پوری زندگی پورے عیش و آرام میں گذری اور آخر تک وہ بڑی شان و شوکت اور کروفر کی زندگی بسر کرتی رہیں ہر شوہر ان کا درہم ناخریدہ غلام بنا رہا شوہر عراق و حجاز و عجم کا فرمانروا ہو گیا تھا اور داماد دنیائے اسلام کا سب سے بڑا فرمانروا ہو گذرا ہے۔ زروجواہر کے انبار گھر میں لگے ہوئے تھے رہنے کو آراستہ اور پر تکلف محل تھے۔ اور کھانے پہننے کے لئے دنیا کی ہر نعمت موجود تھی دنیا میں دینی اور دنیوی جتنے شرف ہو سکتے ہیں وہ سب حاصل تھے۔ نہایت زندہ دل بذلہ سنج اور لطیفہ گو بھی تھیں۔ زہد و اتقا کا یہ عالم تھا کہ جیتے جی نہ ایک وقت کی نماز قضا ہوئی اور نہ روزہ! تلاوت کلام اللہ روزانہ معمول تھا۔ لاکھوں روپیہ اللہ کی راہ میں لٹایا اور جب تک زندہ رہیں عیال اللہ کی خدمت اپنا شعار رکھا۔ معاشری و دینی اعتبار سے نہایت مسرور اور مقدس زندگی بسر کی عصمت و عفت شرم و حیا اور زہد و پارسائی میں کمال حاصل تھا بڑی عمر پائی مختصر یہ کہ عائشہ دنیائے اسلام کی ایک فقید المثال اور نامور فاضلہ خاتون گذری ہیں جن کی زندگی ہر اعتبار سے مسرور و کامیاب زندگی تھی۔

ایک پرجلال عینہ بوت

پیدائش و خاندانی حالات یہ اولوالعزم اور نامور خاتون اپنے ایمان مگر حوصلہ مندانہ اقدام کی بنا پر دنیائے اسلام کیا تمام جہان میں ایک خاص شہرت کی حامل ہے کہ اس نے وہ کیا جو اس سے پہلے کسی قوم و مذہب کی کسی عورت نے کبھی نہ کیا تھا اور [illegible]

شکل کھڑی ہوئی۔ اگر تائید غیبی نہ ہوتی اور اس کی نسوانی کمزوری اس کی راہ میں حائل نہ ہوجاتی تو واقعی اس کی طاقت فرزندان توحید کے لئے کچھ دنوں تک ضرور باعث اضطراب و الم ثابت ہوتی مگر اللہ تعالیٰ نے بہت جلد اسکا حوصلہ ٹھنڈا کردیا۔

اس کا نام تھا سجاح۔ حارث بن سوید کی بیٹی اور ہوازن کے ایک فرعی قبیلہ بنی تمیم کی چشم و چراغ تھی۔ پلی۔ بڑھی اور جوان ہوئی عراق میں۔ چونکہ نہایت ذہین اور ایک فارغ البال گھرانے کی لڑکی تھی اس کے لئے اس کی تعلیم و تربیت بھی اچھی ہوگئی اور اس نے بہت جلد شعر و سخن، فصاحت و بلاغت اور ادب انشا میں کمال پیدا کرلیا اور قبیلہ میں نہایت عقیل، ہوشمند اور مدبر سمجھی جانے لگی۔

حسن و علم

چونکہ عقل و دانائی کے علاوہ علم و فن میں بھی ممتاز تھی اولوالعزم اور باہمت بھی تھی۔ علم کہانت میں بھی ماہر۔ جمال تھا نہایت حسین اور جاذب نظر بھی تھی اور اس کے اندر کچھ ایسی مقناطیسی قوت تھی کہ وہ جس سے بات کرتی وہ اسکا گرویدہ ہوجاتا۔ عنفوان شباب کا زمانہ اور یہ دلفریب خصائل لوگ اس کی باتیں غور سے سنتے اور اس کی طرف مائل ہونے لگے بہت سے دلوں میں عشق کی آگ بھڑک رہی تھی لیکن چونکہ نہایت قابل بہادر تھی اور لب و لہجہ میں تحکم پایا جاتا تھا۔ اس لئے کسی کو اظہار عشق کی جرات نہ ہوتی تھی۔ اسی اثناء میں آقائے دو جہان حضور سرور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ قبائل کو زکوٰۃ گراں گزرنے لگی وہ سمجھے کہ اب زکوٰۃ بھیجنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ چالاک آدمیوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا اور وہ اپنے نزدیک میدان خالی پائے اور نبوت کو بزعم خویش حصول اقتدار و دولت کا ایک آسان ذریعہ سمجھ کر ادعائے نبوت کے ساتھ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو بھڑکانے اور بہکانے لگے اور

اور دیکھتے دیکھتے مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور طلیحہ نبوت کے مدعی بنکر کھڑے ہوگئے

مسیلمہ کذاب کا اضطراب

اسلامیوں کے لئے بڑا نازک وقت تھا ہر طرف سے مدینہ کی طرف مخالف فوجیں بڑھ رہی تھیں۔ زکوٰۃ کے خلاف ایک شورش عام برپا ہو چکی تھی۔ صحابہ کرام بھی گھبرا اُٹھے تھے۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ کا نام لیکر کھڑے ہوگئے اور مطلع صاف کردیا۔ یہ دیکھکر سجاح کو بھی جوش پیدا ہوا۔ اس نے اپنے آبائی قبیلہ بنو تمیم، ننہالی قبیلہ بنی تغلب اور قبائل بنو ہوازن کا لشکر عظیم لیکر حضرت ابوبکر صدیق رض کے مقابلے اور اپنی نبوت کے اعلان کے لئے نکلی۔ اور منادی کرادی کہ میں نبی ہوں اور مجھپر وحی نازل ہوتی ہے۔ اس منادی پر ہذیل بن عمران جیسا نامور سردار عیسائی مذہب ترک کرکے ایمان لے آیا تھا اور ساتھ اور بھی بہت سے قبائل کے سردار اور امراء اس کے فرمانبردار اور معتقد بن گئے۔ سجاح کی معرکہ آرا اور فصیح تقریروں نے ہر طرف ایک آگ سی لگادی۔ سجاح اپنا ٹڈی دل لشکر لئے ہوئے مختلف مقامات پر ہوتی ہوئی ارض یمامہ میں پہنچی جہاں مسیلمہ کذاب ایک اور مدعی نبوت کا طوطی بول رہا تھا وہ گھبرایا کیونکہ نہ اس کے پاس اتنا لشکر تھا اور نہ اس میں اتنی لیاقت تھی اور یہ بھی خوف تھا کہ مبادا اس کے ہموار کئے ہوئے قبائل سجاح پر ایمان نہ لے آئیں۔ تھا چالاک اور بہت مکار۔ اس کیادی سے عورت سمجھکر سجاح کو اپنے دام میں پھنسانے کی سعی شروع کردی۔

سجاح و مسیلمہ کی شیطانی ملاقات

تحفے تحائف بھیجے اور پیغام دیا کہ مجھے ملاقات کی اجازت دیجئے۔ پہلی ملاقات ہی میں اس نے اندازہ کرلیا کہ عورت بہت اولوالعزم ہے اور اپنے پیروؤں پر زبردست اثر رکھتی ہے

کر لڑکر کامیابی پانا غیر ممکن ہے حسین و نوجوان ہے۔ اس لئے حسن و عشق کا کھیل کھیلنا چاہیئے اس نے کہا کہ آپ تنہا مجھ سے ملئے تاکہ دونوں مشورہ کر کے کوئی اعلان کر دیں سجاح کے رضامند ہو جانے پر اس نے اپنے خیمہ کو آراستہ کرنے اور اس تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جس سے فوری طور پر جذبات نفسانی میں ہیجان پیدا ہو جائے۔ اس نے خوشبوؤں سے اسے خوب بسایا اور سجاح کو ایک نرم و گداز گدے فرش پر جگہ دی پھر بولا فرمایئے آپ پر کیا وحی نازل ہوئی ہے۔ سجاح پھر عورت تھی اور مہمان کی حیثیت رکھتی تھی۔ بولی پہلے آپ فرمائیں۔ اتنی ہی بات سے اس نے سمجھ لیا کہ سجاح کی نسوانیت سے پورا کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے سجاح کی نسوانیت کی رعایت اور تنہائی کے پیش نظر وہ ایسی موضوعات سنائیں جو جذبات نفسانی کو ہیجان میں لانے والی اور اس کی رگہائے شباب کی چٹکیاں لینے والی تھیں۔ آراستہ خیمہ عطروں اور خوشبوؤں کی لپٹیں۔ گدگدا فرش تنہائی کا عالم شہوانی گفتگو سجاح پر بھی مستی طاری ہو گئی اور اسی وقت اس پر ایمان لے آئی اور طے ہو گیا کہ دونوں شادی کر کے اور مل کر پورے عرب پر قبضہ کر لیں چنانچہ اسی وقت شادی ہو گئی۔ اور دونوں تین دن متواتر ساغر وصل سے سرشار خیمہ میں پڑے رہے۔

مسیلمہ نے فجر و عشاء کی دو نمازیں مہر میں معاف مہر میں نماز معاف کر دیں اور ارض یمامہ کا ایک سال کا محصول نقد دیکر کہا کہ اب تو آپ واپس چلی جائیں۔ مدینہ والوں سے میں نمٹ لونگا سجاح نے سمجھ لیا کہ اب مسیلمہ کی فتح میری ہی فتح ہے۔ وہ عراق کو واپس چلی گئی۔ مسیلمہ نے اسلامی لشکر سے مقابلہ کیا جس کے سپہ سالار حضرت خالدؓ تھے۔ یمامہ میں بڑی خونریز و خوفناک جنگ ہوئی۔

مسیلمہ بڑی جرأت کے ساتھ لڑا اور اسکا غلبہ نظر آنے لگا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی لاج رکھ لی مسیلمہ مارا گیا اور حضرت خالدؓ کو فتح ہوئی۔ اس کے کچھ روز بعد دوسرے مدعیان نبوت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب اسلام پھر عرب کا واحد اور فرمانروا مذہب تھا۔ سجاح مدت تک خاموش بیٹھی رہی آخر حضرت معاویہؓ کے عہد میں بتوفیق ایزدی اس نے اور اس کے تمام قبیلے نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد سجاح کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو گیا اور اس نے اپنی بقیہ زندگی پورے زہد و اتقا کے ساتھ بسر کی۔ صوم و صلوٰۃ کی پابند رہی۔ بصرے میں انتقال ہوا۔ سجاح کا نام اس کے دعویٰ نبوت کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہو گیا اور واقعی وہ بہت حوصلہ مند و باہمت عورت تھی۔ اگر مسیلمہ اس کی نسوانیت کی رگ کو نہ پکڑتا تو بہت ممکن تھا کہ وہ اسے بھی شکست دیکر مدینہ کے قریب پہنچ جاتی اور حضرت خالدؓ کو اس سے لڑنا پڑتا۔ دنیا میں صرف سجاح ہی وہ عورت تھی جس نے اتنی بڑی اور خوفناک جرأت کی۔

کاہنہ افریقہ

افریقہ کی اولوالعزم و غارتگر ملکہ

خاندانی حالات یہ عورت بھی تاریخ اسلام میں بہت بڑی شہرت کی حامل ہے۔ یہودی المذہب تھی اور کہا جاتا ہے کہ اس کی تمام قوم کی قوم بھی یہودی مذہب ہی رکھتی تھی۔ ایک بڑے معزز سردار ثابت بن تیفان کی بیٹی تھی اور اس کا شوہر قبیلہ زناتہ کے ایک نامور

خاندان جراوہ کا سردار تھا۔ اس کا نام تو دہیہ تھا۔ مگر تاریخ میں کاہنہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ بربری قبائل میں رہتی تھی۔ یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کن علوم میں دخل رکھتی تھی اور اس نے کتنی تعلیم پائی تھی۔ البتہ اتنا سب کو معلوم ہے کہ اس نے علم کہانت اور سحر و نیرنگ میں اس درجہ کمال پیدا کر لیا تھا کہ وہ اکثر ہونے والے واقعات و امور کو پہلے سے بتا دیا کرتی تھی اور بہت سی خبیث ارواح اس کے قبضہ اقتدار میں آگئی تھیں۔ یہی کہانت اور جادو کی بدولت اس نے لوگوں کو اپنا معتقد و گرویدہ بنا کر اتنی ترقی کر لی کہ وہ تمام شمالی افریقہ کی مالک و ملکہ بن گئی اور ہر طرف اس کی سطوت و فرمانروائی کے ڈنکے بجنے لگے۔

یہ اطمینان کے ساتھ اپنے قبیلہ میں مرکز عقیدت بنی بیٹھی تھی کہ اسلامی لشکر کا سیلاب افریقیہ سے نہ صرف یہ کہ رومی سطوت و اقتدار کو بہا لے گیا بلکہ اس نے بربری فرمانروا کو بھی اپنے گرداب میں لیکر فنا کر دیا۔

تدبر اور سیاسی فراست

بربری فرمانروا اکسیلہ کے قتل ہوتے ہی تمام بربری اور باطنی افریقی قبائل نے جوش عقیدت میں کاہنہ کو بہت عقیل و دانا اور بہادر و مستند خاتون سمجھ کر اسے اپنی ملکہ تسلیم کر لیا اور اس نے تمام شمالی افریقہ کی مالک بنکر ایک خطرہ عظیم کی صورت اختیار کر لی۔ کاہنہ بڑی مدبرانہ اور اعلیٰ ڈپلومیٹ تھی۔ اسی نے سنہ ۔۔ھ میں حضرت عقبہ کو کسیلہ کے ذریعہ تدابیر بتا کر شہید کرایا تھا۔ اور جب زہیر بن قیس نے کسیلہ کو قتل کیا ہے تو اسی نے ان کے خلاف تمام رومیوں اور بربریوں میں ایک جوش پیدا کر کے انہیں بھی شہید کرایا گویا ہر قدم پر سب کا خاتمہ کرا کر اس نے اپنے لیے میدان صاف کر لیا۔ نہ رومی رہے اور نہ بربری فرمانروا اور مسلمانوں کے جو جرنیل آگے بڑھے وہ بھی شہید ہو گئے اور افریقہ کی ملکہ بن گئی۔ واقعی یہ بڑے تدبر و فراست

کا کام تھا جس کو اس نے انتہائی کیا دہی کے ساتھ انجام دیا۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان ایک بہانی جادوگرنی کی یہ جرأت دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے فوراً حسان بن نعمان غسانی کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا۔ لیکن کاہنہ اس جوش و دلیری کے ساتھ لڑی اور اپنی فوج کو لڑایا کہ اسلامی لشکر کو تباہ کن شکست ہوئی اور بے شمار مسلمان شہید ہو گئے اور ہزارہا قیدی بن گئے۔

ظلم و سفاکی

یہ عورت سخت ظالم تھی مگر کچھ اللہ کا فضل ہی تھا کہ اس نے تمام قیدی چھوڑ دیئے اور صرف ایک خوش جمال اور بہادر عربی نوجوان خالد بن یزید کو ان کی بہادری سے خوش ہو کر اپنے پاس رکھ لیا اور بیٹا بنا لیا۔ حسان شکست کھا کر برقہ چلے آئے اور پانچ برس کے انتظام و تیاری کے بعد اس کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا۔ لوگ اس عرصہ میں ملکہ کے مظالم سے عاجز آ گئے تھے جس کا پتہ حسان کو خالد بن یزید کے ذریعہ چل گیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے اسلامی جاسوسوں سے کہہ دیا تھا کہ موقعہ اچھا ہے فوراً حملہ کر دیا جائے۔

کاہنہ کی سفاکی اور ظلم کا ثبوت اس امر سے مل سکتا ہے کہ اس نے عربوں کے حملہ کی خبر سنکر فرمایا۔ جانتی ہوں کہ یہ لوگ سیم و زر کے حریص ہیں انہیں تو اس کی آرزو ہے اور ہمیں اپنی چراگاہوں اور کھیتوں کی حفاظت مقصود ہے۔ میں خود ہی تمام شہروں کو اجاڑے دیتی ہوں کہ پھر انہیں ادھر رخ کرنے کی کوئی تمنا ہی نہ رہے۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج سے تمام شہر اور قصبے لٹوا کر ویران کر دیئے اور رعایا کو بدحواس اور پریشان کر دیا۔ اس بدبخت عورت کو بہبود عوام کا کوئی خیال ہی نہ تھا اور نہایت ظالمانہ حکومت کر رہی تھی اس لئے ساری رعایا اس سے نالاں تھی۔

عربوں کی دلیرانہ یورش اب حسان جو آگے بڑھے تو جہاں جہاں پہنچے لوگوں نے کاہنہ کے ظلم کے خلاف فریادیں شروع کر دیں۔ کاہنہ نے اپنے دونوں بیٹوں اور خالدبن یزید کو بلا کر کہا مجھے علم ہو گیا ہے کہ اس یورش میں میری جان جائیگی تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ تم پہلے سے اسلامی لشکر میں پہنچکر خود ہی امان حاصل کر لو اور اپنی جانیں بچالو یہ تو اُدھر چلے گئے اور ادھر اس نے صف بندی شروع کی۔ لڑائی ہوئی اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ ہوئی۔ بربروں میں تو اس کے ظلم و سفاکی کے باعث پہلا سا جوش باقی نہ رہا تھا اور نہ وہ اس کے لئے دل سے لڑنا چاہتے تھے لیکن اس کی دلیرانہ کارروائیوں نے انہیں بھی جوش دلا دیا۔ بڑی جرأت کے ساتھ لڑی اور آخر تک برابر تلوار چلاتی رہی۔

آخر عربوں نے ان سب کو تلواروں پر رکھ لیا اور بے تحاشا قتل شروع کر دیا۔ میدان جنگ میں ہر طرف لاشیں ہی لاشیں نظر آنے لگیں۔ مسلمان سمجھتے تھے کہ جب تک کاہنہ زندہ ہے اس وقت تک لڑائی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انہوں نے ہجوم کر کے اسے گھیر لیا اور تلوار سے خاتمہ کر دیا۔

بربروں میں شعاع اسلام کاہنہ کے مرتے ہی سارا افریقہ مسلمانوں کے سامنے پڑا ہوا تھا اور اب کسی میں حوصلہ نہ تھا جو ان کے مقابلے میں کھڑا ہو سکے۔ ہر طرف اسلامی حکومت قائم ہو گئی اور کفر و ظلم کی تمام تاریکیاں دور ہونے لگیں۔ افریقی اور بربروں کے مطیع کرنے میں مسلمانوں کو چونکہ بڑی بڑی قربانیاں کرنی پڑی تھیں اور نہ صرف عقبہ اور زہیر جیسے جانبازان اسلام نے جام شہادت نوش کیا تھا بلکہ بیشمار مسلمان بھی شہید ہوئے تھے اور

اور ایک مدت کے بعد انہوں نے قبضہ حاصل کیا تھا۔ اس لئے اب یہ انتظام کیا گیا کہ بربروں کی بدامنی و بغاوت فرو کرنے کے لئے بارہ ہزار بربری نوجوانوں ہی کی ایک جرار فوج مرتب کر کے سرکوبی پر مامور کر دی گئی جس کی وجہ سے پورا امن ہو گیا اور پھر کسی کو سر اٹھانے کی جرات نہ رہی۔ کاہنہ بہت حسین و خوبصورت اور بہت دلیر و جری عورت تھی۔ وہ بڑی بہادری اور جانبازی کے ساتھ لڑتی رہی اور حکومت بھی کافی مدت کی۔ مگر تھی بہت جابر و ظالم۔ اس لئے تاریخ میں اس کا نام سیاہ حروف میں لکھا ہوا ہے اور کسی کے پاس اس کے لئے کوئی کلمہ خیر نہیں۔

نازنینان بنی عذرا

برسات کا عذری چاند

حسن و جمال اور تعلیم و تربیت یہ لڑکی حسن و رعنائی اور قیامت خرامی و نازنینی میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی کہ عرب کے مشہور قبیلہ بنی عذرہ کی چشم و چراغ تھی جس کے حسن و عشق کی داستانوں سے عربی ادب لبریز پڑا ہے اور جس میں فی الحقیقت ایسے دلربا، حسین اور شریف و ذی ہوش عاشق پیدا ہوئے جن کے سامنے قیس و فرہاد کی داستانیں بالکل بے کیف ہو کر رہ گئیں اور اس میں وہ جمال نازنین پیدا کیں جن کی ایک نگاہ بڑے بڑے فرمانرواؤں کو بسمل بنا کے رکھ دیتی اور بڑے بڑے قوی دل افراد کو دیوانہ بنا دینے کے لئے بہت کافی سے زیادہ مؤثر تھی۔ یہ گلعذار دوشیزہ صفوان بن وائلہ عذری کی دختر تھی اور اپنے صوری و معنوی محاسن کے اعتبار سے قبیلے بھر میں ممتاز

و یگانہ خیال کی جاتی تھی. ظریفہ نام تھا. گھر میں اللہ نے سب کچھ دیا تھا. بڑے ناز و نعم کے ساتھ پلی تھی اور بزرگوں کی توجہ و تربیت سے وہ فصاحت و بلاغت شعر و شاعری اور عقل و دانائی میں بھی ممتاز ہو گئی تھی اور تمام قبیلہ اسے محبت و شفقت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

ہرن کے شکاری دل شکار

وقت کی بات تھی قسمت میں نامراد موت سے ہم آغوش ہونا مرقوم ہو چکا تھا. ایک دن قبیلے کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی ہنستی بولتی اور چہلیں کرتی ہوئی دور ایک چشمہ پر پہنچ گئی اور لڑکیاں تو پانی میں اتر کے نہانے کھیلنے اور پانی پینے میں مصروف ہو گئیں ظریفہ الگ ہٹ کے ایک بلند مقام پر تنہا بیٹھ گئی، اور اپنے آرزو انگیز بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ بلا کی حسین تھی جس وقت وہ بالوں کو چہرے پر سے ہٹاتی یہ معلوم ہوتا کہ "برسات کا چاند" ہے جو ابر مطیر کے ٹکڑے ہٹا کر ابھی ابھی رونما ہوا ہے. اسی حسن پرور قبیلہ کا ایک اور شریف نوجوان زرعہ بن خالد عذری بھی کمان میں تیر چڑھائے اور گھوڑا دوڑائے ایک ہرن کے تعاقب میں ادھر آ نکلا. ظریفہ کے چہرہ زیبا پر نظر جا پڑی. بجلیاں کوند گئیں. دل پر ایک تیر لگا. ایک ہلکی سی آہ کی اور بیہوش ہو کر دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

ظریفہ ایک شریف النفس اور فیاض طبع دوشیزہ تھی. صورت حالات کو سمجھ تو گئی مگر طبعی شرافت سے کام لیکر اٹھی. ترحم کیا اور زرعہ کے منہ پر پانی چھڑک کر اسے ہوش میں لے آئی. عرب میں ہنوز آفتاب مدنیت کی روشنی پوری درخشانیوں کے ساتھ نہ پھیلی تھی. بدویت کی سادگی موجود تھی. ظریفہ دیر تک باتیں کرتی رہی. نام اور وجہ غشی دریافت کی اور اس کے بعد ساتھ والی سہیلیوں کی بدگمانی کے اندیشے سے جھٹ واپس آ گئی حالانکہ دل کو یہ گوارا نہ تھا۔

حسین بالوں کی ایک لٹ

زرعہ بیمارِ عشق ہو گیا تھا۔ جوں توں کر کے گھر پہنچا۔ چین کہاں صاحبِ فراش ہو گیا۔ مختلف عوارض و امراض نے گھیر لیا۔ ہر چند سعی و تدبیر کی گئی مگر زرعہ کی حالت نہ سنبھلنی تھی اور نہ سنبھلی۔ ایک روز اُس نے ماں کو پریشان دیکھ کر صاف کہہ دیا کہ کیوں وقت اور روپیہ کی اضاعت کر رہی ہو۔ میں مریضِ عشق ہوں جس کی دوا دنیا میں وصالِ محبوب کے سوا اور کوئی نہیں۔ اور یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ ماں کی محبت مشہور ہے اسے کب صبر ہو سکتا تھا وہ سب کچھ رسم و قاعدہ جانتے ہوئے بھی ظریفہ سے تنہائی میں ملی۔ قدموں پر گر گئی اور کہا۔ تم ہی میرے بیٹے کے مرض کی دوا ہو۔ خدا کے لئے کچھ کرو اور ایک لمحہ کے لئے چل کر تسلی دے آؤ۔ ظریفہ بیقرار ہو گئی اور چشمِ پُرنم بولی میں اس سے زیادہ اس سے ملنے کے لئے بیتاب ہوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں اپنی نسوانیت و حیا اور رسوائی و بدنامی سے ڈرتی ہوں۔ میں چلی بھی گئی اور کسی نے دیکھ لیا تو لوگ زرعہ کے دشمن ہو جائیں گے البتہ میں اپنے بالوں کی ایک لٹ تراش کر آپ کو دیئے دیتی ہوں زرعہ کے لئے یہ لٹ تسکین و افاقہ کا باعث ہو سکے۔

زرعہ کے ہاتھ میں موہائے محبوب جب پہنچے تو آنکھیں کھل گئیں۔ دل کو قرار سا آ گیا۔ حالت سنبھلنے لگی۔ جب طبیعت بگڑنے لگتی انہیں سونگھ لیتا۔ دیکھ لیتا۔ آنکھوں سے لگاتا۔

سنسان سبزہ زاروں میں ملاقاتیں

اس کے لئے خیمہ کے قریب چشمہ پر سنسان سبزہ زاروں میں چُھپی چوری باتیں اور ملاقاتیں ہونے لگیں۔ مگر یہ راز آخر کھل گیا۔ اور قبیلے والے زرعہ کی جان کے دشمن ہو گئے جس کی وجہ سے اُسے بھاگ کر یمن میں پناہ لینی پڑی۔ عرب لوں میں . .

دنیا جہان سے نرالا یہ دستور قائم ہو گیا تھا کہ جوڑ کتنا ہی موزوں ہو۔ عاشق معشوق ایک ہی خاندان کیا ایک ہی گھرانے کے ہوں۔ پارسا اور شریف ہوں لیکن جہاں یہ شبہ بھی ہوا کہ دونوں میں عاشقانہ رجحان بھی موجود تھا پھر قیامت تک ان کی باہمی شادی نہ ہو سکتی تھی کہ ایسی شادی قبیلے میں جبر سے ناک آلودہ ہو جانے کے مترادف سمجھی جاتی تھی۔ اس دستور کے تیغ پر بہت سے بڑے شریف نوجوان اور ماہ پیکر نازنین ذبح ہوئیں اور صدیوں تک ہوتی رہیں۔ زرعہ ترشی ہوئی کاکل محبوب کو تکیہ دیکھ کر غریب الوطنی میں اپنی زندگی کے دن گزار رہا تھا کہ فلک بے مہر نے یہاں بھی اس سے چھین لئے اور اس کی حالت پھر بگڑنے لگی۔ اس نے شورش ہجر میں بڑے بڑے دلدوز اشعار موزوں کئے جو ظریفہ تک بھی پہنچ جاتے اور وہ بھی اسی قسم کے موثر اشعار جواب میں کہتی۔ اتنے میں زرعہ کو خبر ملی کہ ظریفہ کی شادی ہو گئی۔

کشتۂ عشق کی موت

اس شادی کی خبر سنتے ہی وہ زمین پر گر کر تڑپا اور تڑپتے تڑپتے بیہوش ہو گیا۔ ایسا بیہوش کہ پھر اس کی آنکھ نہ کھلی۔ ظریفہ پر بھی زرعہ کے عشق کی آگ نے پوری سوزش طاری کر دی تھی۔ وہ رخصت ہو کر چلی تو گئی مگر شبانہ روز اس پر ایک شورش غم طاری تھی۔ اس نے شوہر کو بھی ہاتھ نہ لگانے دیا۔ اس کیفیت میں اور طاری تھی۔ ایک روز رخصت شب کے وقت وہ گھر سے خاموشانہ نکلی اور بیابان عشق میں ایک چشمے کے گہرے پانی میں چھلانگ مار دی اس لئے کہ اسے زرعہ کے انتقال کی خبر مل چکی تھی اور اس کے بعد اسے دنیا میں ایک لحظہ رہنا بھی گوارا نہ تھا۔ اسے علم نہ تھا کہ اس کا شوہر سائے کی طرح پیچھے لگا ہوا ہے اس لئے فوراً اسے پانی سے نکال لیا۔ لیکن ظریفہ اب جینے والی نہ تھی چند ہی روز میں یہ سپارہ فراق زرعہ میں تڑپ تڑپ کر مر گئی اور وہیں مدفون ہو گئی۔ کچھ دن بعد کچھ لوگ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے اس کی

لاش قبر سے نکال کر زرعہ ہی کے پہلو میں بیجا کر دفن کر دی۔ اس طرح یہ دو شریف اور پاکباز اسیر عشق جو زندگی میں رسم و رواج عرب کے مطابق لذت وصال سے محروم رہ گئے تھے مرنے کے بعد ایک ہو گئے اور پہلو بہ پہلو ابدی نیند سو گئے۔ قبیلہ والوں میں ان کی جوانمرگی اور عشق کا چرچا مدتوں تک رہا۔

نہال عرب کی گل عفرا

خاندانی حالات عفرا بھی عرب کے زندہ دل اور نازک خیال قبیلہ عذرا ہی کے گلشن حسن کا ایک نو شگفتہ پھول تھا جو کھلتے ہی عشق کی باد سموم کے تیز و تند جھونکوں کی نذر ہو گیا۔ جس وقت یہ پھول اپنی پوری رنگینیوں اور نکہت بیزیوں کے ساتھ شگفتہ ہوا ہے تو قبیلہ میں ہر طرف ایک دھوم مچی ہوئی تھی اور اس کے رعنائی جمال اور رنگینی حسن کے چرچے ہر کہ و مہ کی زبان پر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اسے حسن و نازنینی کے ساتھ ذہن و ذکاوت بھی بلا کی ملی تھی۔ بہت جلد شعر و سخن ادب خطابت اور فصاحت و بلاغت میں کمال پیدا کر لیا۔

اس کے باپ مہاصر کے دو اور بھائی حزام اور سعید تھے۔ مہاصر کے صرف ایک لڑکی عفرا ہی تھی اور حزام و سعید کے ایک بیٹا عروہ اور اتنا ہی تھا۔ سعید اپنے اہل و عیال کو لیکر بلقا چلا گیا اور حزام کا انتقال ہو گیا جس کا بیٹا عروہ اپنے چچا مہاصر کی تولیت میں پرورش پانے لگا۔ چونکہ عفرا اور عروہ ایک ہی گھر میں ساتھ ساتھ رہتے اور پرورش پاتے تھے اس لئے شباب کی حدود میں قدم رکھتے ہی دونوں میں عشق ہو گیا۔ تھے دونوں شریف اس لئے اپنی محبتوں کو دلوں میں چھپائے رہے۔ ایک روز بیتابی جو بڑھی اور جوش عشق نے بیقرار جو کیا تو عروہ گنگنا اٹھے ...

شفیق چچا کے پاس پہنچا اور مودبانہ لہجہ میں کہا چچا جان! اگر آپ عفرا کا بیاہ میرے ساتھ کردیں تو بہت ممنون ہوں گا۔ چچا نے باپ بن کر عروہ کو پرورش کیا تھا اور اس سے بہت محبت کرتا تھا اسی لئے وہ بھتیجی کی اس سادگی اور بے تکلفانہ استدعا سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ بیٹا مطمئن رہو عذرا کا بیاہ تمہیں سے کرونگا کہ وہ میری بیٹی ہے اور تم میرے بیٹے ہو۔

قیامت خرامی کا دلبر وار

عروہ چچا کے اس اطمینان بخش جواب سے بہت خوش ہو کر دوڑا دوڑا عفرا کے پاس گیا اور یہ مژدہ جاں بخش سنایا۔ عفراء کی مسرت کی بھی کوئی انتہا نہ تھی دونوں تمناؤں اور آرزوؤں کے آغوش میں کھیل رہے تھے۔ بہت بشاش تھے اور مستقبل کے شاندار ہونے کی مسرتیں انہیں دیوانہ بنائے ہوئے تھیں چند روز بعد مہاصر نے کچھ مال تجارت عروہ کے حوالہ کیا اور ایک کاروان تجارت کے ساتھ کردیا جو شام جارہا تھا۔ عروہ کا دل تو نہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ناز آفریں محبوبہ سے جدا ہو۔ مگر شفیق چچا کا حکم تھا۔ جس کی محبت و شفقت کے ساتھ بہت سی آرزوئیں اور امیدیں وابستہ تھیں۔ پھر یہ کوئی ایسی بات بھی نہ تھی۔ عروہ چلا گیا۔ عروہ شام میں بیٹھا ہوا تصور آغوش محبوب کے مزے لے رہا تھا اور عفرا ادھر بشاش بشاش تھی کہ اب کچھ دن بعد عروہ واپس آجائیگا اور پھر دونوں کی زندگی اطمینان و مسرت کے ساتھ گذرے گی۔ اسی دوران میں حج کا موسم آگیا اور اثامہ حج کے لئے بلقاء سے آکر اپنے چچا مہاصر کے یہاں مقیم ہوا۔ مہاصر نے بھی بھتیجے کی خاطر و تواضع کی اور عزت کے ساتھ رکھا۔

ایک روز عذرا سبز دھانی پوشاک میں ملبوس اپنے خیمے سے نکلکر دوسرے خیمہ میں گئی اور پھرتی کے ساتھ سامنے سے گذر گئی۔ اثامہ اس کی مستانہ خرامی گلعذاری اور حسن و شباب دیکھکر از خود رفتہ ہو گیا۔ حالت ہی اور ہو گئی

اور صبر و قرار جاتا رہا۔ اس نے کچھ سوچا اور سوچنے کے بعد عفرا کو اپنا پیغام محبت دیا۔

دولت کے مذبح پر حسن کی قربانی

دنیا میں افلاس و عسرت اور دولت و امارت کا امتیاز ہمیشہ قائم رہا ہے۔ غریبی کی طرف کوئی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا مگر امیری کی طرف خواہ مخواہ نظر اٹھ جاتی ہے۔ مہاصر نے دیکھا کہ اثامہ کی مالی حالت بہت بہتر ہے اور وہ وسیع کاروبار کا مالک ہے اور عروہ ایک غریب باپ کا بیٹا اور خود اسکا دست تنگ ہے۔ اس نے جھٹ پیغام منظور کر لیا۔ اثامہ نے اسی وقت مہر کی رقم ادا کی۔ نکاح کیا اور اس غزال رعنا کو ساتھ لیکر بلقاء کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ ہی میں اُسے عروہ کا قافلہ ملا۔ دیکھا کہ اثامہ دولہا بنا چلا جا رہا ہے۔ ماتھا ٹھنکا کسی نے کہا عروہ دیکھتے کیا ہو۔ تمہاری محبوبہ کی شادی ہو گئی اور وہ سامنے کی محمل میں ہے عروہ بدحواس ہو کر دوڑا ہوا پاس آیا اور محمل کا پردہ اٹھا کے کہا عفرا۔ یہ بے مروتی۔ عفرا کے پاس آنسوؤں کے ایک سیلاب کے سوا اور کچھ نہ تھا عروہ مایوس ہو کر چلا آیا اور گھر آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ ہزار علاج کئے گئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

قبیلہ والوں نے خیال کیا کہ اس پر کسی نے سحر کر دیا ہے چنانچہ وہ اسے ایک مشہور معالج سحر و جنون ابو کحلا کے پاس یمامہ لے گئے اس نے اپنی کوئی تدبیر کارگر نہ دیکھکر کہا کہ نہ اسے کوئی مرض ہے اور نہ اس پر کسی کا سایہ ہے میرے نزدیک یہ شکار عشق ہے۔ جواب صاف پا کر لوگ لے واپس لے آئے اور حالت پھر بگڑنی شروع ہو گئی۔ ہر وقت ایک جنون طاری رہنے لگا۔ اب تک کسی کو بھی یہ پتہ نہ تھا کہ وہ کس کے عشق میں مبتلا ہے اور کس کی نگاہ ناز نے اسے بسمل بنا گئی ہے۔ کیونکہ عروہ نے اپنی شرافت طبع کے باعث کسی سے اسکا ذکر نہ کیا تھا اور تمام صدمے اپنی

اپنی تنہا جان ہی پر برداشت کر رہا تھا۔

عشق و وارفتگی کی جنوں خیزیاں

عروہ خیمے سے باہر تھا۔ ایک اونٹنی کا نام بھی عفراء تھا
کسی نے یہ نام لیکر پکارا جسے سنتے ہی عروہ کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور بیہوش ہوگیا۔ اب راز فاش ہوگیا اور تمام قبیلے کے لوگ اصلیت سے واقف ہوگئے۔ عروہ کی شاعری بھی زوروں پر تھی مگر کیا مجال جو زبان پر کبھی عفراء کا نام آیا ہو۔ ایک غیر معلوم معشوقہ پر اظہار عشق کرتا رہتا تھا۔ دل کی بیتابیوں نے مجبور کردیا تو بولا۔ آپ لوگوں نے تمام تدابیر کرلیں۔ اب ذرا ایک تدبیر یہ بھی کرو کہ مجھے تبدیل آب و ہوا کے لئے بلقاء لے چلو۔ لوگ اسے بلقاء لیچلے جونہی عروہ نے گھر سے باہر قدم نکالا ہے طبیعت سکون پذیر ہونی شروع ہوگئی۔ بلقاء میں عفراء کے گھر کے قریب ہی گھر لے لیا اور آتے جاتے اس کی صورت دیکھکر جینے لگا۔ کسی نے اثامہ سے جا لگائی کہ بدمعاش عروہ آپ کی بیوی کا عاشق ہے اور یہیں رہتا ہے۔ اثامہ بھی بہت نیک نفس اور شریف نوجوان تھا۔ بولا خاموش رہو کیوں کسی پر تہمت لگاتے ہو وہ تو میرا بھائی ہے۔ کچھ دیر بعد وہ عروہ سے جاکر ملا اور کہا بھائی میرے ہوتے تم ہرگز علیحدہ نہیں رہ سکتے ہیں تمہیں ضرور گھر لیجاکر رکھونگا۔ عروہ سے یہ کہاں ہوسکتا تھا کہ وہ ایک ہی گھر میں رہے اور اپنی محبوبہ کو دوسرے کے آغوش میں دیکھے اور وہ اس طرح رہنے کو شرافت کے خلاف بھی سمجھتا تھا۔ کسی بہانہ سے اثامہ کو ٹالکر خفیہ طور پر بلقاء سے نکل گیا۔ حالت پھر بگڑنی شروع ہوگئی اور "وادی القرے" میں دم توڑ دیا۔ عفراء عروہ کی موت کی خبر سنکر شوہر کے پاس آئی اور کہا کہ مجھے عروہ کی قبر پر چار آنسو بہانے کی اجازت دیدیجئے۔ شوہر نے اجازت دیدی۔ قبر پر پہنچی آنسو بہائے اور وہیں شدت غم سے قلب پھٹ گیا اور اپنے عاشق کے برابر ہی [illegible] ہوئی

کرشمۂ عشق دیکھئے کہ کچھ مدت بعد دونوں قبروں سے دو درخت اُگے ایک دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھ کر اس طرح بغلگیر ہوگئے کہ اُن کی ہم آغوشی شاخیں علیحدہ کئے بھی علیحدہ نہ ہوتی تھیں۔ یہ واقعہ عہد عثمانؓ کا ہے۔ مسلمانوں میں اس عشق صادق اور کرشمۂ عشق کی بڑی شہرت ہوئی لوگ دور دور سے "وادی القرلے" میں آتے اور اُن کی قبروں کی زیارت کرتے۔ یہ حالت تھی کہ جو بھی زیارت کو جاتا اور چند منٹ وہاں ٹھہرتا تو اُن کے قلب پر اتنا اثر پڑتا کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

محبوبۂ عرب

حسن و شباب کی عنایاں

یہ ماہ طلعت اور حور جمال قبیلہ بنی عذرہ کے ایک معزز اور دولتمند گھرانے کی چشم و چراغ اور ایک سردار حتیا کی لڑکی تھی۔ عرب جب کہ دراصل تمدن و تہذیب سرعت و تیزی کے ساتھ طے کر رہا تھا اور اس کی دولت و ثروت اور حشمت و عظمت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا۔ اس لئے اسکا خاندان بھی متمدن اور دولتمند بن گیا تھا اور اس نے علوم متداولہ میں بھی کمال پیدا کر لیا تھا۔ تقریر و خطابت میں عدیم النظیر فصاحت و بلاغت میں محسود عرب، شعر و سخن میں طاق، دینداری واتقا میں مشہور اور حسن و جمال میں لاثانی تھی۔ یہ عالم تھا کہ اس کا چہرہ مثل ماہِ شب چہار دہم درخشاں رہتا تھا۔ آنکھوں میں وہ جادو تھا کہ جدھر نظر پڑتی تھی ایک حشر برپا ہو جاتا تھا۔ نہایت شیریں اور سحر نگاہ، گلعذار اور قیامت خرام تھی۔ اور اس کے حسن و شباب کی فتنہ خیزیوں اور عالم آشوبیوں کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا۔ نام تھا ثبینہ۔ اسی ثبینہ کے عشق و وارفتگی نے جمیل کو عہد بنی امیہ کا سرآمد روزگار شاعر بنا دیا تھا۔

یوں تو عرب کا چپہ چپہ حسن و عشق کی تجلیوں سے وادیٔ ایمن بنا ہوا تھا اور اس خطہ کا تقریباً ہر شاعر عاشق اور ہر عاشق صدق و وفا کا ایک پیکر جلیل تھا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ بثینہ کے عشق کی بیقراریوں ہی نے جمیل کو عہد بنی امیہ کا ایک مشہور اور نامور شاعر بنا دیا اور درباروں تک اس کی پر جوش شاعری کی شہرت پہنچ گئی۔

چھیڑ میں دل کی نذر

حسن و عشق کے کھیل بھی بالکل عجیب اور ندرت خیز ہیں۔ بقول غالب یہ آگ ہی کچھ ایسی ہے کہ نہ لگائے لگتی ہے اور جب لگ اٹھتی ہے تو بجھائے نہیں بجھتی۔ کوئی بات نہ تھی۔ کوئی دلفریب منظر نہ تھا۔ کوئی حسن خیز نظارہ نہ تھا جس نے یک بیک جمیل کو اسیر پنجہ عشق بنا دیا۔ جمیل کوئی بہت بڑا آدمی نہ تھا۔ ایک معمولی حیثیت کا نوجوان تھا ایکروز اپنی سانڈنیوں کو چراتا ہوا علاقہ بغیض کی ایک پر آب وادی میں نکل آیا۔ انہیں چرنے کے لئے چھوڑ کر خود ایک جگہ سر سبز گھاس کے مخملیں فرش پر دراز ہو کر گنگنانے لگا اتفاقاً دوسری طرف سے بثینہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ پانی کی طرف آئی سانڈنیاں بیٹھی ہوئی جگالی کر رہی تھیں بے بات محض اپنی شوخ مزاجی سے اس نے سانڈنیوں کو کچھ اس طرح چھیڑا کہ وہ بھڑک کر ادھر ادھر بھاگ اٹھیں جمیل کو صورت واقعہ کا کوئی علم نہ تھا وہ اپنی سانڈنیوں کو بھڑک کر بھاگتا دیکھکر گھبرایا ہوا اٹھا اور غضبناک ہو کر ڈانٹتے ہوئے کہا کہ یہ کون بدبخت و شریر تھا جس نے میری سانڈنیوں کو چھیڑ دیا۔

یہ تلخ خطاب سنتے ہی بثینہ برہم و برافروختہ ہو گئی اور سامنے آ کر جوش غضب میں جو منہ میں آیا کہہ سنایا اور لتے لے ڈالے "وادی القرے" کا سر سبز و شاداب میدان دلفریب منظر۔ صبح کا سہانا وقت اور پھر اس مہ پارہ کی غضبناک کڑک! قلب پر بجلیاں گر پڑیں اور صبر و قرار کا

خرمن آن کی آن میں جلکر خاکستر ہو گیا۔ ادھر تو شعلے بھڑک اٹھتے تھے جواب ہی کیا ملتا۔ شبینہ حریف کو مغلوب کو دیکھکر غصہ میں بھری ہوئی فاتحانہ انداز میں آگے چلی گئی اور جمیل اپنی تمام متاع عزیز لٹا کر گھر آیا تو کسی پہلو قرار نہ تھا۔

عاشق سوختہ جگر کی بیتابیاں

عشق و وارفتگی کے جنون میں شاعرانہ احساسات بالعموم پیدا ہو جاتے ہیں جمیل کی بیتابیاں جوں جوں بڑھتیں اس کی شاعری چمکتی جاتی جس میں اس نے پورے جوش وخروش کے ساتھ اظہار عشق شروع کر دیا تھا۔ شدہ شدہ اس کے عشق کی شہرت ہو گئی۔ جمیل کے والدین نے بیٹے کی بیقراریاں اور آہ وزاریاں دیکھکر شبینہ کو پیغام دیدیا۔ جو نہایت ذلت کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا اور ایک اور نوجوان کے ساتھ شادی کر دی گئی۔ اس ہوشربا خبر نے جمیل کو اور بیقرار کر دیا اور اب اس کی شاعری ایک کوہ آتش بار تھی شبینہ کے بھائی حواش نے جمیل کی بہن سے اظہار عشق شروع کر دیا مگر اس انتقامی حرکت میں سچے عشق کا وہ جوش کہاں کسی نے اس کی شاعری کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور جمیل کے طوفان خیز اشعار فضائے بسیط میں تلاطم پیدا کرنے لگے شبینہ ایک پاک باطن پاکباز و عفیفہ لڑکی تھی اور دوسرے کی منکوحہ مگر عشق پر کس کا زور چلا ہے جو اس کا چل جاتا وہ بھی بری طرح متاثر تھی اور ہر وقت اس کے خیالوں تصوروں اور فکروں میں جمیل ہی بسا اور سمایا رہتا تھا صبر نہ ہوا تو ایک روز ہجوم میں عیدگاہ پر اس سے ملی اور وارفتگی کے عالم میں دیر تک دونوں گفتگو کرتے رہے عشق اور حرکات عشق چھپائے بھی نہیں چھپتیں یہ راز بھی فاش ہو گیا اور شبینہ کی آمد و رفت پر کڑی پابندیاں عاید ہو گئیں۔ روکنے والوں نے ہزار روکا۔ نگرانی کرنے والوں نے ہزار نگرانی کی

مگر نہ اُن کا زور بثینہ پر چلا اور نہ بثینہ کا اپنے دلبر۔ چھپے چوری برابر ملتی رہی وہ رات کی تاریکی میں اپنے خیموں کے آس پاس برابر ملتی رہی کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے وہ آجاتی اور اکثر رات بھر عاشقانہ گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔

قتل عاشق کے ارادے

رموز عشق بھی کچھ نوعیت کے حامل ہوا کرتے ہیں۔ ہزار پردوں میں بھی نہیں چھپتے اور تو اور خود عشق اور عاشق ہی انہیں عریاں و بے نقاب کر دیتا ہے۔ ادہر دونوں ملاقات کر کے اپنے گھروں کو پہنچتے اور اُدھر اعزا و اقارب کو خبر ہو جاتی۔ آخر اُنہوں نے تہیہ کر لیا کہ جب اور جہاں دونوں باتیں کرتے ہوئے ملیں بلا تامل انہیں تلواروں پر دھر لیا جائے چنانچہ ایک دفعہ لوگ برہنہ تلواریں لئے ہوئے ادھر اُدھر گھاٹیوں میں چھپ گئے جمیل مردانہ وار سانڈنی پر سوار آیا۔ بثینہ کے دل نے بھی خبر کر دی۔ دونوں میں گفتگوئے محبت شروع ہو گئی چھپے ہوئے لوگ تلواریں لئے ہوئے نکل پڑے جمیل فوراً اپنی صبا رفتار سانڈنی پر سوار ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا اب ایسے واقعات ایک دفعہ نہیں کئی بار پیش آئے۔

دونوں عاشق و معشوق کی ملاقاتیں "وادی القرا" میں ہو کرتیں جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مابین واقع ہے۔ روز بروز پابندیاں شدید سے شدید تر ہو جاتی تھیں۔ لوگوں کا جوش اور دشمنوں کا غصہ بڑھتا جاتا تھا۔ اور جیبہ جیبہ پر اُنہوں نے اپنے جاسوس مقرر و متعین کر رکھے تھے جنہیں ہدایت تھی کہ جمیل کو دیکھتے ہی قتل کر دو۔ جب صورت حالات نے خطرناک شکل اختیار کر لی تو کچھ دنوں ملاقات کا سلسلہ مسدود رہا مگر عشق میں جان کی پرواہ کسے ہوتی ہے۔ ایک روز پھر ملاقات کا وقت

اور جگہ مقرر ہو گئی اور پہاڑ کی ایک گھاٹی میں دونوں نگاہیں بچا کر پہنچ گئے شاعرانہ ملاقات شروع ہو گئی جمیل نے جوش میں آ کر اپنے عاشقانہ اور فراقیہ اشعار سنائے۔ ثبینہ نے اپنی وفا و محبت کا یقین دلایا کہ اسی کی ایک کنیز نے جو کسی امر پر اپنی مالکہ سے برہم تھی اس کے اعزا کو خبر کر دی۔ دونوں نہایت مخفی طور پر ان کے سروں پر جا کر آڑ میں کھڑے ہو گئے اور اُن کی باتیں سننی شروع کر دیں۔ یہ بھی محض ایک اتفاق وقت تھا کہ آج عنوان گفتگو ہی بدلا ہوا تھا۔

حسن و عشق کی عربی پاکبازیاں

جمیل نے ازراہ آزمائش کہا کہ کیا میری آرزو پوری نہ ہو گی۔ ثبینہ نے متحیر ہو کر کہا کہ کیا واقعی آپ کا ارادہ کچھ اور ہے۔ میں دوسرے کی منکوحہ ہوں معصیت سے ڈرتی ہوں۔ یاد رکھیئے اگر آج کے بعد پھر کبھی آپ کے دل میں کوئی برا ارادہ بھی پیدا ہوا تو میری صورت قیامت تک دیکھنے کو ترس جاؤ گے۔ یہ سنتے ہی جمیل کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اُٹھا۔ بولا یہ محض ایک امتحان تھا اگر اس وقت تمہارے قدم کو ذرہ برابر بھی لغزش ہوتی تو میں تلوار سونت کر اسی جگہ تمہارا سر اُڑا دیتا۔ میری محبت بھی ہر قسم کے لوث سے پاک ہے اور میں بھی غضب الٰہی سے ڈرتا ہوں چنانچہ اسی وقت اس مضمون کے اپنے چند پر جوش اشعار بھی سنائے۔ درخت کی آڑ میں چھپے ہوئے ثبینہ کے باپ نے بیٹے سے کہا۔ چلو واپس چلیں یہ دونوں پاکبازان محبت ہیں۔ ان سے تعرض ہرگز مناسب نہیں یہ دونوں اپنے رفقا سمیت چلے گئے اور یہ دونوں رات بھر مصروف گفتگو رہے۔ گو اب اُن کا تو اطمینان ہو گیا۔ مگر قبیلہ والوں کے خیال سے روک ٹوک کرتے رہے مگر یہ نہ رکے اور کسی نہ کسی طرح ملاقات کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ ہزار نگرانیوں پر بھی انہیں موقعہ مل ہی جاتا تھا

آخر اُنہوں نے ام منظور ایک بڑھیا کو نگرانی پر مقرر کر دیا جس نے بڑی خوشامد و منت سے ایک دفعہ تو دیدار کرا دیا۔ مگر پھر ہرگز راضی نہ ہوئی۔ جمیل نے جلکر دو شعر کہے کہ ہائے وہ ساعت بھی مجھے نہ بھولے گی جب اُم منظور نے مجھے بثینہ کا دیدار کرایا تھا،، ان اشعار نے ام منظور کو بے اعتبار کر دیا اور لاکھہ قسموں پر بھی کسی نے اسکا اعتبار نہ کیا۔ یہ بھی عاشقانہ سزا

چرواہے کے بھیس میں ملاقات

جمیل کے یہ دونوں اشعار حضرت مصعب بن زبیرؓ کے گوشزد ہوئے جنہوں نے عائشہ بن طلحہ سے نئی شادی کی تھی اور اس کے عشق میں بیقرار تھے اس وقت وہ حجاز و عراق کے فرمانروا تھے۔ ام منظوم کو بلا کر پوچھا جس طرح تم نے جمیل کو جھلک دکھلائی تھی اسی طرح مجھے میری عائشہ کی بھی جھلک دکھاؤ۔ چنانچہ ام منظور عائشہ کو لیکر ایک جگہ خیمہ کے باہر بیٹھہ گئیں۔ گلے میں ایک ہار ڈالدیا۔ کاکلوں کی چوٹیاں گوندہ دیں مانگ میں صندل بھر دیا۔ خمار سر میں لپیٹنے لگی کہ اس کے اشارہ پر اُدھر سے حضرت مصعب گزرے اور ساونڈنی پر تیکھی انکھیوں سے دیکھتے گذر گئے بولی اسی شان و انداز سے میں نے بثینہ کو دکھایا تھا۔

ہر شخص جمیل کے خون کا پیاسا تھا اور یہاں تاب فراق نہ تھی ایک روز چرواہے کے بھیس میں چلے گئے وہاں کچھ مہمان تھے اُن کی آڑ میں دبکے ہوئے ایک گوشے میں بیٹھہ گئے۔ بثینہ نے پوچھا تو کون ہے۔ عاجزی سے جواب دیا غلام ہوں مگر جب وہ اور اس کی کنیز گوشت بھون بھون کر مہمانوں کو کھلانے لگی تو اس نے ایک شعر پڑھا اس بیکس شکستہ حال کے لئے کیا حکم ہے کیا وہ رات بھر آگ ہی تاپتا رہیگا یا اسے کچھہ نصیب بھی ہوگا۔ بثینہ سمجھہ گئی۔ ایک چیخ نکلی۔ لوگ دوڑے اس نے عجلت سے دوپٹہ آگ میں ڈالکر کہا کہ میں آگ سے ڈر گئی تھی غرض

مہمان تو چلے گئے اور بثینہ رات بھر اس سے باتیں کرتی رہی۔ ایک اور دفعہ رات کو ملاقات ہوئی مگر صبح دونوں پڑ کر غافل ہوگئے۔ برابر کے خیمہ میں شوہر تھا۔ غلام جو شوہر کی طرف سے دودھ لیکر آیا تو اس نے دونوں کو سوتا دیکھا اور جاکر اطلاع کرنی چاہی۔ ایک عورت لیلےٰ نے اُسے روک لیا اور باتوں میں لگا کر چپکے سے خبر کرادی۔ بثینہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور جمیل سے کہا کہ تخت کے نیچے چھُپ جاؤ۔ پاس بہن کو لٹا لیا۔ جمیل تلوار سونت کر لڑنے پر تیار تھا مگر اس نے روک لیا۔ کچھ ہی دیر بعد شوہر تلوار لئے جو آیا تو بہن کے پاس لیٹا دیکھکر نادم ہوا غلام کو برا بھلا کہا اور یہاں دن بھر ملاقات رہی۔

عربی شعرائے عشق کی صدق مقالی

جوشِ عشق دیکھئے کہ جمیل نے پھر آکر اس واقعہ کو بھی منظوم کر کے عرب بھر میں پھیلا دیا۔ بثینہ کے قبیلہ والوں میں سے دو نوجوانوں نے جلد جمیل کی ہجو شروع کردی جمیل نے جواب جو دیا تو چھکے چھوٹ گئے۔ مگر بثینہ ناراض ہوگئی کہ میرے عزیزوں کی مذمت کی جارہی ہے جمیل نے بثینہ کو تو راضی کرلیا۔ مگر ایک اور مصیبت تھی کہ اس علاقے کے والی عامر بن ربعی نے شکایت پر حکم دیدیا کہ جمیل کا خون تمہارے لئے حلال ہے۔ جمیل مجبور ہوکر یمن بھاگ گیا اور عامر کی تبدیلی کے بعد واپس جو آیا تو معلوم ہوا کہ بثینہ کا قبیلہ شام چلا گیا ہے تو وہاں پہنچ گیا اور پھر خفیہ ملاقات شروع ہوگئی۔ جان پر کھیلکر انتہائی خطرات میں پہنچتا۔ ملتا اور واپس چلا آتا۔ جمیل کا والد بھی بہت ذی اقتدار اور دولتمند شخص تھا اور اتنے عرصہ میں اس کی دولت اور رسوخ میں بیحد اضافہ ہوگیا تھا۔ مجبور ہوکر بثینہ کے باپ بھائی جمیل کے کہن سال باپ کے پاس شاکی ہوئے جس نے

بیٹے کو سمجھانے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے جمیل سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ جس سے اظہار عشق کرتے ہو وہ روزانہ دوسرے کی آغوش گرم کرتی ہے میں تمہاری حرکتیں سن سن کر بہت شرمندہ ہوتا ہوں۔ آخر ایسی عورت کے لئے اپنی عمر برباد کرنے میں کیا فائدہ ہے جو دوسرے کی ہو چکی ہے اپنے قبیلہ کی حسین لڑکی سے شادی کر دوں۔ مگر اس لغویت سے باز آؤ۔

جمیل نے کہا کہ اگر اسے بہلا دینا بس کی بات ہوتی تو کبھی کا بھول چکا ہوتا میں تو خود ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ پھر اس نے کچھ ایسے موثر اشعار میں اپنی بپتا بیوں اور مجبوریوں کا نقشہ کھینچا کہ اس کا باپ اور تمام سننے والے بے اختیار رو پڑے۔

عشق و شجاعت کے کھیل

جمیل مایوس ہو کر دلیرانہ ثبینہ کے خیمہ میں گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے رخصت ہو کر چلا آیا۔ ایک مدت تک دشت نوردی کرنے کے بعد عشق سے مجبور ہو کر پردیس سے واپس ہوا تو پھر ایک تنہا مقام پر ملاقات کی۔ نگاہ اٹھا کر جو دیکھا تو ثبینہ کے باپ بھائی برہنہ تلواریں لئے ہوئے سر پر کھڑے نظر آئے عشق کے بعد اب جرات اور جلاوت دکھانے کا وقت آ گیا تھا تڑپ کر اٹھا اور تلوار سونت کر اس جانبازی و جرات کے ساتھ لڑا کہ حریف بھاگ کھڑے ہوئے۔ ثبینہ نے کہا کہ اب جلد بھاگ جاؤ ورنہ قبیلہ کے لوگ ضرور یورش آور ہوں گے جمیل نے کہا تم چلی جاؤ میں تنہا سب سے مقابلہ کروں گا۔ کوئی نہ آیا اور جمیل نے واپس جا کر اس واقعہ کو بھی نظم کر کے مشہور کر دیا۔ اب ملاقات کی کوئی راہ نہ تھی۔ اس نے اپنے چچیرے بھائیوں سے امداد کی درخواست کی۔ بولے کیا تم احمق ہو گئے ہو۔ تمہاری تو کامیابی بھی بے سود ہے فضول دوسرے کی جورو کے پیچھے پڑے ہوئے اپنی عمر ضائع کر رہے ہو جمیل رو پڑا اور انہیں بھی رلایا۔ انہیں ترس آ گیا اور ایک دوست

کے ذریعہ انہوں نے ایک ہنگامی ملاقات کی صورت نکالدی۔ شام میں جمیل کو یہ صورت پیش آئی کہ اسی قبیلے کے ایک سردار نے اپنی ساتوں حسین بیٹیوں کو حکم دیا کہ خوب بن سنور کر جمیل کو اپنا جلوہ دکھا کر چھپ جایا کرو کہ اس کے قلب میں عشق پیدا ہو مگر جمیل سچا عاشق تھا اس نے جو یہ معمول دیکھا تو ثبینہ کی تعریف میں شعر پڑھتا ہوا وہاں سے نکل بھاگا۔ اور عازم مصر ہوا۔

چلتے چلتے راستے میں پھر ثبینہ سے ایک آخری ملاقات کی آرزو میں مسلسل تین روز پہاڑیوں میں روپوش رہا۔ اور موقعہ پاکر اور جان پر کھیلکر اس سے ملا۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ کہنے لگا کہ اب تک ہر بار خود کو ہلاکت میں ڈال ڈالکر تم سے ملا ہوں اور تمہارے عشق میں میں نے تمام مہ جبینوں کو بھلا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے۔ اشارہ کردوں تو ایک سے ایک حسین لڑکی میرے لئے موجود ہے مگر میرا دل ہی میرا نہیں ہے خدا کے لئے بھول نہ جانا کہ اب دور جا رہا ہوں۔

نامور عاشق کی قدردانیاں

جمیل اب کوئی معمولی انسان نہ تھا عرب کا ایک نامور اور مشہور انسان تھا مصر جو پہنچا تو لوگ جوق جوق اس کی زیارت کو آنے لگے اور گورنر مصر عبدالعزیز بن مروان نے اسے نہایت قدر و منزلت کے ساتھ ایک آراستہ اور شاندار محل میں ٹھہرایا۔ اس کے پاس برابر آتا جاتا رہا اور اس سے پورا وعدہ کر لیا کہ میں ثبینہ کو تمہاری بنانے اور اس کے شوہر کو انعام و اکرام سے خوش کر کے ثبینہ کو طلاق دلوا کر تمہاری بنانے کی پوری سعی کروں گا۔ گورنر مصر بہت بڑی چیز تھا وہ سب کچھ کر سکتا تھا اور ضرور کر دیتا۔ مگر جمیل عرب کا عاشق تھا اور عربی عشاق کی قسمت میں روز ازل ہی نامرادی مرقوم ہو چکا تھا تکمیل آرزو کے اسباب و عوامل پیدا ہوئے

تو موت کا پیام آگیا مصر پہنچکر جمیل چند ہی روز اچھا رہا اور اس کے بعد صاحبِ فراش ہوا۔ لوگ عیادت کو آنے لگے انہیں لوگوں میں ایک بزرگ سہل بن عدی بہت بڑے فقیہہ اور مقتدائے ملت تھے جمیل نے انہیں سلام کیا اور ادب سے پوچھا کہ "اس شخص کی بنسبت آپ کا خیال کیا ہے جس نے اپنی پوری زندگی میں نہ کبھی شراب پی ہو۔ نہ زنا کیا ہو اور نہ کسی کی جان لی ہو اور پورے پچاس سال تک توحید و رسالت کا شاہد رہا ہو۔"

فرمایا "میرے نزدیک تو وہ قطعی جنتی ہے۔ مگر ان محاسن کا کوئی شخص موجود بھی ہو" بولا "وہ میں ہوں" انہوں نے حیرت سے فرمایا "تمام زندگی تو عشق میں گذاری اور آج پاکباز بن رہے ہو" جمیل نے کہا "میری زندگی میں اب چند ہی روز باقی رہ گئے ہیں جھوٹ نہیں بول سکتا اور علانیہ کہتا ہوں کہ مجھے آقائے دو جہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب نہ ہو جو میں نے کبھی ایک مرتبہ بھی بدنیتی سے اس کے جسم کو ہاتھ لگایا ہو۔ البتہ اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے تڑپتے ہوئے قلب پر تسکین کے لئے ضرور رکھ لیا کرتا تھا۔" آخر ارضِ مصر ہی پر ۸۲ھ میں اس نے انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوا۔

عاشق نامراد کی وصیت مرنے سے چند روز پیشتر اس نے ایک شخص سے کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اب میرا وقت قریب آگیا ہے میں تم سے عہد لیتا ہوں کہ تم میرے مرنے کے بعد میری قبا پہن کر بثینہ کے قبیلہ میں جانا اور کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر یہ میرے تین شعر باآواز بلند سنا دینا۔ چنانچہ وہ شخص اسی کی سانڈنی پر سوار ہو کر گیا اور ایک بلند ٹیلہ پر کھڑے ہو کر نہایت دردناک آواز میں تینوں شعر پڑھے۔ جنکا آخری شعر یہ تھا۔

"بثینہ اٹھ اور چیخ چیخ کر رو، بین کر اس نے وست پر جو سب سے
ادنٰے اور ناچیز تھا"

شعر اور وہ بھی جمیل کے ایک جیتا جاگتا سحر تھا۔ عورتیں خیموں سے نکل آئیں۔ بثینہ ایک ہرنی کی طرح دوڑتی ہوئی بدحواس آگے بڑھی اور بولی تو کون ہے اے شخص۔ اگر تو سچا ہے تو تو نے مجھے ختم و فنا کر دیا اور اگر لغو گو ہے تو تو میری رسوائی کا باعث بنا۔ بتا کہ آخر اصلیت کیا ہے۔ ماجرا سنکر بثینہ مثل ماہی بے آب تڑپنے لگی۔ اور غش کھا کر گر پڑی اور بیہوش ہو گئی۔ اس کی حالت فرطِ غم سے غیر ہو گئی تھی۔ اسی حالت میں اس نے ایک جانسوز اور دلدوز مرثیہ کہنا شروع کر دیا۔ یہ عالم تھا کہ تین شبانہ روز تڑپتی، مرثیہ پڑھتی رہی اور آہیں بھرتی رہی اور آخر اسی اندوہ فراق میں وہ بھی رو کر راہیِ عالم بقا ہوئی۔ عربی لٹریچر میں لکھا ہے کہ خلیفہ عبدالملک نے ایک مرتبہ بثینہ کو دربار میں بلا کر کہا کہ مجھے یہ تو بتاؤ کہ حسن و جمال کا تمہارا ہی حصہ نہیں۔ تمہارے ہی قبیلہ میں اور بھی پری جمال موجود ہیں۔ آخر تم میں وہ کون سی استثنائی ادا تھی جو جمیل جیسے فقید المثال شاعر کو دیوانہ بنا گئی۔ بثینہ بھی بڑی فاضلہ و ذہین تھی۔ بیساختہ جواب دیا۔ دنیا میں اور آپ ہی کے قبیلہ میں اور بھی بہت سے لائق افراد موجود ہیں۔ آپ ہی میں وہ کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا تھا کہ لوگوں نے آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔

بثینہ دربارِ خلافت میں

کہتے ہیں کہ عبدالملک اس جواب پر اتنا ہنسا کہ اس کے شکم میں بل پڑ گئے۔ پھر اس سے اس کے عشق کے حالات پوچھے اور بہت انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ جو کوئی دربار میں آتا اس سے یہ واقعہ بیان کرتا اور ہنستا۔

کہنے کو یہ محض ایک داستان عشق ہے مگر اس میں بڑی بڑی عبرتیں اور بصیرتیں موجود ہیں اور اس زمانہ کے حالات و معاشرت پر تیز روشنی پڑتی ہے جمیل و بثینہ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم بیس پچیس سال ایک دوسرے کے عاشق رہے اور اس تمام دوران میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دونوں میں برابر خفیہ ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں جو اکثر پوری پوری رات پر حاوی ہوتی تھیں ہوتی رہیں بالکل تنہائی کا عالم ہوتا تھا۔ دونوں جوان تھے اور خوبصورت ایک دوسرے کی صورت کا دیوانہ تھا۔ مگر کیا مجال ہے جوان تقوی شکن تنہائیوں میں بھی دونوں میں سے کسی ایک کی نیت بگڑی ہو کسی نے کسی کو بری نگاہ سے دیکھا ہو دونوں مسلمان تھے اور دونوں صوم و صلوٰۃ کے پابند! ان کے دشمن بھی تھے مگر کسی کو جرات نہ ہوئی جو ان پر زنا کی تہمت والزام لگا سکتا۔

پھر ذرا اس عہد کی سادگی اور سچائی ملاحظہ ہو کہ جمیل جہاں ملتا ہے جس طرح ملتا ہے اور جو واقعات پیش آتے ہیں انہیں پوری صداقت و بیباکی کے ساتھ بلاکم و کاست اپنے اشعار کے ذریعہ عرب بھر میں مشہور کر دیتا ہے جیسے کہ برابر لیٹنے۔ تخت کے نیچے چھپنے شوہر کے آجانے وغیرہ کے قصے کو بھی نظم کر دیتا ہے اور کسی بات کو راز نہیں کرتا۔ کسی امر کو نہیں چھپاتا ہے بہت سی چیزیں ایسی بھی ہوتی تھیں جن سے استغفار کا پہلو نکلتا تھا لیکن نہیں وہاں تو صرف سچائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کی شاعری ہر زمانہ اور ہر عہد میں ایک جادو بنی رہی اور اس میں ایک جوش نمایاں رہا۔ کہیں تصنع اور مبالغہ کا نام نہیں۔ جو جس طرح گذرا اسی طرح بیان کر دیا علاوہ ازیں غور کیجئے کہ عرب میں شاعری کتنی خوفناک قوت حاصل کر گئی تھی اور اس کے اثرات کتنے بے پناہ ہوتے تھے۔ تہذیب جدید آج اپنے پروپگنڈے پر اور جرائد و صحائف پر نازاں ہے لیکن عرب میں جو کام ایک شعر کرتا تھا وہ آج دس اخبار بھی مل کر نہیں کر سکتے شاعر

کا ایک ایک شعر لوگوں کی قسمتیں بنا اور بگاڑ دیتا تھا اس لئے کہ ان میں سچائی جوش اور سیادگی کے عناصر ہوتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ شاعروں کی بڑی عزت کیجاتی تھی۔ جمیل اگر قتیل عشق نہ ہوتا تو وہ اتنی بڑی چیز تھا کہ اسے دربار میں صلہ ملتی۔ مگر اس نے اپنی پوری زندگی عشق کی نذر کر دی اور اس کے باوجود عرب کی آنکھ کا تارا بنا رہا اور پوری عمر پاکبازی اور اتقا کے ساتھ گذار دی۔ یہی محاسن بثینہ میں تھے وہ بھی نہایت حسین پاک طینت اور زبردست شاعرہ تھی۔

معشوقۂ عرب

فضائل اخلاق یہ خاتون بھی اپنے حسن و جمال اپنی فصاحت و بلاغت اپنی شرافت و نجابت، اپنی پاکدامنی و عفت اور اپنے عشق و نیکدلی کے باعث عربی لٹریچر میں انتہائی شہرت رکھتی ہے اپنے عہد کی عدیم المثال و نازک خیال شاعرہ گذری ہے قدرت نے اسے وہ بلا خیز حسن عطا کیا تھا کہ کوئی نگاہ بھر کر اس کے چہرہ کو نہ دیکھ سکتا تھا گل اندامی۔ کبک رفتاری اور گلعذاری و مست خرامی میں عرب کے اندر مشہور تھی اور قسمت دیکھئے کہ اس مہپارہ کو جو شوہر نصیب ہوا وہ انتہا ہی سخت گیر، بدباطن ظالم اور بدطینت و بدباطن اور بدہیئت تھا جلتی کہ یہ نازنین کا فرماجرا اور پرتجمال تھی۔ ظالم بات بات پر اور ذرا ذرا سی بدگمانیوں پر اسے پوری بیرحمی اور سنگدلی کے ساتھ زدوکوب کرتا اور یہ شریف النفس مہپارہ صبر کرکے بیٹھ رہتی۔

یہ کوئی معمولی درجہ کی گل اندام نہ تھی اگر ضد پر آ جاتی تو اس ظالم شوہر کو ناک سے چنے چبوا سکتی تھی۔ قاضی کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرکے بہ آسانی طلاق حاصل کر سکتی تھی اور کسی دولت مند سے

شادی کر کے عیش و عزت کی زندگی بسر کر سکتی تھی مگر اس کی فطری شرافت و نیک نفسی نے عشق کے باوجود اس کے دماغ میں کبھی یہ تصور بھی قائم نہ ہونے دیا اور وہ اس ظالم کو اپنا سردار ہی سمجھتی رہی۔

نازک اندام حسینہ پر مظالم ایک روز ایک معزز سیاح اس کے خیمہ کے قریب آکر فروکش ہوا۔ کیونکہ عرب میں صدیوں سے یہ دستور تھا کہ جو لوگ صحرا میں سفر کرتے وہ شام کو جہاں جو خیمہ نظر آتا وہیں آکر قیام پذیر ہو جاتا اور خیمہ والوں پر اُن کی مہمانی فرض ہوتی۔ اور پھر مہمانی بھی پوری فیاضی و بے غرضی کے ساتھ کی جاتی۔ یہ غریب اپنے شوہر کی بدگمانیوں کا شکار تھی۔ دستور عرب کے خلاف خیمہ سے باہر نہ آئی۔ کچھ دیر کے بعد خاوند نے آکر جو دیکھا کہ کوئی شخص خیمہ کے قریب ہی مقیم ہے تو جلکر کباب ہو گیا اور اندر جا کر نہ صرف یہ کہ اس مہ جبین کو ڈانٹا کہ یہ کوئی ایسا شخص ہے جس سے تیرا ناجائز تعلق ہے بلکہ بیرحمی کے ساتھ مارنا بھی شروع کر دیا اور کہا کہ جب تک یہی شخص تیری سفارش نہ کرے گا مارنے سے باز نہ رہونگا۔ آخر اندر سے چیخ و پکار کی آواز آئی کہ او میاں مسافر خدا کے لئے اندر آؤ اور مجھے اپنی سفارش سے بچاؤ۔

یہ مسافر کوئی شریف اور بہت بہادر انسان تھا۔ اس گل اندام کو بیرحمی کے ساتھ پٹتا دیکھکر بیقرار و برافروختہ ہو گیا اور جاتے ہی اس کے ظالم شوہر کے تین چار ڈنڈے رسید کئے۔ یہ دیکھکر وہ درمیان میں آگئی اور بولی جاؤ میاں۔ میں نے تمہیں اپنے بچانے کے لئے بلایا تھا نہ کہ اس لئے کہ تم میرے سرتاج پر ہاتھ صاف کرو۔ عورت کی اس شرافت و نیک طبعی سے مسافر حیران رہ گیا۔ غرض لوگوں نے اس کے خیمہ کے قریب ٹھہرنا بند کر دیا تھا کہ یہ بہت ہی بد طینت انسان تھا۔

کاکل سنوارنا قیامت ہوگیا

اس کا نام تھا لیلےٰ اور عرب کے ایک مشہور اور نامور شہسوار اور بہادر عبداللہ بن الرحال کی لاڈلی بیٹی تھی ایک روز لیلےٰ ایک گھاٹی میں بیٹھی ہوئی اپنی زلفیں بنا رہی تھی کہ توبہ بن حمیر کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اور پڑتے ہی بسمل ہوگیا۔ کچھ روز بعد پیام دیا مگر عرب کا عشاق سوز دستور سامنے آگیا اور اس کے بجائے قبیلہ اوسع کے ایک نوجوان سے شادی ہوگئی۔ توبہ بڑا زبردست اور مشہور شاعر تھا تلملا کے رہ گیا مگر مجبور تھا۔ اس نے اشعار میں اپنے دل کی بھڑاس نکالنی شروع کردی۔ بہادر عبداللہ کو سخت ناگوار گذرا۔ اس نے امیر معاویہ کے دربار میں پہنچکر توبہ کی شکایت کی کہ وہ میری نوجوان بیٹی کو رسوا کرتا اور اس سے خفیہ طور پر برابر ملتا رہتا ہے۔ وہاں سے فرمان مل گیا کہ اختیار ہے جب قریب پاؤ فوراً قتل کردو۔ دونوں میں بہت عشق تھا۔ لیلےٰ کو بڑی فکر ہوئی اُسے جو معلوم ہوا کہ آج توبہ ملنے آرہا ہے تو وہ دور رستہ پر بے نقاب جا کھڑی ہوئی۔ توبہ سمجھ گیا کہ کوئی جدید امر ظہور میں آیا اور خطرہ ہے واپس چلا گیا اور اس کی جان بچ گئی۔

ایک تو شوہر سخت ظالم و بدگمان۔ دوسرے قتل کا اختیاری حکم۔ اس کے بعد ملنا جلنا قطعاً بند ہوگیا اور دونوں اپنی اپنی جگہ فراق میں تڑپنے لگے۔ توبہ بڑا دلیر اور جری شخص تھا۔ وہ اس پر بھی ملتا مگر اپنی محبوبہ کے ضرر پہنچنے کے خیال سے اس نے خود ہی اپنے سینہ پر سل رکھکر ملنا جلنا ترک کردیا کہ تمام عرب میں اس کے شور انگیز عشق و شاعری کی دھوم مچی ہوئی تھی اور لوگ تاک میں لگے ہوئے تھے۔

لیلےٰ سے حجاج بن یوسف کا سوال

آخر توبہ ایک دفعہ دشمنوں میں گھر گیا۔ حیرت انگیز

جرأت و جلادت سے لڑا اور مارا گیا۔ اب لیلیٰ کو ضبط کی تاب نہ تھی اس نے علانیہ اور بہیم توبہ کے مرثیے کہنے شروع کر دیئے جن میں اس کی پاکبازی و جاہت اور شہسواری و دلیری کی تعریف ہوتی تھی جس طرح عرب بھر میں توبہ کے اشعار کی دھوم تھی۔ اسی طرح لیلیٰ کے مرثیوں کی شہرت بڑھی اور بچہ بچہ ان سے مانوس ہو گیا تا آنکہ خود امیر معاویہ نے شہرت سنکر لیلیٰ کو بلایا اور کہا تم توبہ کی تعریف کرتی ہو اور لوگ اُسے بدکار بتاتے ہیں۔ لیلیٰ نے اس کے جواب میں اپنے دو قصیدے سنائے جنہیں سنکر تمام دربار انگشت بدنداں رہ گیا۔ توبہ کے مرنے پر شوہر نے بھی اُسے مرثیوں اور قصیدوں کے لکھنے سے نہ روکا۔ وہ تمام معترضین کو برابر دنداں شکن جواب دیتی اور توبہ کو شریف اور پاکباز ثابت کرتی رہی۔ وائسرائے عراق حجاج بن یوسف نے بھی لیلیٰ کو بلا کر پوچھا کہ اب تو تمہاری عمر بھی زیادہ ہو گئی۔ سچ بتاؤ کہ تمہارا تعلق کیسا تھا اس نے بہ قسم کہا کر کہا کہ ہمارا عشق بالکل پاک اور سچا تھا۔ پھر اس کے قصاید و مراثی سنکر بہت خوش ہوا اور دس ہزار درہم انعام دیکر کہا کہ کوئی اور آرزو ہو تو کہدو۔ بولی۔ میرے چچیرے بھائی قتیبہ بن مسلم سے مجھے ملا دو۔ جو ترکستان میں جہاد کر رہا ہے۔ چنانچہ اسے وہاں بھجوا دیا گیا۔ واپسی میں توبہ کی قبر پر گذر ہوا۔ شوہر نے ہر چند روکا مگر نہ مانی گئی روئی۔ قبر پر ایک پر درد و جانسوز مرثیہ پڑھا۔ وہیں ایک بڑا الّو توبہ کی قبر سے پھڑپھڑا کے اُڑا۔ سانڈنی کے منہ پر جو لگا وہ بھڑک گئی۔ لیلیٰ گر پڑی اور وہیں دم توڑ کر اسی کے پہلو میں جا سوئی۔

ایک دفعہ جمیل اور توبہ ملے ثبینہ سامنے تھی۔ جمیل بولا آپ کو اپنی شہسواری و جرأت پر بڑا زعم ہے۔ آؤ مقابلہ کر لو۔ چنانچہ جمیل نے کشتی دوڑ اور تیر اندازی تینوں میں اسے زیر کر لیا۔ توبہ ایک

ساتھ چونک کر بولا۔ یہ سب شبینہ کا اثر ہے۔ اس کی نگاہوں سے ہرٹ کر مقابلہ کرو۔ چنانچہ دوسرے مقابلہ میں توبہ نے جمیل کو زچ کر دیا۔ توبہ بھی عرب کا مایۂ ناز شاعر گذرا ہے۔ اور لیلےٰ کی شہرت اس کے حسن و جمال اور شاعری کے فلک ہفتم تک پہنچا دی ہے۔ آخر تو وہ قتیبہ بن مسلم جیسے شہرۂ آفاق مجاہد و سپہ سالار کی بہن تھی جس نے ایک مدت تک عرب میں اپنے مرثیوں اور قصیدوں سے ایک دھوم مچائے رکھی۔

نازنینان عرب

نامور شاعر کی نامور محبوبہ

حسن و جمال و تعلیم و تربیت نوار اعین بن صعصعہ مجاشعی کی بیٹی اور فرزدق کی بیوی تھی اور اپنے زمانہ کی نہایت پاکباز اور باعزت خاتون سمجھی جاتی تھی۔ چونکہ اس کی ولادت عہد خلافت راشدہ میں ہوئی۔ اس لئے اس عہد کی تمام خصوصیات اس کے اندر موجود تھیں۔ اُسے وہی تعلیم ملی جو ان دنوں شرفائے عرب اپنے بچوں کو دیا کرتے تھے۔ اور وہ بہت جلد فصاحت و بلاغت تفسیر و انساب اور شعر و سخن میں کامل ہوگئی۔ اور اس نے سوسائٹی میں اعلیٰ مرتبہ حاصل کرلیا۔ نوار حسن و جمال میں بھی عدیم المثال تھی اور شیریں زبانی اور کافر ماجرائی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی اس لئے اس کے بہت سے جان نثار گاہک پیدا ہوگئے تھے اور ہر طرف سے پیامات شادی آتے رہتے تھے۔ نوار چونکہ بہت ہوشمند اور قابل لڑکی تھی اس لئے اس کے عقد نکاح کا معاملہ اسی کے ہاتھ میں رہا۔ نوار کا ابن عم عبداللہ بھی اس کے حسن کا گرویدہ

سکا دیوانہ تھا۔ اُسے توقع تو نہ تھی کہ نوار جیسی شائستہ و متمدن دوشیزہ اسکے پیام کو منظور کریگی لیکن خلاف توقع نوار کو یہ رشتہ اس لئے بہت پسند ہوا کہ گو عبداللہ دولتمند نہ تھا مگر ویسے شکل و شباہت مردانہ وجاہت اور اخلاق و عادت میں وہ دوسروں سے گونہ ممتاز تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اسکا چچیرا بھائی بھی تھا۔

نوار اس پیام کے آتے ہی پھڑک گئی اور سمجھی جیسا بر میں چاہتی تھی ویسا ہی مجھے نصیب ہو گیا۔ یہ نوجوان اس وقت فرزدق کی تولیت میں زندگی بسر کر رہا تھا اس لئے نوار نے اُسے لکھا کہ عبداللہ کا پیام مجھے پہنچا ہے اور اس رشتہ کو دل سے پسند بھی کرتی ہوں۔ اس لئے آپ کے اس کی تکمیل کرکے ہم دونوں کی تمنائیں پوری کردیں اور ممنون فرمائیں نوار کو یہ علم نہ تھا کہ فرزدق خود اس کے عشق کا زخم اپنے قلب میں چھپائے ہوئے ہے۔ اور وہ اپنی عمر و صورت کی وجہ سے کسی قسم کے اقدام کی جرأت نہیں کرتا۔ فرزدق کے پاس نوار کا جو یہ پرچہ پہنچا تو بہت خوش ہوا اور وہ اس سے فائدہ اُٹھا جانے کی تدابیر سوچنے لگا

فرزدق کا عاشقانہ فریب

فرزدق نے جواب دیا پہلے علانیہ یہ اقرار کرلو کہ فرزدق جس کے ساتھ میرا عقد کردیگا میں بلا عذر اس کی زوجیت میں چلی جاؤنگی۔ نوار نے تمام شرفائے قبیلہ کے سامنے اقرار کرلیا تو اسی وقت فرزدق نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ نوار نے اپنے عقد کا مجھے مختار کل بنا دیا ہے اور میں اسی بنا پر سو سیاہ چشم سرخ سانڈنیوں کے مہر پر نوار کو اپنی زوجیت میں لیتا ہوں۔ تمام مجلس میں ایک سناٹا چھا گیا اور نوار مبہوت رہ گئی۔ مگر اب کیا ہوتا ہے اس نے ایک ایک سے فریاد کی کسی نے تو کہا کہ گواہ پیش کرو کہ تمہارے ساتھ فریب کیا گیا اور کچھ فرزدق کی ہجوگوئی کے

خوف سے خاموش رہے۔ نوار کا کوئی قابو نہ چلا تو وہ بصرہ سے عبداللہ بن زبیر فرمانروائے عراق و حجاز کے پاس فریاد کے لئے مکہ پہنچی اور انکی بیوی کے پاس مقیم ہوئی۔ فرزدق بھی پیچھے لگا ہوا آپہنچا اور وہ عبداللہ بن زبیر کے لڑکوں کے پاس ٹھہرا۔ بیوی نوار کی طرفدار اور لڑکے فرزدق کے حامی۔ عبداللہ بن زبیر بھی عجیب الجھن میں تھے۔ آخر جب فرزدق کو علم ہوا کہ وہ نوار کے طرفدار ہیں اور اپنی بیوی کے کہنے میں آگئے تو اس نے جلکر دو شعر کہے جنکا مفہوم یہ تھا کہ۔ ہاں جو تمہارے پاس پاجامہ پہنے ہوئے آئے اس سفارش کرنے والی کے برابر کہاں ہو سکتا ہے جو تمہارے پاس برہنہ ہو کر آئے۔ عبداللہ بن زبیر نے یہ اشعار سنے تو بہت پریشان ہوئے اور نوار کو بلا کر کہا کہ بولو کیا رائے ہے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو تمہاری طلاق کے بعد میں فرزدق کو قتل کر دوں کہ وہ پھر ہجو نہ کر سکے یا دشمنانِ اسلام کے ملک میں جلاوطن کر دوں۔

نوار کی شرافت

نوار شریف عورت تھی بولی کہ مجھے اپنی زندگی کی بربادی منظور ہے مگر میں اس کا قتل گوارا نہیں کر سکتی۔ فرمایا۔ تو پھر تم کیوں فرزدق سے ملاپ نہیں کر لیتیں کہ وہ تمہارا رشتہ دار بھی ہے اور عاشق بھی۔

اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے فرزدق کو بلا کر کہا کہ تم نوار کا مہر لا کر حاضر کرو ورنہ میں تمہارا نکاح فسخ کر دونگا۔ بولا یہاں میرے پاس کیا ہے۔ فرمایا میں نہیں جانتا عشق کرنے چلے ہو تو مہر بھی دینا پڑے گا اس پر اس نے جلکر کہا تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح میری مجال بیوی کو آپ چھین کر اپنی بیوی بنا لیں۔ حضرت عبداللہ کو غصہ آگیا فرمایا۔ تیری اور تیری قوم کی ہستی کیا ہے۔ تجھے میرے حکم کی تعمیل ہر حالت میں کرنی ہوگی۔ اب تو فرزدق حواس باختہ ہو گیا اور سب کچھ

قبول کیا۔ قسمت بلند تھی۔ مسلم بن زیاد نے چار ہزار دینار فرزدق کو دیدیئے۔ یہ رقم لیکر چو گیا تو عبداللہ نے نوار کو اس کے حوالے کر دیا۔ اور وہ دونوں رضامندانہ بصرے چلے گئے لیکن نوار کی زندگی پھر تلخ تھی۔ یہ ایک شائستہ و شریف اور دیندار خاتون اور فرزدق رند مشرب نہ دین و مذہب کی پروا اور نہ دنیا کی اول درجہ کا ہجو گو اور فریب دوست نبھنی آسان نہ تھی۔ پھر فرزدق نے محض نوار کو چڑانے کے لئے یکے بعد دیگرے دو اور عورتوں سے شادی کر لی۔ فرزدق کی آوارگی برابر بڑھتی جاتی تھی وہ شادیوں پر شادیاں کرتا چلا جاتا تھا اور آوارگی سے بھی باز نہ آتا تھا۔

حضرت حسن بصری جنازہ پر

ایک مرتبہ حضرت ایک شریف دوشیزہ پر عاشق ہو گئے اور دھمکی دی کہ راضی ہو جاؤ ورنہ ہجو سے بدنام کر دونگا۔ اس نے نوار سے کہا جس نے یہ ترکیب بتائی کہ تم اسے ایک معینہ وقت پر بلا لو۔ میں وہاں جو ہونگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہ گئے چراغ گل تھا۔ وہ تو چلدیں۔ نوار سے لطف اُٹھایا۔ جس کے بعد اس نے ایک زوہنتر رسید کیا کہ کمبخت یہ شہد میں شکر گویا پھر ملتے۔ اس پر کہتا گیا ہے اخاہ نوار یہ تم ہو نہیں۔ حرام میں کتنا لطف آیا ہے اور حلال میں کیسی بری ثابت ہوتی ہو۔ جب نوار تنگ آگئی تو اس نے خوشامد شروع کر دی۔ اس کے کہنے پر چلنے لگی اور اُسے طلاق پر راضی کر لیا۔ طلاق کے گواہ حضرت حسن بصری تھے۔ فرزدق نے طلاق نہ دینے کو تو دیدی مگر بعد کو پچھتایا اور کہا کہ وہ میری جنت تھی۔ نوار نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز حضرت حسن بصری پڑھائیں۔ چنانچہ انہی نے نماز پڑھائی۔

نوار جس طرح حسن و جمال میں لاثانی تھی۔ اسی طرح وہ فضل و

کمال خلق و مروت اور نیکی و پارسائی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ وہ کہتی تھی اور برابر سمجھتی رہی کہ میرا نکاح دھوکے سے ہوا ہے۔ ایجاب نہیں ہوا میں اس پر حلال نہیں ہوں۔ اسی لئے اس نے طلاق حاصل کی تھی۔ پھر فرزدق بہت آوارہ مزاج اور رند بھی تھا۔ نوار اسے برداشت نہ کر سکتی تھی۔ گو اس کی تمام زندگی الم و اندوہ میں گذر گئی۔ تاہم وہ عرب کی بہت مشہور بہت شریف اور بہت نیک و پارسا خاتون ہو گذری ہے۔ بڑے بڑے مشاہیر اس کی عزت کرتے تھے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی مرید تھی۔ اور زندگی بھر روزہ و نماز کی پابند رہی۔

حیرہ کی حورپیکر شاہزادی

عراق کی تاریخی عظمت

دریائے دجلہ و فرات کے کنارے جو ملک آباد ہے یہاں بڑی بڑی فرمانروائیوں کے تخت نصب ہو چکے ہیں اور دنیا کے لاثانی مظاہر تمدن کی بنائیں یہیں استوار ہوئی ہیں آج تو اس علاقے کے اندر کوئی خاص کشش اور سحر موجود نہیں بجز اس کے کہ یہاں اسلام کی نہایت مقدس اور نامور ہستیاں ابدی نیند سو رہی ہیں۔ لیکن نینوا کی سطوت کلدانی تہذیب ایرانی جبروت، عباسی جاہ و جلال اور سلطنت حیرہ کی عظمت کا جلوہ گاہ کبھی یہی خطہ تھا۔ اور دنیا کی ساری تہذیب ساری دولت ساری عظمت اور سارے علوم یہیں جمع ہو کر رہ گئے تھے۔ اس علاقے میں صدہا بار بہاریں آئیں پھول کھلے اور مرجھائے ولادت نبوی کے عہد میں اسی جگہ ایک زبردست عربی حکومت سلطنت حیرہ کے نام سے جلوہ افروز تھی جو کہنے کو تو تاجداران عجم کی زیر سیادت تھی۔ مگر حقیقت میں بالکل آزاد تھی۔ ساسانیوں سے اس سلطنت

کے تعلقات نہایت عزیزانہ تھے جس کی انتہا یہ ہے کہ اس سلطنت کے فرمانرواؤں کو زبردست ایرانی سلطنت کی وزارت عظمیٰ کے مناسب اعزازی حاصل رہے اُن کے آئین و قوانین بھی یہی لوگ مرتب و مدون کرتے اور شاہزادگان عجم کی اتالیق بھی انہی کے سپرد ہوا کرتی۔ آل نعمان کے مورث اعلیٰ کا ادب تو تمام فرمانروایان عجم کا شعار عمل رہا تو سلطنت

خاندانی حالات

عربوں کو بھی اس خالص اور متمدن عربی حکومت و پر بڑا ناز تھا۔ ہر گوشۂ عرب کے شعراء بڑے فخر و عزت کے ساتھ اس سلطنت کے فرمانرواؤں کا ذکر کرتے یہاں پہنچتے اور مدحیہ قصائد سنا کر انعام پاتے۔ نعمان بن منذر ضرور اس وقت سریر آرائے حکومت ہوا ہے جب کہ عرب جاہلیت کے آغوش میں آنکھیں بند کئے پڑا تھا لیکن جس وقت اس کی آفت روزگار اور پر جمال بیٹی ہند پیدا ہوئی ہے۔ اس وقت حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرق مقدس ...... پر تاج رسالت درست کرنے کی تیاریاں کارکنان قضا و قدر نے شروع کر دی تھیں اور جب ہند کے باغ حیات میں شباب کی بہار آئی ہے اس وقت مہر اسلام اپنی پوری درخشانیوں کے ساتھ طلوع ہو چکا تھا ہند شاہزادی تھی اور حسن و ناز آفرینی میں دور دور تک اپنا کوئی ثانی اور مثیل نہ رکھتی تھی۔

اس کا شمار اس عہد کی حسین ترین دوشیزہ ماہرویوں میں تھا۔ چونکہ اس کی ماں ایک اور خاندان شاہی بنی کندہ کی شاہزادی تھی جس کا نام ماریہ تھا اور جو مذہباً عیسائی تھی۔ اس لئے ہند بھی مسیحیت ہی کی پرستار رہی اور ایک مسیحی ماں کے آغوش میں پل کر ہی نہیں کہ وہ راسخ الاعتقاد مسیحیہ ہو گئی بلکہ نہایت پاک باطن نیک نفس اور پارسا خاتون نکلی عشق کی خانہ ویرانی۔ ہند کے اندر تمام نسوانی جوہر موجود تھا

اور فی الحقیقت وہ اس قابل تھی کہ کسی فرمانروا کے کاشانہ عظمت کی شمع بنتی اور دنیا میں نام پیدا کرتی اس وقت متعدد ایسے تاجدار موجود تھے جنہیں یہ آرزو بیتاب کئے ہوئے تھی کہ وہ ہند کے حسن و شباب کے مالک بنیں۔ ان کے علاوہ سلطنت ایران اور خود سلطنت حیرہ میں بھی ایک دو نہیں بیسیوں ایسے اعیان حکومت اور نامور ارکان دولت موجود تھے جو اس انتظار و آرزو میں جی رہے تھے کہ کسی مناسب موزوں وقت پر وہ ہند کے لئے اپنا پیغام دیں اور اس کے گلشن حسن و جمال کی گلچینی کی لذت سے شادکام و شادماں ہوں لیکن تقدیر کے سامنے کسی کی نہیں چلتی اور عشق بگڑے دل کو بنانے اور بنے ہوؤں کو بگاڑنے میں ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مصروف عمل رہا ہے اس نے ہند جیسی مہ پارہ پر بھی اپنا ہاتھ صاف کیا۔ اس کی قسمت پر حاوی و متسلط ہوا اور نہ صرف یہ کہ ایسے فرمانروایان عظام کے آغوش میں جانے سے روک لیا بلکہ اسے ایک عام انسان کے سپرد کر کے اس کی لطیف و حسین زندگی ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد کردی اور اسے موت کے آغوش میں سلا دیا۔

سفیر ایران سے معاشقہ

یہ کارفرمائی عشق نہایت عبرتناک ہے اور اس قابل ہے کہ اسے درد دل کے ساتھ پڑھا جائے اور غور کیا جائے کہ جہاں محض جذبات ہی کی حکومت ہوتی ہے اور جہاں انسان اپنی قسمت کی باگ عقل کے ہاتھوں سے لیکر جذبات کے ہاتھ میں دیدیتا ہے وہاں لازماً زندگی اور زندگی کا عیش دونوں بری طرح تباہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ہند کے نہال حیات میں شباب کا پھول شگفتہ ہوا ہی تھا کہ وہ فرمانروائے وقت منذر سے جو اس کا دادا تھا اجازت لیکر ایک کنیسہ میں زیارت و عبادت کے لئے گئی۔ شاہزادی بھی اس کے ساتھ اس کی بہت

سبھی ماہ پیکر اور حور جمال سہیلیاں اور خواص بھی تھیں جن میں ایک سہیلی ماریہ کو کچھ بلند منصب اور امتیاز حاصل تھا۔ الغرض ہند کی عمر ہوشمندی کا زمانہ شباب کی رعنائیاں، نوجوانی کی شوخیاں اور دوشیزگی کا بانکپن اور پھرتی بے تکلفی اور شوخی کے ساتھ کنیسہ کی ہر چیز کو دیکھتی۔ کودتی اچھلتی اور دوڑتی پھر رہی تھی کہ اس کی یہ شوخ اور بے تکلفانہ ادائیں ایک شخص عدی بن زید کے قلب کا ناسور بن گئیں اور وہ وہیں اپنی تمام متاعِ ہوش و خرد لٹا بیٹھا۔ دربارِ عشق میں چھوٹے بڑے اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز نہ کبھی رہا ہے اور نہ رہا جب فرہاد جیسا عامی و ادنیٰ شخص خسرو پرویز جیسے باعظمت و جبروت فرمانروائے عجم کی محبوبۂ خاص شیریں کو دل دے سکتا ہے تو عدی تو پھر اس سے بلند ہی مرتبہ رکھتا تھا اور نہ بھی نہ رکھتا ہو تو دل ہو یا عشق اس پر زور کس کا چلا ہے اور اس راہ میں سر دینے کا خطرہ محسوس ہی کس نے کیا ہے۔

شاہزادی کا دل ایک عامی پر

عدی بن زید دولتمند تو ضرور تھا مگر اس کی حیثیت صرف ایک معمولی سفیر ایران سے زیادہ نہ تھی جو خسروانِ عجم کی طرف سے منذر فرمانروائے سلطنت حیرہ کے لئے سرکاری طور پر کچھ تحف و ہدایا لیکر آیا تھا اور وہیں مقیم تھا۔ منذر اتنی بلند مرتبہ اور بلند حیثیت تھی کہ عدی کی دولت و حیثیت اس کے ذاتی غلاموں اور ملازموں کی دولت کا مقابلہ بھی نہ کر سکتی تھی۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ تاجدار عشق کا فرمان یہی صادر ہو چکا تھا کہ ہند جیسی حور وش شاہزادی نہ صرف یہ کہ اسی کے آغوشِ گرم میں اپنی جگہ تلاش کرے اور اسی پر مٹے۔ البتہ عدی تھا بہت خوبصورت ایک جوان رعنا۔ اتفاق بھی عجیب تھا کہ ہند کی خواص ماریہ اسی کنیسہ میں عدی پر شیدا ہو گئی اور عدی ہند کو دل دے بیٹھا۔ یہ صورت بھی

پیش نہ آتی تو بھی عنقائے ہند کا آشیانہ عدی کے لئے بہت بلند ثابت ہوتا
ہند نے جو اپنے مدہوشانہ اور بے تکلفانہ مشاغل سے فرصت پاکر نظر اٹھائی
اور عدی کو حریصانہ نگاہوں سے اپنے گلہائے رخسار کی بلائیں لیتے
دیکھا تو شرما گئی اور خواصوں کو ڈانٹ بتائی کہ تم نے کیوں مجھے متنبہ
نہ کیا۔ ماریہ عدی کے عشق میں بیتاب تھی۔ اس نے ملنے کی راہ نکالنے
کے لئے ہند کو ایک وعظیم الشان کنیسہ کی زیارت کا شوق دلایا اور کہا
وہاں بڑے بڑے بزرگ اسقف و راہب رہتے ہیں اور ہر وقت
کنواریوں اور آرزومندان زیارت کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ چنانچہ روانگی
کی تاریخ اور وقت کا تعین ہوگیا۔ اس کے بعد ماریہ نے عجلت کے ساتھ
جا کر اطلاع کر دی۔

ماریہ کی خودغرضانہ چالیں

ماریہ نے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ شاہزادی سے
آپ ذرا شان و احتشام کے ساتھ آئیں
اور اس کے بہار حسن کا نظارہ جی بھر کر لیں۔ چنانچہ عدی ایک زرق
برق لباس زیب بر کر کے اور بن ٹھن کر وہاں وقت مقررہ پر پہنچ گیا۔ یہ وقت
تھا کہ ہند کی نظر بھی اس جوان رعنا پر پڑی اور وہ بھی دل کھو بیٹھی اور
اس نے نہ صرف دیکھنے اور نظارہ کرنے ہی پر اکتفا کی بلکہ ماریہ کے ایماء
و اغواء سے اس نے عدی سے ایک جگہ کھڑے ہو کر باتیں بھی کر لیں
اب جو دونوں واپس لوٹے ہیں تو انہیں کسی پہلو قرار نہ تھا۔ ایک
آگ تھی جو دونوں کے قلوب کو جلا رہی تھی۔ ماریہ عدی پر بڑی طرح مٹی
ہوئی تھی۔ اس طرح اسے ممنون احسان بنا کر دوسرے ہی روز اس کے
پاس گئی۔ اس نے بھی اسے نہایت عزت کے ساتھ لیا۔ بولی کہ میں نے
تمہارے ساتھ احسان کیا ہے۔ اس کے عوض میں آپ میرے دل کی
آرزو پوری کریں۔

عدی بولا میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔ اس پر اس نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھکر کہا کہ میں خود آپ کے لئے بیقرار ہوں آپ مجھے اپنی خلوت میں جگہ دیں۔ اس کے بدلے میں میں ہر خدمت کے لئے ہمہ تن تیار رہونگی۔ عدی کا دل تو نہ چاہتا تھا۔ مگر مجبور تھا کہ اس کا کام بھی اس کے بغیر نہ نکل سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اس کی آرزو پوری کردی اور اس رات کو یہ برابر اس کے آغوش گرم میں رہ کر اپنے ارمان ایک ایک کرکے نکالتی رہی اور سیر ہوکر واپس آئی۔

ہند کی حسین بیقراریاں

ماریہ نے قصر حکومت میں آکر دیکھا کہ ہند بہت بیقرار ہے اور کہہ رہی ہے کہ اب اگر تم نے کوئی تدبیر نہ نکالی تو میں آتش مفارقت میں جلکر ختم ہو جاؤنگی ماریہ بولی گھبرائیے نہیں میں قریب کے مکان میں اسے لے آؤں گی۔ آپ وہاں پہنچکر جتنی دیر دل چاہے اس سے باتیں کرلیں۔ بیقرار تھی ہی جب بول اٹھی یہ کب ہوگا۔ اس نے کہا بس کل ہی۔ چنانچہ دوسرے روز یہ ملاقات بھی ہوگئی عشق کی آگ دو طرف برابر تیز ہوگئی۔ اور دونوں انگاروں پر لوٹنے لگے۔ ماریہ نے عدی سے جاکر کہا کہ ہند کی حالت اتنی خراب ہوچکی ہے کہ اب اگر آپنے پیام شادی میں دیر کی تو وہ تڑپ کر مرجائے گی۔ عدی نے کہا بھلا یہ کوئی تھوڑی بات ہے شاہ نعمان کی بیٹی اور میرا پیام کیا مجھے قتل کرانا مقصود ہے۔ ماریہ بولی تدبیر میں بتاتی ہوں۔ نعمان شراب بہت پیتا ہے اور بدمست ہوجاتا ہے۔ تم اس کی ایک عظیم الشان دعوت کرو۔ چنانچہ ایک دعوت ہوئی جس میں تمام اعیان سلطنت اور اہل شہر شریک تھے جس وقت نعمان شراب کے نشہ میں چور ہوگیا۔ عدی نے بڑی احتیاط کرکے کانپتے ہوئے اپنی شادی کا پیغام دیا۔ نشہ میں ہوش کسے تھا اسی وقت منظور ہوکر وہیں شادی ہوگئی۔

حسن کی خونبہا

شادی کے بعد نعمان سمجھا کہ میری پری بیگم بیٹی اور کسی فرمانروا کے بجائے ایک عامی کو بیاہی گئی اور میری شدید توہین ہوئی۔ مجھے سخت فریب دیا گیا چونکہ نعمان بہت مغرور فرمانروا تھا۔ اس نے دو روز مقرر کر رکھے تھے۔ ایک یوم یوم رحمت اور دوسرا یوم عتاب۔ حیرہ والے تو ہفتے کے ان دونوں سے واقف تھے۔ البتہ باہر کے جو لوگ ناواقفیت سے یوم عتاب میں آجاتے۔ انتہائی بیرحمی کے ساتھ قتل کر دیئے جاتے نعمان عدی کی تاک میں تو تھا ہی۔ اس غریب کو پتہ نہ تھا یہ اس کی عتاب کے روز دربار میں پہنچ گیا۔ اور گرفتار ہو کر بڑی سنگدلی کے ساتھ قتل کیا گیا۔ عدی کے بیٹے کو باپ کی یہ مظلومانہ موت شدید ناگوار گذری۔ وہ کسریٰ خسرو پرویز کا سفیر تھا۔ اس نے دربار ایران میں اس واقعہ کو عجیب اشتعال انگیز رنگ میں پیش کیا۔ خسرو ایران نے نعمان کو گرفتار کرا لیا اور وہ اسی کی قید میں مر گیا اور ایک عشق نے کئی خون کرا دیئے۔ قید کی داستان بھی عجیب ہے زید بن عدی نے خسرو پرویز سے جا کر کہا کہ سلطنت حیرہ کی شاہزادیاں حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ اس نے طلبی کا حکم صادر کر دیا نعمان خود اس حکم کی منسوخی کے لئے گیا اور قید ہو گیا۔ اس کے بعد سلطنت حیرہ اور ایران میں ایک سخت جنگ بھی ہوئی ہند کو اپنے محبوب شوہر کی مظلومانہ موت کا

دنیا سے بیزاری

شدید صدمہ ہوا اور وہ ایسی دل شکستہ ہوئی کہ ایک خانقاہ میں تارک الدنیا ہو کر اور راہبہ بن کر بیٹھ رہی اور اپنی پوری عمر اسی رہبانیت و ریاضت میں بسر کر دی۔ آخر میں عراق و عجم پر اسلامی پرچم لہرانے لگا اور والی عراق حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ہند کو اپنا پیغام در خانقاہ پر جا کر دیا۔ وہ بولی "اگر میرے اندر شباب و حسن کی زندہ دلیل

کا کچھ بھی حصہ باقی رہ گیا ہوتا تو میں ضرور آپ سے شادی کر لیتی اور آپ کی یہ آرزو پوری کر دیتی کہ آپ نعمان بن منذر کے ملک پر قابض ہونے کے ساتھ اس کی بیٹی کے شوہر بھی ہیں۔ مگر اب تو ہرگز ایسا نہ ہو گا۔ مغیرہ بہت متاثر ہوئے اور آ کر کہنے لگے کہ ہند میں نسل سلاطین کی تمام خوبیاں اور محاسن موجود ہیں۔ ہند نے ایک طویل زندگی پائی اور رہبانیت کی حالت ہی میں سفر آخرت کیا۔ عشق کی بدولت اُسے عیش و راحت کا زمانہ بہت کم نصیب ہوا۔ وہ چاہتی تو وہ ایسے بلا خیز حسن و شباب کی مالک تھی کہ بیوہ ہونے پر بھی اس کے بہت سے قدر دان پیدا ہو جاتے مگر پھر اس کا دل ٹوٹ گیا اور اس نے دنیا سے بالکل بے تعلقی اختیار کر لی۔

دوآبہ عراق کی مہ جبین ملکہ

ابتدائی حالات ایران سطوت و حشمت نہ صرف مشرق کے لئے بلکہ مغرب و ارض عالم کے لئے گرنہ عظمت و جلالت کا باعث رہی ہے۔ کسی زمانہ میں سلطنت ایران کا پرچم اقبال پوری ایشیا پر حاوی تھا اور مصر اور تمام شمالی افریقہ اس کے ماتحت زندگی بسر کرتے تھے۔ سلسلہ کیانی میں کیقباد، کیکاؤس اور کیخسرو وغیرہ بڑی عظمت اور اقتدار کے فرمانروا گذرے ہیں۔ اس سلسلہ کا خاتم دارا تھا جو بلا شبہ دنیا کا ایک عظیم الشان فرمانروا تھا اور جس کی سطوت و ہیبت کے ڈنکے دور دور تک بج رہے تھے۔ یہ ایک بالکل اتفاقی امر تھا کہ ۹۵۳ ق۔م میں سکندر اور دارا کا جو مقابلہ ہوا اس میں اپنے افسروں کی غداریوں کی وجہ سے دارا کو نہ صرف یہ کہ شکست ہوئی بلکہ انہی کے ہاتھوں قتل بھی ہونا پڑا۔ اور اربل کے میدان میں دارا اور ایران دونوں

کی قسمتوں کا فیصلہ ہو گیا۔ اگر سکندر کی عمر وفا کرتی تو اس کے اندر یہ حوصلہ اور یہ قابلیت موجود تھی کہ وہ مفتوحہ ممالک کا شیرازہ پراگندہ نہ ہونے دیتا مگر اس کے مرتے ہی تمام سکندری سلطنت میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور اس وقت تک (۲۲۶ء ۳۹۶ قبل ہجرت نبوی) جبکہ اردشیر نے تمام ملوک طوائف کا خاتمہ کر کے ایران میں جدید ساسانی سلطنت قائم نہ کر لی ہر طرف یہی بدنظمی پھیلی رہی۔

حسین زباء کا جوش انتقام

ان ہی ملوک طوائف میں جذیمہ والی سلطنت حیرہ اور زباء فرمانروائے دولت الجزیرہ بھی تھے جو تاریخ میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے بہت اہمیت بھی رکھتے ہیں اور مشہور بھی ہیں۔ بالخصوص ملکہ زباء تو اس دور طوائف الملوکی کی ایک نہایت لائق شہرہ آفاق اور ہوشمند ملکہ گزری ہے۔ فرات و دجلہ کا جو درمیانی ملک الجزیرہ کہلاتا ہے زباء اسی پر فرمانروائی کر رہی تھی۔ اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ کر رہی تھی۔ جذیمہ نے حملہ کر کے اس کے باپ کو میدان جنگ میں قتل کر دیا تو زباء باپ کی جگہ سریر آرائے حکومت ہوئی۔ اس کا زمانہ ولادت مسیح سے (۳۰۰) سال اور ملکہ قلوپطرہ سے ۳۰۰ سال بعد کا زمانہ ہے۔ جذیمہ فرمانروائے حیرہ اس عہد کا واقعی سکندر ثابت ہوتا اور وہ اردشیر کی طرح تمام ملوک طوائف کو ختم اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو فنا کر کے شہنشاہ بن گیا ہوتا مگر زباء نے اپنے ایک سحر کار پنجہ میں اس کا اور اس کے حوصلوں دونوں کا خاتمہ کر کے اردشیر کیلئے راستہ صاف کر دیا۔

جذیمہ ایک اولوالعزم اور نہایت دلیر و پرجوش فرمانروا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں جرأت و حوصلہ سے کام لیکر بہت سے ملوک طوائف کا خاتمہ کر دیا اور اپنی سلطنت کی حدود کو برابر وسعت دیتا

چلا گیا۔ اسی ضمن میں الجزیرہ پر بھی اس نے ایک وحشیانہ حملہ کر کے بادشاہ کو قتل کر دیا اور اس کے بہت سے ملک پر قابض ہو گیا۔ بادشاہ الجزیرہ کی بیٹی زباء نہایت ہوشمند و شجاع شہزادی تھی۔ وہ اپنی سلطنت کے ایک گوشے میں ایک مضبوط قلعہ کے اندر جا کر بیٹھ رہی اور سوچتی رہی کہ جذیمہ سے باپ کے انتقام کی کونسی اور کیا صورت اختیار کی جائے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ایسے اولالعزم اور دلیر فرمانروا سے میدان جنگ میں مقابلہ تو ممکن نہیں۔

حسن کے لئے جان کی قربانی

ملکہ بھی نہایت حسین تھی۔ اس نے جذیمہ کے پاس پیغام بھیجا کہ تم جانتے ہو کہ ہوں میں بھی شاہزادی بغیر لڑے تو میں تمہیں اپنے ملک پر قابض ہونے دونگی نہیں اور بہت ممکن ہے کہ فتح مجھی کو ہو۔ بہرکیف لڑائی میں بندگان خدا کا خون فضول ضائع ہوگا۔ بہتر صورت یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ شادی کر لیں۔ اس طرح میری اور آپ کی دونوں کی آرزوئیں پوری ہونے کا زریں موقع پیدا ہو جائیگا۔ آپ تمام بقیہ ملک کے مالک ہو جائیں گے اور میں ایک عظیم الشان سلطنت کی ملکہ بن جاؤں گی۔

زباء شہزادی تھی، نوجوان تھی وارث تاج و تخت تھی حسن و شباب کی تمام رعنائیاں اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ دور دور تک اس کے حسن و ناز کا شہرہ پھیلا ہوا تھا اس پیام جاں بخش کے پہنچتے ہی جذیمہ کے قلب میں عشق و آرزو کا ایک طوفان برپا ہو گیا اور اس نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ جھٹ پیام منظور کر لیا۔ اس نے بنظر تمام اعیان دولت کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا۔ سب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی صرف ایک سردار قصیر بن سعد نے کہا جہاں پناہ میرے نزدیک تو

اس پیام میں مکاری و فریب کے جراثیم پنہاں ہیں۔ زباء بیشک عدیم المثال
حسن و جمال کی حامل ہے۔ پھر بھی اس کے قلب پر باپ کے قتل کا زخم ہے
ممکن ہے اور آپ بوڑھے ہو چکے ہیں آپ اس کی قبولیت سے انکار کر دیں
جذیمہ نے فرمایا مجھے انتقام لینے

فرمانروائے حیرہ کا جنون عشق

میں لے سے فائدہ کیا ہے شادی کر کے
تو وہ پوری سلطنت کی ملکہ بن جائیگی۔ پھر ابھی اس کا سن ہی کیا ہے
الھڑ پنے کی عمر ہے وہ انتقام کو کیا سمجھے۔ قصیر وزیر نے کہا بہتر ہے
جو آپ کی مرضی! لیکن میرے کہنے سے اتنا کیجئے کہ اگر زباء کے
امراء و افسر استقبال کے وقت پاپیادہ ہو جائیں تو سمجھ لیجئے کہ آپ
کے وزیر کی رائے غلط تھی اور جو گھیر کر کھڑے ہو جائیں تو فوراً خیال کیجئے
کہ آپ کے ساتھ دغا کی جانے والی ہے۔ میں ایک برق رفتار گھوڑا
لئے قریب ہی کھڑا ہوں گا۔ اس پر سوار ہو کر اس نرغے سے نکل آئیں۔
جذیمہ کے قلب میں عشق کی آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ اپنے زعم اقتدار
میں کسی کی کوئی اہمیت و ہستی نہیں سمجھتا تھا۔ ہوں ہاں کر کے قصیر
کو ساتھ لئے ہوئے بعجلت روانہ ہو گیا۔ زباء کے افسران فوج اور
معززین و امراء نے باہر نکلکر شاندار استقبال کیا۔ زمین ادب چومی
اور چاروں طرف سے گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ قصیر نے فوراً اشارہ کیا۔
گھوڑا پیش کیا۔ مگر جذیمہ کو زباء جیسی پری جمال دوشیزہ سے ہم آغوشی کی
آرزو نے از خود رفتہ بنا رکھا تھا۔ اس نے پرواہ بھی نہ کی اور شوق دیدار
جاناں میں سیدھا قلعہ کے اندر چلا گیا اور قصیر حسرت و اندوہ سے تکتا
ہوا واپس چلا آیا۔

شمشیر بکف حسینہ کا حکم قتل

امرائے زباء قلعہ کے اندر انہیں قصر شاہی
میں لے گئے۔ عزت سے بٹھایا چند

لمحوں کے بعد کچھ لوگ آئے اور عرض کیا چلیئے حجلۂ عروسی آراستہ ہو چکا ہے اور ملکہ زباء آپ کی منتظر ہیں۔ جذیمہ اس حجلۂ ناز میں جو پہنچا تو دیکھا کہ پریجمال زباء سادہ لباس میں تاج سر پر رکھے ریشمی لباس میں ملبوس شمشیر عریاں ہاتھ میں لئے اس عالم میں کھڑی ہے کہ اس کے کاکل مشکیں اس کے شانوں پر لہرا رہے ہیں اور لب ہائے رنگیں پر تبسم کھیل رہا ہے۔ جذیمہ پر تو صورت دیکھتے ہی ایک محویت کا عالم طاری ہو گیا اور ملکہ نے مسکرا کر کہا: "جہاں پناہ! کہ میرے پاس نہ کوئی سامان عروسی موجود ہے اور نہ حوادث زمانہ نے مجھے اس قابل چھوڑا ہے کہ کوئی مجھ سے کوئی لطف حاصل کر سکے"۔ اس کے بعد اس نے ایک برق پاش ادا کے ساتھ رخ پھیر کر حکم دیا کہ بادشاہ کو ایک نہایت اعلیٰ چرمی فرش بچھا کر عزت کے ساتھ اس پر متمکن کرو۔ تعمیل حکم کی تکمیل پر اس کے ایماء سے فوراً جذیمہ کی نبضیں کھول دی گئیں اور خون اس کے جسم سے ہلکے اور تُبک فوارے کی شکل میں بہنا شروع ہوا۔ زباء کے درباری نجومیوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ دیکھنا اس کے خون کا کوئی قطرہ فرش پر نہ گرنے پائے ورنہ ضرور ہے کہ اس کے ورثا میں سے کوئی نہ کوئی اس کے خون کا انتقام لینے کے لئے کھڑا ہو جائیگا۔ اسی لیئے چرمی فرش بچھایا گیا تھا اور زائد خون طلائی ظروف میں لیا جا رہا تھا۔ اسی اثنا میں خون کا ایک قطرہ فرش چرمی سے باہر جا گرا۔ ملکہ سامنے کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ گھبرا کے بولی۔ دیکھ یہ بادشاہوں کا خون ہے ضائع نہ جانے پائے۔

عشق میں خون کے فوارے

جذیمہ آخر بادشاہ تھا اور بادشاہ بڑا پرشکوہ اور اولوالعزم۔ اس کے ہر دو ساعد سے خون کے فوارے رواں تھے اور وہ نہایت سکون و استقلال کے خاموش بیٹھا ہوا تھا اور چہرے پر خوف و ہراس کی کوئی علامت پیدا

نہ تھی۔ زباء کے الفاظ سنکر بولا " جب خون کو خود اس کے اپنے لوگوں نے ضائع ہونے دیا آپ کو اس کے ضائع کی فکر نہ ہونی چاہیئے" ، پھر کہا کہ " عشق میں دنیا سر دیتی چلی آرہی ہیں اگر اپنا خون دے رہا ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ آپ بھی کیا یاد کریں گی کہ کوئی جاں نثار نصیب ہوا تھا۔ جس نے اپنے خون کے تمام قطرے نکالکر آپ کے سامنے آپ کی تواضع کے لئے اکٹھے کر دیئے "۔ رفتہ رفتہ جذیمہ پر ضعف طاری ہوا غش آیا اور وہیں ختم ہو گیا۔

وزیر قصیر نہایت مخلص اور خیر اندیش تھا اسے پہلے ہی انجام نظر آگیا تھا۔ بادشاہ کے اندر جانے پر فوراً اس نے فقیرانہ بھیج دیج اختیار کی قلعہ کے قریب ہی منڈلاتا رہا اور جب اسے تمام واقعہ کا علم ہو گیا تو نہایت اندوہ غم کے جذبات لئے ہوئے شہر حیرہ پہنچا اور بادشاہ کی حسرتناک موت کی خبر سنائی۔ تمام شہر اس ماتم میں غم سے لبریز ہو گیا جذیمہ کے کوئی اولاد تو تھی نہیں جو فوراً انتقام کے لئے کھڑی ہو جاتی ایک بھانجا تھا وہ بھی نہایت لاپرواہ! وہ سریر آرائے حکومت ہوتے ہی عیش اور رنگ رلیوں میں پڑ گیا اور یہ خیال بھی نہ کیا کہ کون مر گیا اور کس طرح مر گیا۔

ملکہ کا جاہ وجلال

اس فرصت میں ملکہ زباء نے اپنے تمام کھوئے ہوئے ملک پر قبضہ کر کے اسے خوب مضبوط و محکم کر لیا۔ اور اس شان و طنطنہ کے ساتھ فرمانروائی شروع کی کہ ہر طرف اس کی دھاک بیٹھ گئی اور تمام ملوک طوائف اس کے نام سے لرزنے لگے۔ چند ہی سال میں اسکا اقتدار پورے عروج پر تھا۔ تمام فرمانروا اس کی قابلیت و دانائی پر انگشت بدنداں تھے۔ کہ ایک کمسن دوشیزہ اور اس ہیبت و جلال کے ساتھ فرمانروائی

کرے کہ کسی اندرونی اور بیرونی حکمران کو اس کے ملک کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ ہو سکے چونکہ وہ شجاعت لیاقت اور دانائی و تدبر کے ساتھ ایک قیامت آفریں حسن و جمال کی بھی مالک تھی اور ابھی عمر بھی کم تھی اس لئے تمام ملوک طوائف اس کے ساتھ عقد کے آرزو مند تھے۔ لیکن اس کی ہیبت اور اسکا اقتدار ہی اتنا تھا کہ کسی کو مجال دم زدن نہ تھی جس کی انتہا یہ ہے کہ شریف و وفادار قصیر کے موثر طریق پر سمجھانے انتقام پر آمادہ کرنے اور بھڑکانے سے سلطنت حیرہ کا فرمانروا عمرو نے اپنے ماموں کے بدلہ لینے کا جو عزم کیا ہے تو خود قصیر ہی نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اب یوں ملکہ سے انتقام لینا مذاق نہیں ہے اس نے اتنا اقتدار حاصل کر لیا ہے کہ اگر اس سے جنگ کی گئی تو وہ اتنی بہادر اور زبردست ہے کہ وہ لازماً کامیاب و فتحمند ہو گی۔

وفاشعار سردار کا تاریخی انتقام

قیصر نے بادشاہ سے کہا کہ اسے اسی کے حربہ مکاری سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ میں جس طرح کرتا رہوں آپ اسی کے مطابق عمل کریں۔ قصیر کی وفا کیشی۔ استواری عزم اور جاں نثاری قابل صد ستائش ہے کہ اس نے اپنے دونوں کان اور ناک کا اگلا حصہ خود ہی کٹوا لیا اور زبا کے قلعہ کے نیچے جا کر بیکسانہ فریاد و فغاں شروع کر دی۔ ملکہ نے اسے بلوا کر پوچھا تو کہا کہ مجھے ظالم فرمانروائے حیرہ نے مدت العمر کی خدمات کے صلہ میں یہ ذلت خیز انعام دیا ہے۔ زباء ہزار دانا و عقیل ہوتی پھر ایک نازنین تھی اس کی حالت پر ترس کھا کر کہا کہ آپ آرام سے میرے پاس رہیں۔ قیصر کا تو منشا ہی یہ تھا منظور کر لیا رفتہ رفتہ اس نے ملکہ کا اعتماد حاصل کر لیا اور اس کے مزاج میں اتنا درخور پیدا کیا کہ اب اس کا سب سے زیادہ معتمد علیہ وزیر

یہی نکتہ قصیر تھا۔ اس کے تمام راز اس پر ظاہر ہو گئے۔ قلعے کے چپہ چپہ سے یہ واقف ہو گیا۔ تمام خزائن و دفائن کی کنجیاں اس کے پاس رہنے لگیں۔ ہر طرح بندوبست و انتظام کر کے اس نے عمرو کے کہلا بھیجا کہ دو سو آزمودہ کار سپاہی دو سو شبک چرمی صندوقوں میں بند کر کے ایک بڑے تاجر کی حیثیت سے قلعہ میں آ گئے قصیر نے اطلاع کی کہ بڑا دولتمند تاجر آیا ہے نفائس و غرائب اس کے پاس ہیں۔ قلعہ سے دور ٹھہرا ہے ملکہ نے فوراً بلوا لیا۔ بڑا شاندار قافلہ تھا۔

حسین ملکہ جنگل فریب میں

زبا بیحد عقیل تھی جس وقت ان صندوقوں کو لئے ہوئے اونٹ اور ملازم قصعت کے قریب قلعہ میں پہنچ گئے تو ملکہ کھٹکی اور اسی وقت کہا کہ اونٹ جست کرتے کیوں چلتے ہیں۔ ان پر کوئی فوج مع اسلحہ میں پا لیا۔ مگر اب کیا ہوتا تھا سپاہیوں نے صندوقوں سے نکل کر حملہ شروع کر دیا۔ اور قلعہ میں جنگ شروع ہو گئی۔ ملکہ نے سمجھ لیا کہ قصیر دوست نہیں اول درجہ کا دغاباز دشمن تھا۔ سرنگ کی طرف بھاگی جہاں قصیر نے پہلے ہی عمرو کو مسلح کھڑا کر دیا تھا۔ وہ دوڑا کہ اب جاتی کہاں ہے۔ جذیمہ کے انتقام کے لئے تیار ہو جا۔ بولی نامرد! مرد اور فرمانروا مرد ہو کر ایک عورت سے یہ فریب دغا۔ خیر میں بھی شاہزادی ہوں تیرے ہاتھ سے نہ مروں گی اور تیرے قلب میں انتقام کی آرزو ہی باقی رکھوں گی چنانچہ مقابلے کرتے ہی عصر کرتے ہیرے کی کنی انگوٹھی سے لے کر نگل گئی اور وہیں تڑپ کر گری اور مر گئی۔ اس کے بعد الجزیرہ پر عمرو کا قبضہ ہو گیا۔ جذیمہ خاندان بنی ایاد کا ایک نامور اور

اولوالعزم فرمانروا تھا جسے اگر زباء سے سابقہ نہ پڑا ہوتا تو وہ یقیناً تمام ایران اور وسط ایشیا پر قابض ہو جاتا کہ وہ برابر فتوحات کرتا چلا جا رہا تھا زمانہ جاہلیت میں عرب اس پر بڑا فخر کرتے تھے لیکن اگر زباء کو بھی قیصر فریب دیتا تو وہ بھی اردشیر بابکان کی جگہ لیکر تمام ممالک فتح کر لیتی اس نے جتنی مدت بھی فرمانروائی کی اس شان و طنطنہ کے ساتھ کی کہ ہر طرف ایک دھاک بٹھا دی تمام عربی مورخین اس کے حسن و جمال ہیبت و طنطنہ اور دانائی و حکومت کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

ارض عراق کی نامور فرمانروا

سلاطین حیرہ کی عظمت سلطنت حیرہ ایک خالص عربی اور وطنی مقتدر سلطنت تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک پوری سطوت و جلال کے ساتھ قائم تھی اور اسی کے فرمانروا کو ایک نامۂ تبلیغ بھی بھیجا گیا تھا۔ شہر حیرہ سلطنت حیرہ کا پایۂ تخت اور ایک عظیم الشان شہر تھا اور اس جگہ آباد تھا جہاں عہد اسلامی میں کوفہ بسا ہوا تھا۔ ساسانیوں کی شہنشاہی کے قیام سے پیشتر یہاں خاندان بنی ایاد کی پرشکوہ سلطنت قائم تھی جس اولوالعزم جذیمہ پیدا ہوا جسے اگر ملکہ زباء اپنے باپ کے انتقام میں ختم نہ کر دیتی تو وہ آخر میں وہ اتنا بلند حوصلہ فرمانروا تھا کہ سارے ایران و ترکستان کو فتح کر کے رکھ دیتا اور یہی زباء کرتی اگر وہ وزیر قیصر کی دغابازی کی شکار نہ ہوتی۔ بہرکیف سلطنت الجزیرہ کے فرمانروا کے قتل کا انتقام اگر بنی ایاد کے فرمانروا جذیمہ سے زباء نے لیا تھا تو زباء کا انتقام قدرت نے بنی ایاد سے ملکہ کا بیسا کے ذریعہ سے لیا۔ اور اس باہمت اور صاحب عزم ملکہ نے بنی ایاد کو فنا کر کے ان کی سطوت و جبروت کے کھنڈروں پر آل نعمان کی

ایک نئی اور زبردست سلطنت کی بنائیں حیرہ میں استوار کیں۔

دانائی وتدبیر

یہ ماء السماء ہی تھی جس نے اپنی نازنینی و دلبری کے باوجود اپنی شجاعت و تدبیر اور حکمت عملی و قابلیت سے بڑے بڑے ناموروں اور گردن فرازوں کو مغلوب و منکوب کیا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اردشیر بابکان کی ساسانی اولاد کو بھی اپنا طرفدار کیا کیونکہ اس وقت اس امر کا شدید خطرہ تھا کہ اگر ساسانی فرمانروا مقابلہ پر آگیا تو ساری کامیابیوں اور فیروزمندیوں پر پانی پھر جائیگا۔

حقیقت یہ ہے کہ آل نعمان کی یہ قابلیت اور حکمت عملی قابل صد تعریف و ستائش ہے کہ انہوں نے اپنی حکمرانی و اقبال کے پورے زمانہ میں کبھی وہ موقعہ ہی پیدا نہ ہونے دیا کہ ساسانی ان کی زبردست سلطنت کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے بلکہ انہیں اپنا دوست رکھا۔ یہ پالیسی ماء السماء ہی کی پالیسی تھی۔ اسکی اولاد کامیابی کے ساتھ آخر تک نبھاتی رہی۔ اصلیت یہ ہے کہ یہ سلطنت کہنے کو تو ساسانیوں کی زیر سیادت تھی ورنہ ویسے نہ اس نے کبھی خسروان عجم کو خراج دیا۔ نہ لشکر بھیجا اور نہ اپنے اندرونی نظم و نسق حکومت میں دخل انداز ہونے دیا۔

ماء السماء نے دربار ایران میں اپنی قابلیت و کارفرمائی سے وہ تعلقات قائم کر لئے تھے کہ ہر ایرانی تاجدار اپنی تمام عظمتوں اور شوکتوں کے باوجود اس کی اور اس کی اولاد کی پوری منزلت و عزت کرتا رہا۔ اسی خاندان کے ارکان کو ایرانی شاہزادوں کی اتالیقی سپرد ہوتی تھی اہم امور سلطنت میں بھی مشورے دیتے تھے اور جملہ معاملات میں ان کی رائے لی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ آخر تک برابر قائم رہا۔

عزت واقتدار

ماء السماء یہی نہیں کہ حسن و ناز آفرینی اور قابلیت و دانائی میں بے ہمتا تھی بلکہ نہایت ہوشمند اور وجیہہ بھی

بھی تھی۔ یہ اس کی دانائی ہی کا کرشمہ تھا کہ خسروان تو اسے قدر و منزلت کے ہاتھوں لیتے ہی تھے۔ اُن کے محلوں میں بھی اس کی وہ عزت و آبرو تھی جو تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ ہر شہزادی اور ہر ملکہ ماء السماء کے نام کی شیدا تھی اور تمام شاہزادیاں اسے برابر گراں بہا ہدایا اور تحفے بھیجتی رہتی تھیں حتی کہ ایران کے قیمتی جواہرات بھی ماء السماء کے خزانے میں آتے رہتے تھے۔ بلا مبالغہ کئی کروڑ روپیہ مختلف ہدایا کی شکل میں دربار ایران سے ماء السماء کو مل چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے وہ تہذیب و شائستگی عطا فرمائی تھی کہ عرب میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ تمام ایرانی شاہزادیاں ماء السماء ہی کی تربیت یافتہ ہیں اور حرم شاہی کی تربیت اسی نے کی ہے۔

ماء السماء نفاست مزاج اور تہذیب و شائستگی میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتی تھی اور اس نے اس ضمن میں بڑی بڑی نفیس اور نازک ایجادیں کی تھیں۔ غرض ماء السماء نے اپنے سیاسی تدبر اور دانائی سے ہمسائے کو نہ صرف راضی رکھا اور اس سے اپنی قدر و منزلت کرائی بلکہ یہ بھی ان پر واضح کر دیا کہ جتنی ضرورت اسے خسروان عجم کے راضی رکھنے کی ہے اس سے زیادہ ضرورت انہیں ماء السماء کی عزت و پاسداری کی ہے۔

محاسن و محامد خدا نے اسے وہ عقل و فرزانگی عطا فرمائی تھی کہ اس نے اپنی اولاد کو شجاعت و بسالت تہذیب و شائستگی اور علوم و فنون میں یکتا و یگانہ بنا دیا۔ ان میں رزم و بزم کی تمام قابلیت پیدا کر دیں۔ میدان جنگ میں یہ شیروں کی طرح لڑتے تھے اور ایرانی بزم ہائے طرب میں یہ بلبل نواسنج بن جاتے تھے۔ ماء السماء حسن و جمال میں وحید عصر تھی۔ فصاحت و بلاغت میں جواب نہ رکھتی تھی طبیعت اتنی لطیف و نفیس پائی تھی کہ فرمانروایان عجم اس کی حالت دیکھکر

حیران رہجاتے تھے۔ فنون لطیفہ کی شیدا اور بڑی قدردان تھی اسکے دربار کی آراستگی اور شان دیکھنے کے لائق تھی۔ وہ کم و بیش پچیس چھبیس برس کی عمر تک دوشیزہ ہی رہی۔ اسی لئے اسکا نام ماءالسماء پڑ گیا۔ جس سے اس کی طبیعت و صورت کی لطافتوں اور نزاکتوں اور نفاستوں پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ گویا جس طرح بارش کا پانی لطیف و شیریں اور پاک اور اچھوتا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ جمال اور حور پیکر ملکہ لطیف و نازک اور دوشیزہ و پاک تھی۔ اس کے باوجود اس قدر جری و بہادر تھی کہ طاقتور اور بہادر جنرل اس کے مقابلے میں آتے ہوئے گھبراتے اور کتراتے تھے اور اس نے اس طنطنہ و جلال سے فرمانروائی کی کہ ہر طرف اس کی دھاک بیٹھ گئی۔

جاہ و جلال عرب میں صدیوں تک ماءالسماء کی شوکت و اہمیت اور جاہ و حشم کے افسانے مشہور رہے۔ کسی امیر و رئیس کی جرات نہ ہوئی کہ وہ اس کے مقابلہ میں سرکشی و بغاوت کا تصور کر سکے ملک کا انتظام اس خوبی و عمدگی کے ساتھ کیا کہ ہر طرف دھوم مچ گئی۔ عربی شعرا اس کے دربار میں آتے۔ مدحیہ قصائد پڑھتے اور گرانقدر انعام لیکر رخصت ہوتے۔ اس نے ایک طاقتور اور حسین و وجیہہ امیر سے شادی کر لی تھی جس کے ساتھ اس نے پوری شرافت و رعنائی کے ساتھ آخر تک نبھائی۔ محل میں وہ اس کی بیوی اور فرمانبردار جورو تھی مگر دربار میں وہ اس کی اور کل سلطنت حیرہ کی ملکہ تھی اور کوئی اس کے سامنے اُف نہ کر سکتا تھا۔ اس نے ایک طویل مدت تک کامیابی کے ساتھ سلطنت کی اور ملک کو سرسبز و شاداب بنا دیا۔ یہ اس کی لیاقت و قابلیت ہی کی برکت تھی کہ اس کی اولاد صدیوں ناموری کے ساتھ حکومت کرتی رہی اور فرزندان توحید آخر میں اس کی حکومت کے وارث

بنے۔ مختصر یہ کہ یہ پریجمال ملکہ اپنی کمالات صوری و معنوی میں عدیم المثال تھی

مصیبت زدہ غیور شاہزادی

حضرت سعد بن وقاص کا دربار

سلطنت حیرہ کے آخری فرمانروا نعمان بن منذر نے جب ایک طویل عرصہ کی فرمانروائی کے بعد سفر آخرت کیا ہی تو اسکا سارا اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ اور ابھی چند سال کی مدت بھی منقضی نہیں ہوئی تھی کہ اس کی اولاد اور تمام شاہی خاندان افلاس و عسرت کے پنجہ میں گرفتار ہو کر دنیا کیلئے ایک نمونۂ عبرت بنا ہوا تھا۔ واقعی حیرہ کا نعمانی خاندان اپنی دولت و عظمت اپنے جاہ و جلال اور اپنی شان و شکوہ میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اور خسروان ساسانی تک اس کی عزت پر مجبور تھے یہ تو داستان تھی نعمانیوں کے عہد اقبال کی۔ دور زوال میں یہ حالت تھی کہ جب آخری نعمانی فرمانروا کی لاڈلی اور پریجمال بیٹی حرقہ قادسیہ میں حضرۃ سعد بن وقاص کے سامنے آئی ہر تو وہ کیا کوئی بھی اُسے دیکھکر یہ شناخت نہ کر سکتا تھا کہ وہ نعمان بن منذر کی بیٹی تو کیا کنیز بھی ہے۔ حالانکہ شہزادی تھی اور حسن و جمال میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔

مصیبت وہ بلا ہے اور غریبی وہ عذاب ہی جس میں پھنس کر انسان اپنے تمام جوہر کھو بیٹھتا ہے اور پیٹ کی فکر اسے ہر چیز اور ہر خیال سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

مثل مشہور ہی کہ "غریب کی جوانی اور جاڑوں کی چاندنی" کسنے دیکھی ہی غریب اور مصیبت زدوں کی طرف کون نگاہ اُٹھاتا ہے اور اسے کس کی نظر میں وقعت حاصل ہوتی ہی۔ حرقہ واقعی حسین تھی اسکا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح تاباں و درخشاں تھا مگر جو چاند لگہ ہی

ابر میں چھپ گیا ہو وہ کیا چاند اور کیا اس کی چاندنی۔

بے ثباتی عالم کی تصویر

وہی حرقہ جو طلائی گہواروں میں پلی۔ طلائی چمچوں سے دودھ پیا۔ طلائی جھولوں میں جھولی۔ محلوں میں پرورش پائی۔ اس کی یہ عبرتناک حالت کہ ایک فقیرانہ سج دھج سے رہتی ہے۔ اور دل دنیا کے ہر ارمان اور زندگی کی ہر آرزو سے خالی ہو کر رہ گیا ہے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ ہنوز دولت عجم اور اقتدار کسریٰ کو پوری طرح پامال نہیں کرنے پائے ہیں۔ ابھی اس کی کامل بربادی میں سالوں کی نہیں تو کچھ مہینوں کی دیر ضرور ہے۔ البتہ اسلامی سیلاب کچھ اس شکوہ کے ساتھ بڑھا چلا آ رہا ہے کہ ایک عامی سے عامی کو بھی یہ باور ہو چکا ہے کہ یہ سیلاب بے پناہ ہے اور کسی کے روکے رک نہیں سکتا اور قادسیہ کی تباہ کن ہزیمت نے تو خود ایرانیوں کے بھی حوصلے پست کر کے خود انہیں ان کے مستقبل کی طرف سے مایوس کر دیا ہے بہرکیف جس وقت حضرت سعد بن وقاصؓ قادسیہ کے اندر فاتحانہ قدم رکھتے ہیں تو نعمان بن منذر کی فلاکت زدہ سخت جگر بھی اظہار اطاعت۔ انقیاد کے لئے اس پرسطوت اسلامی جنرل کے سامنے حاضر ہوتی ہے اور زمین ادب چوم کر خاموش کھڑی ہو جاتی ہے۔

چونکہ حرقہ کے ساتھ اس کی دو سہیلیاں بھی تھیں اور تینوں وضع و لباس اور رفتار و کردار میں یکساں معلوم ہوتی تھیں اس لئے حضرت سعدؓ کو ان سے یہ دریافت بھی کرنا پڑا کہ تم تینوں میں شہزادی کون ہے اور جب حرقہ نے آگے بڑھ کر یہ کہہ بھی دیا کہ "میں ہوں"، تو بھی فرط استعجاب سے حضرت کو یہ سوال کرنا ہی پڑا کہ "کیا واقعی تم ہی نعمان کی بیٹی ہو؟" حضرت سعد کو کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ نعمان بن منذر کی بیٹی اس معمولی حالت میں گذر کر سکتی ہے اور وہ میرے پاس بلائے بغیر عجلت کے ساتھ خود

ہی حاضر ہو سکتی ہے۔ انہوں نے سمجھا ممکن ہے اس کی کوئی غرض ہو اور اپنی کسی تکلیف کے اظہار اور ارتفاع کی غرض سے آئی ہو۔

نعمان کی گرشتہ بخت بیٹی

لیکن شہزادی کے اظہار خیال نے اس شہرہ آفاق اسلامی جنرل کے استعجاب و حیرت کو بہت جلد ختم کر دیا۔ وہ متانت کے ساتھ بولی۔

جی ہاں نعمان بن منذر کی برگشتہ بخت بیٹی میں ہی ہوں دنیا بے ثبات ہے اور گردش افلاک سے یہ جلد جلد بدلتی رہتی ہے اور اس کے بدلنے کے ساتھ ہی ساتھ اس کے فرزندوں کی حالت میں بھی جلد جلد انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کبھی یہ عروج پر ہوتے ہیں اور کبھی معرض زوال میں آجاتے ہیں۔ ایک دن تھا کہ اس سرزمین کے مالک ہمیں تھے جس پر آپ اس وقت فاتحانہ چل پھر رہے ہیں ہمیں اس کی فرمانروائی کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ وہ بھی ہمیں تھے جن کے خزائن و دفائن اس ملک کے مداخل سے لبریز رہتے تھے۔ لیکن آج زمانہ ہمارا معاند ہے اور آسیائے فلک دل کھول کر ہمیں پیس رہی ہے۔ اب نہ ہمارا وہ جاہ و حشم ہے اور نہ وہ اقبال و طنطنہ! ہمارا عصائے سلطنت ٹوٹ گیا ہماری جماعت منتشر ہو گئی۔ زمانہ کا رنگ ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ وہ شرفا کو بگاڑتا اور ذی عزت افراد کو مٹاتا رہتا ہے۔

عبادت و ریاضت

حضرت سعد حرقہ کی یہ جانسوز تقریر سنکر بہر درجہ متاثر ہوئے اور فرمایا۔ کچھ اپنی حالت تو بیان کیجئے۔ بولی کیا سناؤں۔ کل ہماری یہ حالت تھی کہ عرب کا کوئی بڑے سے بڑا فرد بھی ایسا نہ تھا جسے ہمارے دربار میں باریاب ہونے کی آرزو

نہ رہتی ہو اور جو ہمارا نام سنکر نہ لرز جاتا ہو۔ اور آج کوئی ایک عرب بھی ایسا نہیں جس سے ہم خود کانپتے اور نہ ڈرتے ہوں اور جس کی مجلس میں پہنچنے کی خود ہمیں تمنا نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے اس مفہوم کے دو شعر پڑھے کہ یا تو ہم خود سرداری کر رہے تھے یا اچانک ہم عامی بن گئے اور دوسروں کے سامنے فریادی کی حیثیت سے کھڑے ہیں۔ افسوس نعمائے دنیوی فانی ہیں کبھی دنیا موافق ہوتی ہے اور کبھی وہ ایسی آنکھیں پھیر لیتی ہے کہ خیال بھی نہیں کرتی کہ کبھی اس سے ہماری آشنائی تھی۔ حضرت سعد بولے کوئی آرزو ہو تو بیان کیجیے" بولی تمنا یہ ہے کہ مجھے کوئی ویران قریہ رہنے کے لئے دیدیجئے۔ اسی وقت تحقیق سے معلوم ہوا کہ ارض حیرہ میں ایسا کوئی قریہ نہیں۔ بولی اللہ کا شکر ہے کہ میرے آبائے ملک کو آباد چھوڑا ہے۔ آپ بھی سعی کیجیے کہ ملک کو آباد چھوڑ کر جائیں تاکہ رحمت ایزدی کے مستحق بنیں۔ رہی میری حالت تو میں اب بے ثباتی عالم دیکھکر نہ کبھی خوشی کی آرزو مند ہوں اور نہ اب ان کھلی آنکھوں سے گلشن عالم کی شگفتگی کا نظارہ کرنا چاہتی ہوں۔ پھر کہا دیکھئے کہ جب اللہ تعالے شرفا کو بے دولت کرے تو ہمیشہ ان کی حاجت روائی کرتے رہیئے خدا آپ کو توفیق دے کہ آپ نیک لوگوں کی حاجت روائی کرتے رہیں اور بڑے اور فرومایہ افراد کے بس میں نہ پڑیں۔ یہ کہا اور اپنی حسین و غزالیں آنکھوں سے کچھ قطرات اشک بہائے اور چلی گئی حضرت عمرؓ سے جو ذکر کیا گیا تو فرمانے لگے زمانہ ہر قوم کو کچھ مدت تک عیش کا ضرور موقعہ دیتا ہے" یہ شہزادی نہایت حسین و پیکری پیکر تھی مگر انقلاب عالم نے اسے اس درجہ متاثر اور شکستہ کر دیا تھا کہ پوری عمر تجرد و عبادت اور گوشہ نشینی میں گذار دی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر کی باکمال محبوبہ

فضائل اخلاق یہ بے مثل اور بے نظیر حسن و جمال کی خاتون اصلاً تو ایک کنیز تھی۔ مگر تھی شریف و نجیبا ور نہایت پاکدامن و عفیفہ وہ زمانہ آج جیسا زمانہ نہ تھا۔ صدر اول کی کنیزیں محض نام کی کنیزیں ہوتی تھیں اور ویسے وہ شریف زادیوں اور گھر کی بیویوں سے بھی اکثر ممتاز و مکرم رہا کی ہیں پھر کنیز اور وہ بھی اہلبیت کی کنیز علوم و فنون سے مرصع۔ اخلاق و اطوار سے مزین۔ حسن و جمال سے نورٌ علیٰ نور۔ اس کا نام تھا عمارہ۔ بذلہ سنجی و لطیفہ گوئی شستگی مذاق اور تہذیب نفس عمل و عصمت میں باکمال ہونے کے علاوہ فن موسیقی میں بھی اپنا مثیل نہ رکھتی تھی۔ گلا ایسا پیارا پایا تھا کہ دو نغموں میں سننے والوں کو مست و سرشار کیا از خود رفتہ بنا دیتی تھی۔ غرض ایک عورت میں جتنے جوہر بیک وقت جمع ہو سکتے ہیں اور وہ سب اس میں مرکوز تھے۔ یہی وجہ تھی کہ یزید گو خلیفہ وقت تھا اور اس کے محل میں ایک سے ایک زیادہ حسین عورت موجود تھی مگر وہ عمارہ کے حسنات و صفات سنکر اس درجہ گرویدہ و وارفتہ ہو گیا تھا کہ اس نے اس کے حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن سعی کی۔

یہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی مرکز نظر اور محبوبۂ خاص تھی۔ انہیں اس کے ساتھ اسدرجہ محبت تھی کہ سفر اور حضر میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ایک لمحہ کو اپنے سے جدا نہ کرتے تھے اور نہ بغیر اس کے انہیں قرار آتا تھا۔

یزید پلید کا جنون عشق حضرت عبداللہ دمشق گئے ہوئے تھے۔ یزید اس وقت ولیعہد تھا وہ بھی آپ سے ملنے کے لئے آیا۔ یہ چونکہ فرمانروائے وقت کا فرزند تھا۔ حضرت عبداللہ نے اس کی عزت کی جس کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے اسے سامنے بٹھلا کر یزید کو اسکا گانا بھی سنوا دیا۔ حسن و موسیقی دونوں مل جاتے ہیں تو ایک زندہ سحر بنجاتا ہے

یزید اُسی وقت دیوانہ ہو گیا۔ اتنا دیوانہ کہ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ کس طرح وہ اس برقِ جمال کو اپنے قبضہ میں لے لے۔ عبداللہ چونکہ بڑے ذی عزت و اقتدار بزرگ تھے۔ اس لئے اسکا کوئی قابو نہ چلا۔ مگر عشق کی آگ شعلہ بن بن کے اس کے قلب میں شدت کے ساتھ بھڑکتی رہی یہاں تک کہ وہ سریر آرائے خلافت ہو گیا۔ قصرِ حکومت میں بہت سی نازنین موجود تھیں مگر یزید کو عمارہ کا عشق برابر ستاتا رہا جب نہ رہا گیا تو محرمانِ خاص سے استفسارہ کیا کہ کیا کروں اور کس طرح اس حورِ وش کو حاصل کروں کہ مجھے تو اس کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی قرار نہیں آتا۔ سب نے کہا کہ عبداللہ بڑے ذی اثر اور بارسوخ شخص ہیں۔ اُنپر قابو پانا اور حکومت و اقتدار کو چکما کر ڈالتا ہے۔ البتہ بہت غور کے ساتھ کوئی تدبیر سوچی جائے ایسی کہ سانپ مر بھی جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

یزیدی چالیں

جب نہ رہا گیا اور چین بھی نہ پڑا تو عراق کے ایک نہایت چالاک اور مشہور مکار شخص کو بلا کر اس کام پر مامور کیا اور دولت سے مالا مال کر دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس نے کہا بہت بہتر ہے کوئی تدبیر کرتا ہوں اور جس طرح ہو گا اس حور کو آپ کی جنت میں لا بٹھاؤنگا۔ یزید کا مفارقت میں برا حال تھا۔ اس نے ایک لاکھ درہم دیکر رخصت کر دیا۔ اس نے فوراً ایک سوداگر کا روپ اختیار کیا نفائس و عجائب ساتھ لئے اور ایک دولتمند تاجر بن کر مدینہ پہنچ گیا اور اسی میدان میں جا کر ڈیرے لگا دیئے۔ جو حضرت عبداللہ کے مکان کے سامنے تھا۔ حضرت عبداللہ بھی اہلبیت سے تھے اُسے مہمان سمجھکر اس سے ملنے گئے یہ سوداگر اُن سے اس ادب اخلاق و تعظیم سے پیش آیا کہ وہ مسحور ہو گئے اور رفتہ رفتہ اتنے تعلق بڑھ گئے کہ حضرت عبداللہ ہمہ وقت اسی کے پاس اُٹھنے بیٹھنے لگے۔ اس نے بھی گرانقدر تحفہ و ہدایا نذر دینے شروع

کر دیئے۔ انتہا یہ تھی کہ انہوں نے اسے ایک روز عمارہ کا گانا بھی سنوا دیا۔
سوداگر بولا بھائی کنیز تو واقعی خوب ہاتھ لگی ہے۔ ایسی باکمال اور کافر ماجرا حسینہ سے تو غالباً روئے زمین کا ہر خطہ خالی ہے۔ یہ ایک انمول ہیرا ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ بھائی سچ کہئے آپ سوداگر ہیں۔ آپ کے نزدیک اس کی قیمت کیا ہو گی۔ اس نے بلاتکلف جواب دیا اس کی قیمت تو سلطنت ہے اور بس۔ عبداللہ مسکرائے اور فرمایا آپ میرے خوش کرنے کے لئے اس مبالغہ سے کام لے رہے ہیں۔ بولا آپ جانتے ہیں کہ میں سوداگر ہوں۔ دولت کمانا، جمع کرنا اور بڑھانا میرا کام ہے اگر آپ کو اس میں مبالغہ کی بو نظر آتی ہے تو میں دس ہزار اشرفیاں تو خود اسی وقت دینے کو طیار ہوں۔

بنے ہوئے سوداگر کا فریب

عبداللہ اب بھی یہی سمجھے کہ یہ مذاق کر رہا ہے بھلا اتنی دولت بصورت نقد اس مسافرت میں اس کے پاس کہاں ہوگی اور یہ رقم ویسے بھی بہت زیادہ ہے۔ کون دے سکتا ہے اور کون اتنی دولت دیکر کنیز خرید سکتا ہے۔ انکی زبان سے ہنسی میں نکل گیا اچھا میں نے فروخت کیا۔ لاؤ اسی وقت دس ہزار اشرفیاں۔ اب تکمیل تدبیر کا وقت آگیا تھا سوداگر نے اسی وقت دس ہزار اشرفیاں لاکر سامنے ڈھیر کر دیں۔ عبداللہ گھبرائے تو مگر مسکرا کر کہا کہ آپ کی اشرفیاں آپ کو مبارک رہیں میں تو محض مذاق کر رہا تھا ورنہ میں کہیں ایسی دلربا کو اپنے سے جدا کر کے کسی کے سپرد کر سکتا ہوں۔
سوداگر آن کی آن میں متین بن گیا اور بولا جناب یہ معاملہ ہے جس میں مروت کی کوئی گنجائش نہیں معاہدہ بیع تو مکمل ہو گیا۔ اگر آپ ہی جیسے بزرگ بدعہدی کریں گے تو پھر زمانہ میں پابندی عہد کی توقع کس سے ہو گی عبداللہ نے بہت کہا مگر وہ نہ مانا مجبوراً آپ نے زار زار روتے ہوئے

عمارہ کو حوالے کر دیا۔ وہ اسے لیکر دمشق پہنچا تو یزید مر چکا تھا۔ اس نے معاویہ بن یزید کے نذر کرنی چاہی۔ یہ باپ کے خلاف بہت متقی و خدا ترس انسان تھا۔ اس نے جو واقعہ سنا تو ڈانٹ کر دربار سے نکلوا دیا۔ معاویہ کی دھمکی سے اُسے خوف پیدا ہو گیا تھا کہ ممکن ہے عبداللہؓ معاویہ سے شکایت کریں اس لئے وہ لرز گیا اور اپنے گھر پہنچکر عراق سے پھر مدینہ روانہ ہوا۔ اور عبداللہ سے کہا۔ للہ آپ میرا قصور معاف کر دیں۔ میں نے جو کچھ فریب کیا وہ یزید کے کہنے سے اُسی کے لئے کیا۔ اب کہ یزید مر گیا ہے میں اسے پھر آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اور ساتھ ہی یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اسے دمشق و عراق کے سفر میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اشرفیاں بھی آپ ہی رکھیں کہ وہ آپ کی تکلیف کا معاوضہ ہیں۔

عبداللہ اور عمارہ باہم عاشق و معشوق تھے دونوں بے اختیار گلے سے لپٹ کر روئے اور عبداللہ کو تو غش آگیا۔ کیونکہ وہ اس کے فراق میں اسی وقت سے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ پھر عبداللہ نے اس عراقی کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا۔ اور دیر تک جناب باری میں سجدہ ریز رہے۔ واقعی عمارہ اپنی خوبیوں اور محاسن صوری و معنوی کے اعتبار سے عدیم المثل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عبداللہ اس پر ہزار جان سے عاشق تھے اور اسے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام سمجھتے تھے۔

مدینہ کی ایک عفت مآب حسینہ

خاندان اور علم و فضل

اسی پاکدامن اور عفیفہ خاتون کو تاریخ و سیر میں ام جعفر کے نام سے یاد کیا گیا ہے عبداللہ بن عرفطہ کی لخت جگر تھی۔ مدینہ میں رہتی تھی۔ ایک نہایت شریف اور دولتمند خاندان کی چشم و چراغ تھی۔

پہلی صدی ہجری میں بعہد تابعین پیدا ہوئی اور بہت جلد جملہ علوم و فنون میں تبحر حاصل کرکے فارغ التحصیل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے عقل و ذہانت لیاقت و فطانت، فصاحت و بلاغت، علم و فضل اور دولت و عزت کے ساتھ حسن و جمال سے بھی پورا حصہ عطا کیا تھا۔ اس لئے بہت امکان تھا کہ یہ کسی امیرزادہ کے کاشانۂ عیش کی شمع بنتے اور اپنی زندگی پورے آرام و آسائش کے ساتھ گذارے۔ مگر ایک واقعہ نے اس کی زندگی اور زندگی کے تمام بہتر اور شیریں تصورات کو خاک نامرادی میں دفن کردیا۔ نہ صرف یہ کہ ایک قیامت خیز حسن و جمال کی مالک ہونے کے باوجود اسے کوئی پیام نہ آیا بلکہ اس کے خاندان والے بھی اس کی صورت سے بیزار ہوگئے اور کلی امید کھلتے ہی پژمردہ ہوگیا۔ وہ یہ کہ اس زمانہ کا نامور اور مشہور شاعر احوص محض اس کے جمال جہاں آرا کا شہرہ سنکر اس پر عاشق ہوگیا اور اسے بدنام کرنا شروع کردیا۔

ایک شریف شاعر کا اتہام

اُس عہد کے شعراء بھی شریف زادیوں کے لئے ایک بلائے بے درماں سے کم نہ تھے

ہم اسی کتاب میں واضح کرچکے ہیں کہ عرب کا ہر شخص قریب قریب شاعر ہوتا تھا اور ہر شاعر کے لئے کسی پر عاشق ہونا بھی ضرور تھا۔ عرب کی شاعری میں معشوق غیر متعین اور عام نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ شعراء اظہار عشق اور مشق سخن کے لئے کسی ایک حسینہ کو منتخب کرلیتے تھے۔ یہ طریقہ عام تھا برا نہ سمجھا جاتا تھا اس لئے کہ صدیوں کے دستور نے اس کی برائیاں نگاہوں سے اوجھل کردی تھیں۔ شریف اور نیک دل شعراء تو محض تعریف و ستائش اور بکائے مفارقت پر اکتفا کرتے تھے۔ مگر ظاہر ہے کہ دنیا میں بروں اور شریروں کی تعداد زیادہ رہی ہے۔ اس لئے یہ اشرار حد سے بڑھ کر اپنی ناکامی یا بوالہوسی کی آسودگی کی تکمیل میں علانیہ یہ بھی لکھنا شروع کردیتے تھے کہ ہم اپنی محبوبہ سے

فلاں جگہ ملے ایسی دلفریب ملاقاتیں ہوئیں وصل کے ایسے عیش اٹھائے اس سے شریف زادیاں بدنام ہو جاتی تھیں۔ پھر چونکہ شعراء بہت ذی اثر اور ہر دل عزیز ہوتے تھے اس لئے لوگ ان کی مخالفت کرتے بھی ڈرتے تھے اور یہ جو چاہتے بلا روک ٹوک لکھتے چلے جاتے تھے۔

احوص نے بھی نہایت موثر انداز میں لکھنا شروع کر دیا کہ میں ام جعفر سے ملتا ہوں وہ میری عاشق زار ہے اور میں اس کا دیوانہ ہوں شاعر تھا بڑا اور نامور اس لئے عوام میں ام جعفر کا نام مشہور ہو گیا۔ خاندان والوں نے ام جعفر کو بھی بہت ڈانٹا۔ ادھر قسمیں کھاتی ادھر وہ وصل و وصال کا ایک نیا شوشہ چھوڑ کر مشہور کر دیتا اور لکھ دیتا کہ فلاں دن مجھے فلاں مقام پر اپنے اعزا سے چھپ کر ملی اور ظالم مجھے بیقرار بنا کے چلی گئی

ام جعفر کی عاقلانہ تدبیر

اس لئے بھائی ایمن نے اسے دھمکایا بھی وہ باز نہ آتا تھا اور نہ آیا۔ آخر نقص امن عامہ کے خوف سے حاکم مدینہ نے ایمن اور احوص دونوں کو پکڑوا کرا اور ایک رسی سے بندھوا کر دونوں کے ہاتھ میں کوڑے دیدیئے کہ دونوں لڑو اور دل کے حوصلے نکال لو۔ کوئی بھاگ تو سکتا ہی نہ تھا۔ ایمن کے اندر غیرت شرافت کا جوہر تھا اور احوص کے اندر دروغ و افترا کی کمزوری۔ ایمن نے اس کی خوب ہی خبر لی اور وہ بمشکل رسی تڑا کر اور جان بچا کر بھاگا لیکن احوص نے اب بھی اپنا طرز عمل نہ بدلا۔ ایمن کے قلب میں آگ بھڑک رہی تھی اور وہ اس کے قتل کے درپے تھا۔ ام جعفر نے سوچا کہ اگر قتل ہو گیا میں تو بدنام ہوں ہی بھائی بھی مفت قصاص میں مارا جائیگا۔ اس لئے وہ نہایت دانائی اور ہمت سے کام لیا اور ایک بوسیدہ اور میلا برقع پہن کر عین اسی موقعہ پر پہنچ گئی جہاں کچھ لوگ جمع تھے اور احوص جھوم جھوم کر اپنا کلام سنا رہا تھا اور

لوگوں سے داد لے رہا تھا اور اشعار میں کہہ رہا تھا کہ مجھے ام جعفر کا وصل قسمت سے نصیب ہوا اور اس میں کتنا لطف آیا۔

اُم جعفر نے منت سے کہا بھیا احوص اب مجھے ضرورت ہی بہت تنگدست ہو رہی ہوں۔ مجھ سے جو بکری خریدی تھی اس کی قیمت ابھی دیدے۔ احوص بولا تو کون ہے اور کیا بکتی ہے کیسی بکری؟ بولی دیکھ احوص مجھ دکھیا اور غریب کے دام مار لینے سے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بولا چاچا میں نے کوئی بکری نہیں لی وہ اور کوئی ہوگا۔ بولی مجھے بیکس سمجھ کے کیوں ستاتے اور انکار کرتے ہو۔ میں تو اپنے دام لئے بغیر ٹلوں گی نہیں۔

غیرت حسن کا کرشمہ

ساتھ ہی اس نے لوگوں کو ایک کاغذ دیا کہ دیکھئے اس نے اس پر لکھ بھی دیا ہے احوص جھلا کر بولا خدا کی قسم یہ کاغذ میرا لکھا ہوا ہی نہیں ہے عجیب جعلساز عورت ہے۔ خواہ مخواہ میرے سر ہو کر روپیہ اینٹھنا چاہتی ہے۔ اب عورت نے زور زور سے رونا اور چلانا شروع کیا۔ اور لوگ جمع ہو گئے ہجوم لگ گیا۔ وہ کہنے لگی لوگو خدا کے واسطے مجھ غریب کی مدد کرو اور میرے دام اس سے دلاؤ کہ میری فاقوں پر نوبت ہے لوگوں نے ترس کھا کر کہا کہ احوص کیا ہو گیا اس غریب کے دام دے کیوں نہیں دیتے۔ بولا میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اسے جانتا بھی نہیں کہ یہ کہاں رہتی ہے اور کون ہے۔ عورت فوراً بولی۔ تو نے داموں سے انکار کیا۔ لکھے ہوئے سے انکار کیا۔ اچھا لے کیا تو اب میری صورت سے بھی انکار کرے گا۔ یہ کہکر اس نے نقاب الٹ دی۔ لوگ اس کا حسن دیکھکر مبہوت رہ گئے مگر اس سے پہلے ان کی حیرت کا طلسم ٹوٹنے سے بیشتر ہی کہا بول کیا اب بھی انکار کی جرأت ہے اور اب بھی قسم کھا لیگا۔ احوص نے پھر قسم

کھائی کہ میں نے نہ اسے کبھی دیکھا اور نہ دام لئے عورت نے کہا اچھا میں صبر کرونگی تو اس مجمع کے سامنے حلف اٹھالے کہ میں نے اس عورت سے نہ بکری لی نہ اسے جانتا ہوں اور نہ اس کی صورت دیکھی۔ احوص نے بےتکلف یہی کہدیا۔ اس پر ام جعفر نے سینکڑوں آدمیوں کے مجمع میں بڑھ کر اس کے منہ پر تھوک دیا اور بولی دیکھئے ابھی اس نے کیا حلف اٹھایا ہے۔ اس پر یہ دنیا بھر میں بکتا اور شعر پڑھتا پھرتا ہے کہ میں ام جعفر سے فلاں جگہ ملا۔ فلاں بات کی یہ ہوا اور وہ ہوا۔ ام جعفر میں ہی ہوں۔ اب آپ اس کے منہ پر تھوکیں کہ یہ شریف زادیوں کو بدنام کرتا پھرتا ہے۔

صدہا اشخاص اس وقت موجود تھے۔ احوص پر گھڑوں پانی پھر گیا۔ اور ایسا شرمندہ ہوا کہ پھر مہینوں گھر سے باہر نہ نکلا۔ ام جعفر گھر چلی آئی اور چند ہی روز میں اس کی شادی ایک دولتمند شخص کے ساتھ ہوگئی جس کے ساتھ اس کی زندگی بڑے عیش کے ساتھ گذری۔ اس کے بعد پھر بہت کم شعراء کی ہمت پڑی کہ مفت میں کسی کو بدنام کریں۔ عرب بھر میں ام جعفر کی اس دلیرانہ فراست کا شہرہ ہوگیا اور شریف زادیاں اس کا نام عزت سے لینے لگیں۔

کشتۂ عشق محبوبہ

علم و فضل یہ پریجمال اور قیامت خرام و گل اندام خاتون جماعت النساء کرام کی چشم و چراغ تھی۔ صدر اول اسلام میں پیدا ہوئی تمام سیرت نگار اس پر متفق ہیں کہ ادب انشا شعر و شاعری فصاحت و بلاغت، شرافت و نجابت شرم و حیا، عہد و وفا، عفت و پاکدامنی بذلہ سنجی و یا مذاقی۔ دینداری و اتقاء اور حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھی اس کے اشعار میں ایک سحر تھا اور جو سن لیتا تھا متاثر ہوئے

بغیر نہ رہتا تھا۔ بڑے بڑے نامور شعرا اس کے تبحر شعری کے معترف تھے نظم و نثر پر یکساں حاوی تھی۔ تقریر میں بھی بلا کا جوش ہوتا تھا اور جب بولتی تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی بہت شہرت ہو گئی تھی۔ بڑے بڑے لوگوں کو اس سے عقد کی آرزو تھی۔ بہت سے پیغام آئے۔ لیکن اس نے قبل از وقت سمجھ کر سب کو انکار کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس کی خداداد ذہانت اور لیاقت و حسن کا چرچا اونچی اونچی صحبتوں میں ہونے لگا۔ سب کے قلب میں شوق اور آرزو کی آگ لگائے ہوئے تھے۔ لیکن کسی کا نہ کوئی قابو چلتا تھا اور نہ کوئی تدبیر کارگر ہوتی تھی۔ اس لئے سب اپنے دل کی آرزوئیں دل میں لئے بیٹھے تھے۔

مدینہ میں جشن ہائے عیدین

عید آج بھی ہوتی ہے۔ عید کے اجتماع بھی ہوتے ہیں میلے بھی ہوتے ہیں اور مسلمان خوشیاں بھی مناتے ہیں۔ لیکن یہ عیدیں ہمارے عہد زوال کی عیدیں ہیں۔ جن میں زندگی۔ حقیقی مسرت اور جوش صحیح کی کوئی روح موجود نہیں ہوتی اور نہ مسلمان اپنی عسرت و افلاس کی بدولت ان سے کوئی زندگی و مسرت حاصل کرتے ہیں۔ ایک رسمی اجتماع ہوتا ہے جو ہوا اور ہو کر ختم ہو گیا۔ لیکن ہمارے عہد اقبال میں عید ایک طوفان مسرت اور سیلاب نشاط بنکر آتی تھی جس کی سرشاریاں ہمیشہ مسلمانوں کو سرمست و سرشار رکھتی تھیں اور وہ ان سے دل بھر کر اور جی کھول کر لطف اٹھاتے تھے۔ ان میں ایک زندگی بھی ہوتی تھی اور شان تقدس بھی۔ صدر اول میں بھی جبکہ ہر طرف اور ہر چیز پر ایک ایمان پرور سادگی چھائی ہوئی تھی۔ جشن عید ہمارا بہت بڑا ئی اور مذہبی جشن ہوتا تھا اور ہم اس سے خوب لطف اندوز ہوتے تھے۔

مرد، عورتیں اور بچے فریضۂ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بالعموم کسی سبزہ زار کسی چمن زار کسی پُر فضا مقام یا کسی نزہت گاہ میں جمع ہو کر لطف اٹھاتے ہنستے بولتے اور اپنی روحانی بالیدگی و نشاط کا سامان

فراہم کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی جشنِ عید بڑی دھوم دھام کے ساتھ منایا جاتا تھا اور وہاں کے نخلستانوں، سبزہ زاروں اور میدانوں میں میلے لگ جاتے تھے اور لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا تھا۔

ایک دل دوز مذاق

ایک مرتبہ عید ہی کے روز عتبہ بن حباب بن منذر انصاری اس مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے جو غزوہ احزاب کی یادگار کے طور پر عین خندق کے برابر و قریب تعمیر ہوئی تھی کہ خواتین مدینہ کا ایک غول کا غول مسجد کے اندر آیا۔ سب پر مسرت کا ایک جوش طاری تھا سب کے دل مسرور اور مبتہج تھے اور سب پر ایک کیف کا عالم طاری تھا۔ انہی خواتین میں سے ایک زاہد فریب و شیزہ یک بیک الگ ہوئی اور مذاق جو سوجھا تو سیدھی عتبہ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ جو ایک نہایت بزرگ، ذی عزت اور بڑے عالم بزرگ تھے اور بے تکلفانہ انداز میں ان سے مخاطب ہو کر بولی کہ حضرت یہ تو فرمائیے۔ فرمایا کیا اس نے آہستہ سے کہا کہ آپ اس خاتون کے متعلق کیا فرمائیں گے جسنے آپ کے وصال کی آرزو بیتاب بنائے ہوئے ہو عتبہ یہ سنکر اچھل پڑے ابھی تک وہ حکم غضِ بصر کے مطابق اپنی نظریں نیچی کئے ہوئے تھے یہ بات سنکر نگاہ جو اٹھائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے ایک حور اپنی آراستگیوں اور برق جمالیوں کے ساتھ کھڑی ہے۔ دم بخود رہ گئے اور حسن عالم آشوب کا وہ رعب پڑا کہ زبان بند ہو گئی، اور منہ سے کچھ کہنا بھی چاہا مگر قوت گویائی نے ساتھ نہ دیا۔

حضرت عتبہ کی عاشقانہ بیقراری

ایک مذاق تھا جو سرشاری عید کے مظاہرہ کے طور پر شوخی حسن نے کرا دیا تھا کیونکہ وہ مہ پارہ اتنا کہتے ہی صرف چند لمحے انتظار کر کے پھری اور لپک کر اپنی ساتھ والیوں کے غول میں جا ملی

وہ تو چلی گئی اور کچھ دیر کے بعد مسجد بھی اس مہ پارہ اور تمام تفریح کرنے والی خواتین سے خالی تھی۔ اور صرف عتبہ ہی عتبہ اپنی جگہ ساکت و صامت بیٹھے تھے۔ یہ حالت تھی کہ چہرہ کا رنگ فق تھا۔ پیشانی پر پسینہ آ رہے تھے۔ سانس تیزی کے ساتھ چل رہا تھا اور سینہ میں دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس کے بعد لمحہ بہ لمحہ حالت بگڑنی شروع ہو گئی۔ جھک کر جو دیکھا تو دل میں اس حورِ جمال کی تصویر صاف اُتری ہوئی تھی۔ بجلیاں کوند رہی تھیں۔ بیقراری برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ سینہ میں میٹھا میٹھا درد محسوس ہو رہا تھا۔ ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ بار بار دل سے سوال کرتے تھے کہ یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا اور اللہ کے گھر میں دن دہاڑے اللہ کا ایک بندہ لٹ گیا۔ اور خرمنِ عقل و خرد کو برقِ جمال کی ایک تڑپ خاک سیاہ کر کے رکھ گئی ہے۔

حیران تھے سمجھتے تھے کہ یہ کون شوخ مزاج تھی جس کی شوخ اداؤں نے مجھے تباہ کر کے رکھ دیا۔ کہاں جاؤں؟ کدھر ڈھونڈوں؟ کس سے پوچھوں کہ اس کا نام کیا ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ کس گلشنِ حسن کا شگفتہ پھول ہے؟ آہ! میں تو کچھ بول بھی نہ سکا۔ پوچھ بھی نہ سکا۔

جنابِ باری میں عاجزانہ دعا

دل گھبرانے لگا۔ سانس رکنے لگا۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ تو مسجد سے اُٹھ کر گھر آئے۔ وہاں بھی دل نہ لگا تو باہر نکل گئے اِدھر اُدھر پھرے مگر بیقراری نہ جانی تھی اور نہ گئی۔ دن بھر بدحواس و سراسیمہ پھرتے گذرے اور رات پوری کی پوری اختر شماری میں بیتابی کے انگاروں پر لوٹتے گذر گئی کہ وصال کی تمنا، وہ بھی ایک مہ پارہ کی۔ اور وصال بھی میسر۔ مگر کہاں ہے وہ تمنا والی۔ کوئی پتہ نہیں۔ کوئی نشان نہیں۔ دوشیزگی کا عالم تھا۔ شباب کا زمانہ تھا۔ عید کا دن تھا۔ شوخی سوجھی۔ شرارت کی

عمر ہی ایسی ہے۔ دن ہی شوخی کے ہیں۔ مگر اب پتہ کس سے پوچھوں اور جواب کسے دوں۔ مدینہ کی گلیوں کی خاک چھان ڈالی اور ایک ایک سے پوچھا مگر بے سود!

جب انسان تمام تدابیر کر کے تھک چکتا ہے اور ناکامیاں قدم قدم پر ٹھوکریں کھانے لگتی ہیں اور یاس و نومیدی کا ہجوم ہوتا ہے تو فطرۂ انسانی ہے کہ خدا یاد ہی آتا ہے اور آقائے حقیقی کے سامنے بندہ گڑگڑاتا اور مدد مانگتا ہے۔ یہی عتبہ نے کیا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اسی مسجد احزاب میں آ بیٹھے۔ ہمہ تن انتظار تھے اور ہمہ تن شوق۔ اللہ سے دعا کی "بار الہا میں بہت مجبور ہو گیا ہوں۔ میری حالت بہت خراب ہے۔ مجھے کسی پہلو قرار نہیں یا تو پھر اسی پری وش کا نظارہ کرا یا اس کا پتہ بتا۔" جو دعا خشوع وخضوع سے مانگی جائے۔ ضرور ہی قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عتبہ کی دعا قبول کر لی۔ ابھی مسجد احزاب میں آئے اُسے چند ہی لمحے گذرے تھے کہ بالکل غیر متوقع طور پر نازنین خواتین کا ایک گروہ نمودار ہوا اور مسجد میں آ کر ٹہلنے لگا۔ اور سیر و تفریح میں مصروف ہو گئیں۔

عتبہ کی امیدیں اور آرزوئیں زندہ ہو گئی محبوبہ جاں نواز کی تلاش تھیں۔ اسکا دل بڑھ گیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ مہ پارہ بھی اس جھرمٹ میں ضرور ہو گی اسی لئے اس کے قلب میں شوق کی ایک دنیا آباد ہوتی چلی جا رہی تھی۔ تصورات کے نئے نئے قصر تعمیر ہوتے اور منہدم ہو کر رہ جاتے لیکن یاس و نا امیدی کی کوئی حد و انتہا نہ تھی۔ جبکہ عتبہ نے محسوس کیا کہ وہ مہ پارہ اس جھرمٹ میں موجود نہیں ہے۔ بہت ممکن تھا کہ عتبہ جوش یاس میں چیخ اُٹھے اور مجنونوں کی چلاتے اور بھٹکتے لگتے کہ چند لمحوں بعد ہی ایک نازنین اپنے جھرمٹ سے علیحدہ ہو کر عتبہ کے پاس آئی اور سوال کیا کہ "آپ اپنی آرزو مند

وصل کے متعلق کیا کہتے ہیں،، عتبہ نے بیقرار اور پُر امید ہو کر جواب دیا مگر یہ تو بتایئے کہ وہ "آرزو مندہ طالبہ وصل" اور ظالم ہے کہاں؟ نازنین بولی کہ وہ مدینہ میں موجود نہیں عراق چلی گئی ہے اور شہر سماوہ میں اپنے باپ کے پاس رہتی ہے۔ سینے پر ایک دھچکا سا لگا۔ ایک آہ بھری اور کہا "افسوس میں تو دل بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا۔ کیا ظالم محض مجھے بیقرار اور گرفتار کرانے ہی کے لئے مدینہ آئی تھی۔ خیر خدا کے لئے اس کا پورا پتہ تو بتا دو اس کے خاندان کا نام و نشان تو واضح کرو۔ نازنین نے آہستگی کے ساتھ کہا کہ "اس مہ پارہ کا نام ریا ہے۔ انصاری جمعیت کی چشم و چراغ ہے اور فطریق سلمیٰ کی بیٹی ہے۔ اس سے زیادہ نہ مجھے کچھ علم ہے اور نہ میں آپ کو اور کچھ بتا سکتی ہوں اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے۔

سماوہ مدینہ سے بہت دور تھا اس لئے قدرتاً عتبہ بہت
در مقصود کا پتہ
پریشان ہوئے۔ بس نہ چلتا تھا کہ کس طرح اڑ کر اس کے پاس پہنچ جائیں۔ اسی جوش و بیقراری کی حالت میں یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے "دوستو! ریا سماوہ چلی گئی ہے۔ میں تو اس کی مفارقت میں روتے روتے بیجان ہو چکا ہوں اور آنکھ میں ایک بھی آنسو باقی نہیں رہا۔ کیا تم میں سے کوئی میرے ساتھ اتنی عنایت روا رکھ سکتا ہے کہ وہ تھوڑے آنسو مجھے بطور قرض عطا کر دے۔" آخر اپنے ایک غمگسار دوست کو ساتھ لئے ہوئے در جاناں پر جا پہنچے۔ فطریق سلمیٰ کو جو علم ہوا کہ مدینہ سے عتبہ یہاں آئے ہیں تو اس نے انکی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ جانتا تھا کہ انصاری ہیں اور بہت بڑے صاحب علم و ذی عزت۔ تین روز کے قیام و مہمانی کے بعد فطریق نے پوچھا کہ آپ جس کام کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں مجھ سے فرمایئے۔ میں حتی الوسع آپ کی پوری امداد کرونگا۔ عتبہ کے ساتھی نے جواب دیا کہ یہ آپ کی صاحبزادی کو پیام دینا چاہتے ہیں۔ فطریق نے کہا کہ

عتبہ اپنی شرافت خاندانی اپنے علم و فضل اور اپنی خوشحالی کی بنا پر میری لڑکی کو پیغام دینے میں ہر طرح حق بجانب ہیں۔ اور مجھے بھی اس کے منظور کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا لیکن میں نے شادی کا معاملہ خود اپنی صاحبزادی ہی کے سپرد کر دیا ہے اس سے جا کر پوچھتا ہوں۔

شادی کی غیر ممکن الحصول شرائط

ریّا تو خود ہی آگ لگا کر آئی تھی اور خود بھی اسی آگ میں سلگ رہی تھی اس نے بلا تکلف اس پیغام کو منظور کر لیا۔ لیکن غضب یہ ہوا کہ ریّا نے دفور مسرت میں باپ کی پشت پھرتے ہی کنیز کے ذریعہ عتبہ کو اس پیام کا شکریہ بھی کہلا بھیجا۔ کنیز نے فطریق سے جا لگائی کہ ریّا اپنے ہونے والے دولہا کا شکریہ ادا کر رہی ہے۔ فطریق یہ سنکر برافروختہ ہو گیا کہ تم دونوں میں ضرور پہلے سے معاشقہ موجود ہے۔ واقعی تو اس قابل نہ تھی کہ تجھے آزادی عمل عطا کی جاتی جس سے تو نے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کی۔ میں ہرگز عتبہ کے ساتھ شادی نہ کروں گا۔ اس موقعہ پر ریّا نے پوری دانائی سے کام لیکر کہا کہ یہ آپ کو اختیار ہے کہ آپ جس سے چاہیں میرا عقد کریں۔ لیکن دیکھئے جوش کی حالت میں کوئی کام اپنی خاندانی تہذیب اور شرافت کے خلاف نہ کر بیٹھیں۔ آپ نکاح کے پیام کو تو منظور کر لیجئے مگر اسے ایسی شرط سے مشروط کر دیجئے جنہیں وہ کسی طرح پورا نہ کر سکیں فطریق بولا تیری رائے صائب ہے۔ چنانچہ اس نے باہر آ کر صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ مجھے پیام منظور ہے مگر اس کا مہر ایک ہزار دینار سرخ پانچ ہزار درہم سو اعلیٰ قسم کی یمنی چادریں اور پانچ قرص عنبر ہے۔ عتبہ نے کہا کہ اور چیزیں تو مہیا بھی ہو سکتی ہیں مگر عنبر اشہب کے پانچ قرص کہاں سے دستیاب ہو سکیں گے۔

وصل سے پہلے پیام مرگ۔ بہرکیف عتبہ بولے کہ میں سمجھ گیا کہ آپ کا

منشا نہیں ہے تاہم میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اقرار تو لیتا جاؤں کہ اگر یہ تمام اشیا فراہم ہو گئیں تو پھر تو آپ کوئی عذر پیش نہ کریں گے۔ قطریق جانتا تھا کہ عتبہ ان چیزوں کو فراہم کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اس نے اقرار کر لیا۔ عتبہ کا عشق سچا عزم راسخ اور طلب صادق تھی وہ ہمہ تن مصروف سعی جہد ہو گئے اور ایک قلیل وقفہ مدت ہی میں تمام مطلوبہ اشیاء لا کر قطریق کے سامنے رکھدیں۔ اب بھلا کیا عذر ہو سکتا تھا۔ بیٹی کے پاس گئے اور بولے کہ تو نے بھی مشورہ اقرار میں کمال کیا اور عتبہ نے بھی فراہمی اشیاء میں حیرت انگیز قابلیت کا ثبوت دیا۔ بہر کیف سب کچھ جانتے ہوئے بھی اقرار کو نبھاؤں گا۔ چنانچہ شادی ہو گئی۔ یہ شادی دولہا اور دلہن دونوں کے لئے انتہائی مسرت انگیز چیز تھی۔ چنانچہ پورے چالیس روز تک مسلسل ضیافتیں ہوتی رہیں اور جشن ہوتے رہے۔ اس کے بعد برات بڑے ساز و سامان کے ساتھ روانہ ہوئی۔ مدینہ کے قریب اس پر ڈاکو آپڑے۔ عتبہ شیر ببر کی طرح کودے دلیرانہ لڑے اور مارے گئے۔ اب ریّا کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ اسی وقت اس نے دلدوز مرثیہ کہا اور ایسے اس درد و سوز سے پڑھنا شروع کر دیا کہ ڈاکو تک لوٹنا بھول گئے اس کے فریاد و شیون سے آسمان کا جگر شق ہوا جاتا تھا پڑھتے پڑھتے اس نے ایک چیخ ماری جس سے اسکا قلب پھٹ گیا۔ قافلہ والوں اور ڈاکوؤں دونوں نے ملکر انہیں ایک ہی قبر میں دفن کر دیا جس پر چند ماہ بعد ہم آغوش شاخوں کا ایک عجیب درخت پیدا ہوا جو مدت تک "شجرۃ العروسین" کے نام سے مشہور رہا۔ بہرحال ریّا کی یہ داستان عشق اتنی موثر تھی کہ صدیوں لوگوں کے قلوب کو برماتی رہی۔

عرب کی غزال عنا

تعلیم و تربیت یہ خاتون اپنے علم و فضل شعر و ادب و حسن و جمال میں یگانۂ روزگار گذری ہے اور عربی لٹریچر میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایک شریف اور دولتمند خاندان کی چشم و چراغ تھی ماں باپ نے اسے نہایت ناز و نعم کے ساتھ پرورش کیا تھا اور بہت توجہ کے ساتھ تعلیم دی۔ جب پل بڑھ کر جوان جولان ہوئی تو اسکا شباب قیامت سے کم نہ تھا اور چہرہ چودہویں رات کے چاند کی طرح تابان و درخشان تھا جسکی وجہ سے جلد اسکی شہرت ہو گئی اور حسن و جمال کا تذکرہ ہونے لگا۔

اس کی عقل و دانائی کی بنا پر اس کے والدین نے اسے انتخاب زوج کا اختیار دیدیا تھا اور آزاد بنا دیا تھا کہ جس سے چاہے شادی کرے لیکن عجیب بات تھی کہ اسے جتنے بھی پیغام آئے اس نے سب کو قبل از وقت قرار دیکر انکار کر دیا۔

چونکہ بلا کی حسین اور ماہ پیکر ہونے کے ساتھ نہایت شوخ چنچل خوش مزاج شریر۔ بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھی اور اس غضب کا شباب تھا کہ پھٹا پڑتا تھا۔ اس لئے اور تو اور خود خاندان والوں کو حیرت ہونے لگی کہ اس کی وجہ کیا ہو کہ اس قیامت خیز اور بہار آفریں حسن و شباب پر بھی شادی سے گریزاں ہے کسی کا پیغام منظور نہیں کرتی اور ہر وقت شوخی و طراری، بناؤ سنگار اور ہنسی خوشی میں مصروف رہتی۔ ذوالرمہ اسکا جان نثار عاشق تھا اور اس کے حسن و شیریں ادائی کی تعریف میں برابر زور کلام دکھاتا رہتا تھا۔

جوش عشق بڑی بڑی صحبتوں اور اونچے اونچے گھرانوں میں برابر چہ میگوئیاں ہوتی رہتی تھیں اور عام شبہ تھا کہ اسکا تعلق واقعی ذوالرمہ سے ہے۔ جبھی تو شادی کی طرف اسکا میلان

خاطر نہیں ہوتا ہے۔ وہ اس کے کلام پر کسی کبیدگی کا اظہار بھی نہ کرتی تھی۔ خاموش رہتی ہے اس وجہ سے بعض کا خیال یہ بھی تھا کہ یہ مہ پارہ کسی اور پر مٹی ہوئی ہے۔ جو حسب نسب میں اس کے ہم رتبہ نہیں شادی کر نہیں سکتی۔ چھپے چوری لطف اٹھاتی ہے اور اپنی عقل و دانائی سے اپنا راز فاش نہیں ہونے دیتی سننے والے بھی کہتے کہ بھائی ہم نے آنکھوں سے تو دیکھا نہیں ورنہ حیرت نہیں کبھی ہے اگر کوئی خاموش اور مردہ دل دوشیزہ ہوتی یا جس کے رات دن عبادت ہی میں گذرتے تو بھی خیال ہو سکتا تھا کہ یہ اجتناب و احتراز ایک حد تک بجا ہے۔ لیکن نہیں وہ نہایت بامذاق ہے۔ زندہ دل ہے شوخ طبیعت ہے۔ ہر وقت قہقہوں میں گذارتی ہے۔ کیونکر باور کریں کہ اس طبیعت و مزاج کی دوشیزہ ہر قسم کا اختیار رکھنے کے باوجود تجرد ہی رہنا پسند کرے۔ لیکن اسے کیا کیا جائے اور کیا کہا جائے اس کا دامن فی الحقیقت ہر قسم کے دھبہ سے صاف اور پاک تھا

آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ جس کے سب آرزومند تھے۔ وہ بھی کسی کی آرزو کرے اور اس شدت و فدائیت کے ساتھ کرے کہ مٹ کر رہ جائے ایک روز یہ اپنے پائیں باغ میں صد ہزار آراستگیوں اور شوخ اداؤں کے ساتھ ٹہل رہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ چند نوجوان اسطرف سے گذر رہے ہیں۔ ان میں ایک جوان رعنا کا نظر جو اٹھی تو یہ بیقرار ہو گئی اور اسی وقت اپنا صبر و قرار کھو بیٹھی۔

فراق کی بپتا بیاں

اس نے اپنی کنیز کے ذریعہ اسکا نام و نشان دریافت کرا کے اسے پیغام دیا۔ جسے اس کی توقع کے خلاف اس نے فوراً ٹھکرا دیا جس سے اس کا شیشۂ نخوت اور اس کے ساتھ قلب بھی چور چور ہو کر رہ گیا۔ وہ سمجھتی تھی کہ اسوقت

عرب میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو اس کی ہم آغوشی کا آرزومند نہ ہو۔ لیکن اس تجربے نے اُسے بہت تکلیف دی۔ وہ اپنا دل سنبھالنا چاہتی تھی مگر نہ سنبھلتا تھا۔ حسن اتفاق سے وہ نوجوان بھی اس کی طرح بہت مستقل مزاج اور ضابط تھا۔ عشق کا تیر اس کے قلب میں بھی پیوست ہو چکا تھا۔ مگر دونوں خاموش تھے۔ کچھ تو ذاتی وقار اور رکھ رکھاؤ کے لیئے اور کچھ اس لئے کہ اگر اس عشق کا چرچا ہو گیا تو پھر عرب کے دستور کے مطابق دونوں کی شادی نہ ہو سکے گی۔ آخر ایک روز اس نے اپنی کنیز سے کہلا کر بھیجا کہ تمہارے عشق و ہجر میں میری اب وہ حالت ہو چکی ہے کہ پوری پوری راتیں بیداری میں انگاروں پر کروٹیں بدلتے گذر جاتی ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ مجھے اپنا پیغام بھیج دیجئے۔ ورنہ اگر آپ نے تاخیر کی تو میرے پاس چند اور پیغام موجود ہیں ایک ہفتہ کے اندر ان میں سے ایک منظور کر کے شادی کر لونگی۔ جی بہل گیا تو بہتر ورنہ تڑپ کر ختم ہو جاؤنگی اور پھر میرا اور خود تمہارا خون بھی تمہارے ہی سر ہو گا۔ کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ کوئی میرا رخ زیبا دیکھے اور اس کا آرزومند نہ بن جائے۔ یہ تیر نشانہ پر بیٹھا۔ پیغام دیا اور اس کے بعد شادی ہو گئی۔

میاں بیوی میں عاشقانہ محبت

اس کا نام تھا خرقا دونوں میاں بیوی میں انتہائی محبت تھی اور دونوں کی زندگی پورے عیش و آرام کے ساتھ گذری۔ ذوالرمہ عرب کا نامور اور مشہور شاعر بھی اسکا عاشق تھا اور اسکا تمام کلام اسی کی تعریف میں بھرا پڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ ذوالرمہ اسی کے فراق کی تاب نہ لا کر مر گیا جسکا اس پر بہت اثر پڑا۔ نہایت فیاض بھی تھی۔ غربا اور حاجتمندوں کو بہت کچھ دیتی دلاتی رہتی تھی۔ خرقا نے بہت طویل عمر پائی بوڑھی

ہو گئی تھی۔ مگر اس کی زندہ دلی اسی شان کے ساتھ قائم تھی۔ اولاد آخر عمر میں ہوئی۔ اس کی منشاء تھی کہ بیٹی کی شادی کسی اچھے گھرانے میں ہو جائے اس لئے اس نے ایک اور مشہور شاعر محیق بن حمیر سے کہلا کر بھیجا کہ تم میرے معاصر ہو چند شعر میری بیٹی کی تعریف میں کہہ دو اور ساتھ ہی میرے حسن و جمال کی تعریف کر کے میرے ساتھ اظہار عشق کرو۔ میں ممنون ہوں گی۔ اور تمہاری ہر خدمت کے لئے تیار رہوں گی۔

محیق نے اسی وقت پر جوش شعر کہنے شروع کر دیئے جنہوں نے اس کے نام اور حسن کے تذکار کو پھر زندہ کر دیا اور اس کی بیٹی کی شادی بھی ایک اونچے خاندان میں ہو گئی۔ احسانمندی کے طور پر خرقا نے محیق کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ خرقا عرب کی خود ایک بہت مشہور اور مایہ ناز شاعرہ تھی اور حجاز و عراق میں برسوں اس کی شاعری کا تذکرہ رہا۔ آخر اخیر عمر میں اس زمانہ کے تمام نامور شعراء اس کے پاس آتے اور لطف سخن اٹھاتے سب کو اس کی قابلیت اور سحر بیانی کا اعتراف تھا۔ بہت دولتمند۔ بہت حسین۔ بہت شریف۔ بہت فرزانہ اور بہت زندہ دل عورت تھی عربی مورخوں نے اس کا ذکر بڑے فخر کے ساتھ کیا ہے۔ واقعی اسکا کلام بہت موثر ہے جسے ہم قلت گنجائش کے باعث پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

خاندان ہاشمی کا گوہر شب چراغ

ہاشمی خواتین کے امتیازی خصائص

ام حکیم خاندان عالیہ ہاشمی کی ایک گوہر شب چراغ حضرت قارض کی بیٹی اور حضرت عبیداللہ بن عباسؓ کی محبوب و مکرم بیوی تھیں اور دونوں میں اس درجہ محبت تھی کہ ایک کو دوسرے سے

دیکھے بغیر چین نہ پڑتا تھا اور دونوں باہم گرِ عاشق و معشوق تھے۔ اُمِ حکیم کوئی معمولی خاتون نہ تھیں بلکہ آپ عرب کی نامور خواتین میں ایک گونہ امتیازی شان رکھتی تھیں۔ خاندانِ ہاشمی کی تمام بیبیاں اپنی اہلیت و لیاقت کے اعتبار سے عرب میں ممتاز تھیں۔ خطابت کا یہ عالم تھا کہ جب تقریر کرنے کے لئے کھڑی ہوتی تھیں تو سامعین کے قلوب کی دنیا الٹ کر رکھ دیتی تھیں۔ فصاحت و بلاغت کی یہ شان تھی کہ مشاہیرِ عرب آخر تک آپ کا لوہا مانتے رہے۔ شاعری میں یہ کمال کہ ادھر زبان سے شعر نکلا اُدھر نہ صرف مدینہ بلکہ تمام عرب میں مشہور ہو گیا۔ آپ کی شاعری نہایت پُر جوش دلدوز اور جذبات سے لبریز شاعری تھی۔

پھر ان محاسن و محامد کے علاوہ نہایت فیاض و سخی۔ دلیر و جری خوش باش و زندہ دل، خلیق و با مروت پاکدامن و عفیفہ اور مستقل مزاج و باہمت تھیں حسن و جمال میں بھی لاثانی تھیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو جملہ نعماء عطا فرما دیئے تھے اور زندگی بڑے عیش و آرام کے ساتھ گذر رہی تھی۔ شوہر کو خدا نے دولت دنیوی سے بھی مالا مال کر رکھا تھا اور حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں وہ یمن جیسے زرخیز صوبے کے گورنر تھے۔ عبید اللہؓ تمام مہمات امور میں اُم حکیم سے برابر مشورہ لیتے رہتے تھے اور کوئی کام آپ سے پوچھے اور مشورے لئے بغیر نہ کرتے تھے۔

ظلم و عداوت کی انتہا آپ کی زندگی ہر طرح عیش و آرام کے ساتھ بسر ہو رہی تھی لیکن دومۃ الجندل میں ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص نے خلافت کا جو فیصلہ کیا اور مؤخر الذکر کے فریب کارانہ تدبیر سے حضرت امیر معاویہ کو جو کامیابی نصیب ہوئی وہ ام حکیم کے جگر کا ایک غیر مندمل ناسور بن گئی اور آپ کا عیش و آرام ناگہانی طور پر اندوہ و کرب کی صورت اختیار کر گیا۔

امیر معاویہ اس فیصلہ کے بعد بھی نچلے نہ بیٹھے اور انہوں نے حضرت علیؑ کے اقتدار کی چٹان پاش پاش کرنے اور انہیں کمزور بنانے کے لئے ہر قسم کی ناجائز و جائز اور خفیہ و علانیہ کوششوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے آدمی مقرر کر دیئے کہ وہ حضرت علیؑ کے گورنروں اور طرفداروں کو جس طرح ممکن ہو تکلیف پہنچائیں۔ پریشان کریں ستائیں اور موقعہ ملے تو قتل و نہب میں بھی تامل نہ کریں۔ اسی سلسلہ میں محمد بن ابوبکر گورنر مصر کے خلاف بغاوت کرا کے انہیں ختم کرایا گیا اور ان کی اعانت و کمک کے لئے مالک بن اشتر بھیجے گئے تو انہیں راستہ ہی میں ایک قریہ کے سردار سے زہر دلوا دیا گیا۔ ضحاک بن قیس اور بسر بن ارطاۃ بھی اسی سلسلہ میں اسی کام کے لئے مامور ہوئے تھے۔ یہ دونوں نہایت ناخدا ترس اور ظالم تھے اور ان کی کارکردگی و اہلیت عمل کی عمدگی و خوبی کا معیار ہی یہ مقرر کیا گیا تھا کہ وہ کتنا ظلم کر سکتے ہیں۔ کتنی قربانیاں لے سکتے ہیں اور کتنی خدا ناترسی اور بیرحمی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

کمسن بچوں کا قتل

ان میں سے بسر ایک جمعیت اور ہتھیار و دولت ساتھ لئے یمن پہنچا۔ عبیداللہ یہاں گورنر تھے۔ اس وقت اُن کے پاس کوئی لشکر موجود نہ تھا اور خلافت کے اختلال کے باعث رعایا میں بھی بد نظمی پائی جاتی تھی۔ بسر کے پہنچتے ہی عبیداللہ گھبرا گئے اور مقابلہ کے بجائے وہ بھاگ کر روپوش ہو گئے۔ ظالم بسر دراتا گھر میں گھس گیا۔ اُم حکیم مقابلہ کو کھڑی ہو گئیں بہادرانہ لڑیں مگر حریف کے سامنے آپ کی کوئی پیش نہ گئی۔ اس کا بدلہ اس شقی ازل نے یہ لیا کہ آپ کے دونوں کمسن اور لاڈلے بچوں کو پکڑ کر انتہائی سنگدلی کے ساتھ زمین پر دے پٹکا اور بےبس ماں کی آنکھوں کے سامنے انہیں پوری قصابی کے ساتھ ذبح کر ڈالا۔ اُم حکیم پر دست درازی کی ہمت نہ پڑی۔

اُم حلیم کتنی ہی دلیر اور شیر دل سہی پھر ایک امیر زادی اور نازنین تھیں اور انتہائی شریف۔ اس اندوہ وغم نے انہیں دیوانہ بنا دیا اور وہ کپڑے پھاڑ کر گھر سے نکل کھڑی ہوئیں۔ یہ حالت تھی کہ کوچہ بہ کوچہ پھرتیں۔ دشت و بیابان میں دوڑی چلی جاتیں جنگلوں میں نکل جاتیں۔ پہاڑوں اور دریاؤں سے باتیں کرتیں۔ اور جہاں چند آدمی نظر آجاتے انہیں اپنے زہر غم میں بجھے ہوئے شعر سنا کر روتیں اور رلاتیں۔ یہ اشعار اتنے جانسوز اتنے دردناک اور اس درجہ جوش انگیز ہوتے کہ پتھر بھی پانی ہو جاتے اور جو سنتا بیقرار ہو جاتا ایک روز اتفاق سے آپ نے یمن کی ایک سڑک پر کھڑے ہو کر ایک مجمع کثیر کے سامنے جو فی البدیہہ اشعار پڑھنا شروع کئے ہیں تو ایک آگ سی لگ گئی اور ایک یمنی کو اتنا جوش پیدا ہو گیا کہ وہ خود بسر سے جا کر ملا۔ اس سے دوستی پیدا کی اور ایک روز اسے وادی اوطاس میں شکار کے بہانے لیجا کر اس کے سامنے اس کے دونوں بچوں کو ذبح کر دیا اور بھاگ گیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بددعا

حضرت علیؓ کو جو اس ظلم و سنگدلی کی اطلاع ملی تو انتہائی رنج ہوا

آخر سردار اولیا اور شیر خدا تھے جوش آگیا اور منہ سے بے ساختہ یہ بددعا نکلی کہ "خداوندا! بسر کے قلب سے اس کا ایمان چھین لے اور وہ بھی دیوانہ ہو کر مرے" دعا اور حضرت علیؓ کی دعا کہیں ایسی کو بددعا دیتے تو اسی وقت اس قبیلہ کے قبیلے کا تختہ الٹ جاتا۔ چنانچہ بسر پاگل ہو گیا۔ دیوانگی میں تلوار مانگتا۔ لوگ چمڑے کی ایک مشک ہوا سے بھر کر اور ایک لکڑی کی تلوار دیدیتے اور وہ اسے مارتا رہتا۔ سب کچھ بھول گیا اور اسی حالت میں سسکتا ہوا مر گیا۔ حضرت علیؓ کی اس بددعا کے اثر سے پیشتر حضرت عبید اللہ کہتے ہیں معاویہ کے پاس گئے تو بسر موجود تھا۔ دیکھتے ہی بولے تو ہی تھا میرے بچوں

قاتل ہے بولا ہاں۔ بولا مجھے آرزو تھی کہ میرا اور تیرا کہیں سامنا ہو۔ مگر اس وقت میرے ہاتھ میں تلوار نہیں۔ بسر معاویہ کے پاس بیٹھا تھا بیخوفی سے بولا لو میں اپنی تلوار دیتا ہوں۔ حضرت عبیداللہ کے ہاتھ بڑھانے سے پیشتر امیر معاویہؓ نے تلوار چھین لی اور کہا۔ بیوقوف جانتا نہیں کہ یہ ہاشمی ہیں اور ضرور یہ فتنہ ہاشمی۔ تلوار ہاتھ میں آگئی تو میرا اور تیرا دونوں کا خاتمہ نہیں کر کے رکھدیں گے۔ مجھے ان کے قلب کی حالت کا حالت کا اندازہ نہیں۔ عبیداللہ نے فرمایا واقعی میں ایسا ہی کرتا اس کے بعد ہی بسر پاگل ہوگیا اور نامرادی کی موت مرا۔ ام حکیم کی حالت پھر سنبھل گئی۔ دماغ درست ہوگیا۔ مگر آپ اتنی حساس تھیں کہ یہ صدمہ نہ بھولیں۔ عرب کی تاریخ میں یہ مہ جمال اور فاضلہ روزگار خاتون بہت شہرت رکھتی ہیں اور ساری عمر بڑی دینداری میں گذاری۔

ایک شریف و حسین صحابیہؓ

حسن و جمال و علم و فضل تاریخ عرب ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم میں یہ شریف حسین خاتون جسکا نام دارمیہ ہے بہت بڑی شہرت رکھتی ہیں۔ عہد صحابہ کی تمام خصوصیات اور محاسن آپ کی ذات میں مجتمع و مرکوز ہو کر رہ گئے تھے۔ علم و فضل، شعر و سخن۔ ادب و انشا، بیخوفی و بیباکی اور حسن و جمال میں مشہور تھیں۔ گو نہایت دیندار و متقی خاتون تھیں مگر عہد شباب میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس سے یہ اندازہ ہو سکتا کہ دارمیہ سیاسیات اور شجاعت میں بھی آگے چلکر نام پیدا کرے گی۔ نہایت ناز و نعم میں پرورش پائی۔ مذہبیت انتہا سے غالب تھی اس لئے آپ کو یہ احساس بھی نہ تھا کہ آپ کس بلا خیز حسن و جمال اور کس تقوی شکن شباب کی مالک ہیں اور لوگ کس نظر سے دیکھ

ہوتے، لیکن آپ اس سے ذرہ برابر دلچسپی نہ لیتیں۔ والدین نے آپ کی عقل و دانائی کے پیشِ نظر بہت چاہا کہ وہ آپ کو آپ کے عقد میں مختار بنا دیں، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں اس معاملہ میں نہیں پڑنا چاہتی جہاں آپ کا دل چاہے مجھے بیاہ دیں اور جس کے ساتھ دل چاہے اس کے ساتھ عقد کر دیں۔ چنانچہ مجبور ہو کر انہوں نے ایک دولتمند نوجوان کے ساتھ آپ کی شادی کر دی۔

اطاعت شوہری کا حیرت انگیز مظاہرہ شادی کے بعد اس نوجوان کو احساس ہوا کہ گو میری بیوی بہت حسین اور دیندار ہے مگر اس میں شباب کی فطری شوخیاں نظر نہیں آتیں بہت مردہ دل واقع ہوئی ہے۔ اس لئے اس نے دوسری شادی کا ارادہ کیا آپ کو علم بھی ہو گیا اور شوہر نے عمداً آپ کے سامنے ذکر کیا۔ مگر آپ کو چنداں پرواہ نہ ہوئی وہ حیران تھا کہ یہ کیسی دل و دماغ کی حسینہ ہے نہ رہا گیا تو اس نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس درجہ متین و خاموش کیوں رہتی ہیں لائق ہیں حسین ہیں، شاعرہ ہیں۔ پھر اس بے احساسی و مردہ دلی کا مطلب! رہی خدا پرستی تو میں بھی اُسی کا بندہ ہوں۔ اس نے کب یہ تعلیم دی ہے کہ ہنسی اور تفریح سے کلیتہً گریز کیا جائے۔ عبادت کرو۔ مگر میرے جذبات کا بھی تو پاس و لحاظ ہونا چاہیئے۔ بولی آپ میرے سرتاج ہیں۔ بہت بہتر اس رات کے گذر جانے کے بعد پھر آپ کو مجھ سے کسی شکوہ کا موقعہ نہ رہیگا دوسرے روز سے یہ عالم تھا کہ رابعہ گویا وہ پہلی سی رابعہ ہی نہ تھی۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ وہ نہیں کوئی اور ہے۔ انتہائی بامذاق زندہ دل بذلہ سنج شوخ مزاج اور محفل آرا شاعرہ تھی جس سے ایک ساتھ اس کے شباب کے جوہر بھی چمک اُٹھے اور شوہر اس پر ہزار جان سے فریفتہ ہو گیا۔ اس نے چند ماہ تجربہ کر کے پوچھا کہ آپ عجیب عورت ہیں۔

طبیعت پر اس درجہ قابو کہ جس رنگ میں چاہتی ہیں خود کو ڈھال لیتی ہیں۔ بولی کوئی بات نہیں میری طبیعت وہی تھی جب سمجھا کہ آپ کی مسرت و خوشی دوسری صورت میں ہے تو میں ایسی ہی بن گئی۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ہر قسم کی قدرت عطا کر دی ہے اور وہ جیسا چاہیے ویسا بن سکتا اور اپنی فطرت پر بھی غالب آ سکتا ہے۔

سیاسیات عرب میں قائدانہ حصہ

حیرت یہ ہے کہ دارمیہ کی زندہ دلی اور شوخ طبعی آخر تک برابر قائم رہی۔ اور دونوں میاں بیوی نے نہایت عیش و سرور اور آرام و راحت کی زندگی بسر کی۔ دارمیہ ایک بہادر بیباک نازنین تھی میدان جنگ میں پہنچ کر تلوار چلا سکتی تھی۔ تھی حضرت علیؓ کی انتہائی عقیدتمند اور حامی۔ جنگ جمل و جنگ صفین میں اس نے علانیہ حضرت علیؓ کی حمایت کی۔ اور اپنے شعروں اور دھواں دھار تقریروں سے ایک قائدانہ حیثیت اختیار کر کے ہر طرف ایک طوفان برپا کر دیا۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ لوگوں کو برابر امیر معاویہ کے خلاف بھڑکاتی رہتیں۔ اور حضرت علیؓ کی تعریف میں اشعار کہتیں۔ پرزور تقریریں کرتیں اور ان کی حمایت پر عربوں کو آمادہ بناتیں۔ نہایت بے خوف اور بیباک تھیں امیر معاویہ کو اس بے مثل شاعرہ اور فقید المثال بہادر و بیباک اور طلیق اللسان و فصیح البیان خاتون کی طرف سے بیحد خطرات پیدا ہو گئے مگر مجبور تھے سرزنش بھی کی۔ ڈرایا بھی۔ دھمکایا بھی۔ انعام و اکرام کا وعدہ بھی کیا اشرفیوں کے توڑے بھی بھیجے مگر دارمیہ نے سر مو پرواہ نہ کی۔

اس کے بعد وہ وقت بھی آ گیا کہ حضرت علیؓ کا وصال ہو گیا اور امیر معاویہ تمام دنیائے اسلام کے واحد فرمانروا بن گئے اور حج کو آئے تو پوچھا کہ مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔ جو حضرت علیؓ کی حمایت میں طوفان

برپا کئے رکھتی تھیں اور مقام جحول میں آکر قیام کیا کرتی تھی۔ لوگوں کے بتانے پر دارمیہ بلائی ہوئی آئی تو امیر معاویہ نے فرمایا "اے حام کی بیٹی حبشن! بتا تو میرے سامنے کیوں آئی ہے۔ بولی واہ! میں حبشن نہیں آل کنانہ سے ہوں۔ عربی النسل ہوں اور آپ کی بلائی ہوئی آئی ہوں۔ فرمایا اچھا بتا کہ علیؓ سے انتہائی محبت اور مجھ سے انتہائی بغض کی وجہ کیا تھی۔ بولی معاف کردیں تو بیان کردوں۔ فرمایا نہیں تجھے میں ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔ دارمیہ بولی۔ نہ ہی سنیئے۔ حضرت علیؓ کے نزدیک سب یکساں تھے۔ رعایا کے ساتھ پورا انصاف کرتے تھے۔ اور آپ ایک ایسے بزرگ سے لڑے جو آپ سے زیادہ خلافت کا مستحق تھا۔ آپ نے بلاوجہ خونریزی کی اور اپنی خواہش نفسانی کے مطابق حکم دیئے۔

امیر معاویہ سے دلیرانہ گفتگو

امیر معاویہ نے طیش میں بھر کر کہا کہ اسی بغض کی وجہ سے تیرا شکم پھول گیا چھاتیاں بڑی ہوگئیں اور سرین بھاری ہوگئے۔ دارمیہ نے برجستہ جواب دیا خدا کی قسم ان صفات میں تو آپ کی والدہ ہند مشہور عوام تھیں میں نہیں امیر معاویہ نے یہ جوش دیکھ کر نرمی سے پوچھا آپ نے علیؓ کو کیسا پایا۔ بولی ایسا کہ جس حکومت نے آپ کو فتنوں میں مبتلا کردیا۔ وہ انہیں ہرگز مبتلا نہ کرسکتی تھی جس دولت نے آپ کو اپنا غلام بنالیا وہ انہیں اپنا شیدا نہ بنا سکی ان کی باتیں سنکر تو ایمان تازہ ہوجاتا تھا۔ وہ مسکینوں کی حاجت روائی کرتے تھے۔ خدا کے رسول نے ان کی بہت تعریف کی تھی۔ وہ مدینۃ العلم تھے۔ امیر معاویہ نے مصلحت دیکھ کر فرمایا کیا مانگتی ہو۔ بولی سو اونٹنیاں مع بچوں! فرمایا اس شرط کے ساتھ دوں گا کہ مجھے بھی علیؓ جیسا سمجھنے لگو۔ بولی خوب اُن جیسا کیا اُن سے کم بھی سمجھنے پر تیار نہیں۔ فرمایا خیر کیا یاد کروگی دیتا ہوں۔ مگر علی ہوتے تو تمہیں اتنا ہرگز نہ دیتے۔ بولی

بیشک وہ بیت المال سے اونٹ کیا اُن کے بال بھی مجھے نہ دیتے کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ امیر معاویہ نے اونٹنیاں دیدیں جنہیں لیکر دارمیہ گھر چلی آئیں اس سے جہاں امیر معاویہ کے "حلم" پر تیز روشنی پڑتی ہے وہاں دارمیہ کی حقگوئی بیباکی اور حق پرستی کا کیسا شاندار منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے اس بابرکت دور میں مسلمانوں کی یہی شان تھی بہرکیف اس سے اندازہ لگالیجیے کہ دارمیہ کس مرتبہ اور کس شان کی خاتون تھی اور اس نے کس شان و عظمت کے ساتھ زندگی بسر کی۔

جری و جمیل حق پرست خاتون

علم و فضل سودہ بنت عمارہ و ہیلے اسلام کی ایک نہایت حق پرست جری اور حسین و جمیل خاتون گذری ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اسے والہانہ محبت تھی۔ جنگ جمل کے موقعہ پر اس نے بہت زیادہ جوش کا اظہار نہیں کیا۔ مگر جب صفین کا معرکہ پیش آیا تو اس کے جوش و خروش کا سمندر پوری موجوں پر تھا۔ اس نے امیر معاویہ اور شامیوں کے خلاف اپنی معرکہ آرا اور دھواں دھار تقریروں اور پُر جوش رجزیہ شعروں سے ایک طوفان برپا کر دیا۔ جا بجا آگ لگاتی پھرتی تھی اور جہاں کھڑی ہو کر بولنا شروع کر دیتی تھی وہیں ایک انقلاب پیدا ہو جاتا تھا اس کے خطبوں اور شعروں نے امیر معاویہ کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچایا اور جس پروپیگنڈے پر وہ لاکھوں روپیہ خرچ کر رہے تھے اسے اس نے جہاں پہنچ گئی باطل کر کے رکھدیا۔ امیر معاویہ کی طرف سے بڑے بڑے لالچ دیئے گئے۔ ڈرایا گیا۔ دھمکایا گیا۔ مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حمایت میں اُسی شان کے ساتھ مصروف رہی۔

سودہ کا ایک بھائی بھی صفین میں شریک تھا۔ جو نہایت جرأت

و جلادت کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے لڑا اور شامی دلیروں کو خوب کاٹا

سودہ دربار معاویہ میں زمانہ ورق الٹ چکا تھا اور امیر معاویہ دنیائے اسلام کے واحد خلیفہ و فرمانروا بن کر دمشق میں بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کر رہے تھے کہ ایک روز سودہ اپنے قبیلہ کی ایک شکایت لیکر دربار میں پہنچی۔ امیر معاویہ کی نظر سودہ کے چہرہ پر جو پڑی تو بے اختیار بولے کہ کیا تم وہی سودہ تو نہیں ہو جو جنگ صفین میں میرے اور میری جماعت کے خلاف آگ برساتی پھر رہی تھیں اور یہ اشعار سنا سنا کر لوگوں کو جوش دلا رہی تھیں۔ امیر معاویہ نے شعر پڑھے جنکا مفہوم یہ تھا "اے فرزند عمارہ کے معرکہ کارزار میں اپنے باپ جیسے کارنامہ دکھا۔" "علیؓ کی حسینؓ کی اور ان کے خاندان کی حمایت کر کے ہند اور اس کے بیٹے کو خوار کر دے حضرت علیؓ امام ہیں اور رسول کریمؐ کے بھائی ہیں۔ ہدایت و رشد کے ولایت اور مینارۂ ایمان ہیں۔" انہیں خطروں سے بچا۔ ان کے جھنڈے کے آگے شمشیر براں اور نیزہ لیکر بڑھ"

سودہ نے جھجھک کر جواب دیا کہ میں نے نہ اس وقت حق سے روگردانی اختیار کی اور نہ اب اعراض کر سکتی ہوں اور نہ اس امر پر تیار ہوں کہ جھوٹ بول کر معذرت کروں۔ بیشک وہی سودہ ہوں۔ امیر معاویہ نے کہا کہ اگر تم وہی سودہ ہو تو بتاؤ کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی سودہ نے دلیرانہ جواب دیا حضرت علیؓ کی محبت اور اتباع حق کے باعث ایسا کیا۔

امیر معاویہ سے دلیرانہ مکالمہ امیر معاویہ بولے اچھا یوں ہی سہی مگر بتاؤ کہ تم کو اس پرجوش حمایت کا صلہ علیؓ کی طرف سے کیا ملا سودہ نے کہا کہ آپ جانے بھی دیجئے

ماضی کے تذکرہ سے کوئی فائدہ تو حاصل نہیں ہو سکتا۔ امیر معاویہ نے فرمایا تمہارے بھائی کا معاملہ ہرگز ایسا نہیں جسے بہلایا جا سکے۔ سودہ نے جرأت کے ساتھ جواب دیا۔ بیشک میرا بھائی حقیر آدمی نہ تھا کہ اسے بہلایا جا سکے۔ واللہ وہ ایسا ہی تھا جیسا شاعر نے اپنے ایک شعر میں اپنے بھائی کے متعلق کہا تھا کہ "صخر وہ ہے جس کی پیروی رہبر کرتے ہیں۔ گویا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے"

امیر معاویہ بولے۔ واقعی میں تصدیق کرتا ہوں کہ تیرا بھائی ایسا ہی تھا اور وہ ایک نامور شخص ہو گذرا ہے۔ مگر اب یہ تو بتاؤ کہ تم میرے پاس کس مقصد سے آئی ہو۔ سودہ نے جواب دیا کہ۔

دیکھو معاویہ اب تم امیر المومنین بن گئے ہو اور لوگوں کے معاملات اور نزاعات کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں آگیا ہے یہ معمولی چیز نہیں بہت اہم امر ہے۔ کل بروز محشر خدائے قدوس تم سے ہمارے اور ہمارے حقوق کے متعلق سوال کرے گا! اسلئے تمہیں ہوشمندانہ قدم اٹھانا چاہیئے اور ہر وقت خدا کے خوف سے لرزتے رہنا چاہیئے۔ ہمارے یہاں تمہاری طرف سے جو والی اور حکام مامور ہوتے ہیں وہ نہایت متکبر ہوتے ہیں اور جبر سے کام لیتے ہیں۔ بات بات پر اپنی شان جباری کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ ہمیں ذلیل کرتے ہیں ستاتے ہیں۔ اور اس طرح کاٹتے ہیں جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہے۔ بسر بن ارطاۃ تمہارا ہی والی تو ہے۔ تم ہی نے تو اسکا تقرر کیا ہے۔ اس نے نہایت ظلم و سفاکی سے کام لیا میرے آدمی مار ڈالے میرا مال چھین لیا اور مجھے ایسے الفاظ کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میں ہرگز اپنی زبان سے نہ نکال سکتی تھی

یعنی اس نے یہ کہا کہ تو حضرت علیؓ کے خلاف بُرے الفاظ زبان سے نکال اور ان سے اظہارِ بیزاری کر۔ اگر حاکم کی اطاعت واجب ہوتی تو قوت ہمارے اندر بھی تھی۔ بہرکیف اسے معزول کر کے تشکر یہ قبول کرو ورنہ پھر ہم تمہیں مزہ چکھا دیں گے۔

غیر متمدنانہ مطالبہ

امیر معاویہ نے کہا کہ تو مجھے دھمکی دیتی ہے۔ اچھا میں تجھے ابھی اونٹ پر بٹھا کر اسی والی کے پاس بھیجے دیتا ہوں تاکہ وہ جو سزا چاہے تجھے دے اس پر اس نے سر جھکا کر دو شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا کہ اس جسم پر خدا کی رحمت ہو جسے قبر نے چھپا لیا اور عدل اس میں دفن پڑا ہے۔ وہ ہمیشہ حق کا ساتھی رہا۔ حق وایمان اور وہ لازم وملزوم تھا۔ امیر نے تجاہلِ عارفانہ سے پوچھا وہ کون تھا۔ سودہ نے بیخوفی کے ساتھ جواب دیا حضرت علیؓ۔ معاویہ کے اس سوال پر کہ علیؓ نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ جواب دیا کہ ایک وزن کے والی اور مجھ میں جھگڑا ہو گیا۔ میں دربار میں پہنچی۔ نہایت شفقت سے پیش آئے اور سارا ماجرا سنکر آبدیدہ ہو گئے۔ اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا بار الہا تو گواہ ہے۔ میں نے اسے تیری مخلوق پر ظلم کا حق نہیں دیا تھا۔ اور اسی وقت اسے معزول کر دیا۔ امیر نے کہا ہاں! علیؓ نے تجھے والیوں پر جری کر دیا۔ اس کے بعد فرمان لکھا کہ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور اسکا مال واپس کر دو۔ سودہ نے اس استفسار پر کہ یہ حکم میرے لئے ہی یا میرے قبیلہ کے لئے بھیج فرمایا۔ مجھے دوسروں سے کیا سروکار۔ بولی واللہ یہ نہایت کمینہ پن ہے۔ اگر عدل عام نہیں تو میں اسے قبول نہیں کرتی۔ معاویہ نے مجبور ہو کر اس کے پورے قبیلہ کے لئے حکم لکھ دیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس عہد میں خواتین اسلام تک کے اندر کتنا زبردست جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس وقت سودہ کی عمر بڑی ہو چکی تھی۔ مگر انہوں نے کسی خوف کا قطعًا اظہار نہیں کیا۔

سودہؓ اپنے عہد شباب میں حسن و جمال کی ایک نہایت دلکش تصویر تھی فصاحت و بلاغت اور شعر و خطابت میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اس جرأت و جوش کے باوجود اس نے اپنے شوہر کی خاکسارانہ خدمت کی میاں بیوی میں عشق رہا۔ تمام قبیلہ اس سے محبت کرتا تھا۔ نہایت عابد و متقی خاتون گذری ہے۔

ماہ پیکر رقیہ

عشاق عرب کی نامرادی

رقیہ پہلی صدی ہجری کی ایک ماہ پیکر اور حور جمال خاتون تھی۔ ایک عربی نوجوان ہاشم اس پر عاشق تھا عربوں کا یہ دستور شہرۂ آفاق رہا ہے کہ وہ سب کچھ کر سکتے تھے مگر عاشق و معشوق کو گلے ملانا ان کے لئے انتہائی رسوائی و معاندت کا باعث تھا جہاں قبائل کے کانوں میں عشق کی بھنک پڑی اور انہوں نے ایک طرف تو لڑکی کی نگرانی شروع کی اور دوسری طرف اسے جلد از جلد بیاہ دینے کی سعی شروع کر دی۔ لطف یہ ہے کہ خونریزی و جنگجوئی عربی فطرت میں داخل رہی ہے۔ اسی طرح عشق و محبت بھی اس کی فطرت کا ایک جزو لاینفک رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی اور کسی قوم کی تاریخ میں عشق و محبت کے اتنے سچے اور پرجوش واقعات ہرگز نہیں دستیاب ہو سکتے۔ جتنے کہ عربوں کی تاریخ میں ملتے ہیں۔ پھر کسی عہد و زمانہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ عرب جاہلیت میں بھی جری و دلیر تھے اور عاشقانہ دل و دماغ کے حامل اور دور مدنیت و تہذیب میں بھی یہ رزم و بزم اور دلیری و عاشقی کے دھنی سمجھے جاتے تھے۔ بہادری ایسے کہ موت ان کے نزدیک ایک کھیل تھی اور عاشق ایسے کہ جب کسی کو دل دے بیٹھے تو اسی کی آرزو میں پوری زندگی بسر کر دی۔

اُمید کے سہارے پر تو سب ہی محبت کے کھیل کھیل لیتے ہیں لیکن عربی عاشق جانتا تھا کہ اس کے ملک میں عشق ہمیشہ نامرادی پر منتج ہوتا ہے۔ پھر بھی اس کے شعلہ ہائے عشق تیز سے تیز تر ہی ہوتے رہتے تھے۔ اور وہ بوالہوس نہیں بلکہ سچا عاشق ثابت ہوتا تھا۔

رقیہ سے ہاشم کا عشق

رقیہ اپنے بلا خیز حسن و شباب کو لئے ہوئے بصرے کے ایک عالیشان مکان کی بالائی منزل کے غرفے سے صبح کے سہانے وقت میں فضا کا نظارہ کر رہی تھی کہ ہاشم کی نظر اس کے چہرہ پر جا پڑی۔ ادھر یہ ایک آہ کے ساتھ بیہوش ہو کر گرا۔ ادھر اس نے اپنا غرفہ بند کر لیا۔ سچا عشق اثر سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔ رقیہ قابل تھی۔ فصیح و شیریں زبان تھی۔ تعلیم یافتہ تھی۔ فہیم تھی بہت سنبھلی مگر نہ سنبھل سکی۔ اور جو آگ ہاشم کے قلب میں بھڑک اٹھی تھی اس کے شعلے اس کے قلب تک بھی پہنچ گئے۔ ہاشم بھی بہت عالی خاندان، شریف النفس، نیک نہاد اور ذی علم نوجوان تھا۔ اس نے اپنی بیتابی سے پہلے روز ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر میں نے عقل و خرد کی باگ جنون عشق کے ہاتھ میں دیدی اور راز محبت افشا ہو گیا۔ تو محبوبہ بھی رسوا ہو جائیگی اور میری زندگی بھی تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ وہ شاعر تھا مگر اس نے اس روز سے شاعری ہی ترک کر دی۔ پیغام شادی بوجوہ دینا نامناسب سمجھا وہ تدابیر میں مصروف ہی تھا کہ بیتابی قلب سے مجبور ہو کر کوچۂ جاناں کی طرف چلا اور حسن اتفاق سے اسے ملاقات کا موقعہ بھی ہاتھ آ گیا اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ یہ برابر جاتا رہتا۔ دونوں ملتے اور تدابیر عقد سوچتے اور اپنے عشق کو مخفی رکھتے۔ ایک روز ہاشم کو رقیہ کے عزیزوں نے گھر میں دیکھ لیا۔ سمجھا کہ راز عشق افشا ہو جائے گا۔ اس سے پہلے کہ لوگ اسے پکڑنے دوڑیں وہ عجلت سے کچھ چیزیں اٹھا کر بھاگ نکلا۔

ہاشم کا شریفانہ طریقِ عمل

لوگوں نے مال چھین لیا اور پکڑ کر خالد بن عبداللہ گورنر بصرہ کے دربار میں لے آئے اور کہا کہ یہ چور ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے، تیری جیسی شکل و صورت کا کوئی نوجوان بھی چوری کر سکتا ہے۔ بولا۔ الزام درست ہے۔ حرص نے مجھے چوری پر آمادہ کر دیا۔ پہلے تو گورنر نے ڈانٹا۔ پھر ہمدردانہ لہجہ میں فرمایا۔ مجھے تو تیری صورت سے یہ باور نہیں ہوتا۔ سچ سچ بتا معاملہ کیا ہے۔ بولا میں اقبالِ جرم کر چکا، سزا دیدیجئے اور کسی خلجان میں نہ پڑیئے۔ گورنر نے سر جھکا لیا اور کچھ دیر سوچ کر بولا۔ میاں صاحبزادے تم ہرگز چور نہیں ہو سکتے۔ تمہارا بیان مشتبہ ہے۔ پھر خلوت میں لیجا کر اصل حال پوچھا۔ ملزم نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا کہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے چوری کی عین موقعہ پر گرفتار ہوا اور مال مسروقہ سمیت ہوا اب گورنر کو غصہ آگیا اور حکم دیدیا کہ اسے قید خانہ لیجاؤ۔ کل اسکا ہاتھ بجرم دزدی کاٹ دیا جائیگا۔

قید خانے میں تنہائی جو ہوئی تو ہاشم کچھ شعر گانے لگا۔ جنکا مفہوم یہ تھا "خالد نے ہاتھ کاٹنے کی دھمکی دی ہے مگر اپنی محبوبہ کا راز افشا نہ کرونگا۔ یہ غیر ممکن ہے کہ میں راز محبت آشکارا کر دوں۔ اس جرم کے اعتراف میں ہاتھ کٹ جاتا اس سے کہیں آسان ہے کہ اسے رسوا کروں"۔ جیلر نے گورنر کو اطلاع کر دی جس پر اس نے بلا کر ساتھ کھانا کھلایا اور بہ نرمی کہا مجھے علم ہو چکا ہے کہ واقعہ فرضی ہے۔ تم سزا کے وقت مجمع کے روبرو کل سوال پر انکار کر دینا تم کچھ شک پیدا کر دینا کہ شبہ کی موجودگی میں بروئے شریعت کسی کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ دوسرے روز ملزم پابجولاں مجمع عام میں گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے لایا گیا گورنر نے کہا تو نے گھر میں گھس کر چوری کی۔ بولا بالکل درست۔ پھر پوچھا شاید تم نے

مال کی چوری نہ تھی کہ ہاتھ کٹے۔ بولا نہیں مال کافی تھا۔ گورنر نے پھر بچانے کو کہا کہ شاید اس مال میں تمہاری شرکت تھی۔ بولا ہرگز نہیں۔ گورنر نے غضب ناک ہوکر جلاد کو قطع ید کا

رقیہ کا بیتابانہ اقدام

حکم دیدیا۔ جلاد کی تلوار اٹھی ہی تھی کہ ایک صبا رفتار گھوڑے پر سوار ایک مہ پارہ نازنین آئی۔ مجمع کو چیرتی اندر گھسی ملزم سے لپٹ گئی اور پکار کر کہا۔ عادل گورنر میری داستان سننے تک حکم ملتوی رکھیئے۔ اس کے بعد چند اپنے شعر ایک پرچہ پر لکھکر گورنر کو دیئے جنکا مفہوم یہ تھا کہ اے خالد یہ عاشق زار ہے۔ میری نگاہوں نے اسے اپنے تیروں سے گھائل کیا ہے اس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ رسوائی عشق کے خیال سے جرم کو اپنے اوپر لے لیا ہے۔ غم نصیب عاشق کے بارے میں عجلت نہ کریں کیونکہ وہ عشق میں شریف ہے چور نہیں ہے۔ گورنر نے تنہائی میں جو پوچھا تو اس نے کہا ہم دونوں میں عشق ہے اس نے اپنی آمد کی اطلاع میں کنکری ماری۔ میرے باپ بھائی نے دیکھ لی۔ اس نے جو راز کھلتا دیکھا تو جو کچھ ہاتھ پڑا لیکر بھاگا کہ لوگ چور خیال کریں۔ اس کی شرافت اسی سے ظاہر ہے کہ اس نے رسوائی عشق سے بچنے کے لئے اس شرمناک جرم کا اقرار کر لیا۔ گورنر بصرہ نے لڑکی کے باپ کو بلاکر کہا کہ میں اس نوجوان کو دس ہزار درہم انعام دیتا ہوں کہ وہ تمہاری اور تمہاری لڑکی کی عزت بچانے کے لئے اتنی بڑی قربانی پر تیار تھا اگر تمہیں ناپسند نہ ہو تو اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کر دو کہ وہ اسکا اہل ہے۔ وہ بھی متاثر تھا۔ چنانچہ اسی روز شادی ہوگئی۔ رقیہ کے حسن اور ہاشم کی شرافت کا دور دور تک شہرہ ہوگیا۔ بعد کو دونوں نے آکر گورنر کا شکریہ ادا کیا اور دونوں کی زندگی عشق و ناموری کی زندگی گذری۔

نازنینانِ ایران

شہنشاہ تیمور کی مستجمع الصفات ملکہ

ولادت و خاندان۔ حمیدہ بانو بیگم ایک ایرانی مہ پارہ ہے۔ پہلے مجوسی تھی بعد کو مسلمان ہوگئی اور اس درجہ ترقی کی کہ شہنشاہ تیمور کی محبوب ملکہ بنکر ایشیاء کے ایک وسیع خطہ پر طنطنہ و طمطراق کے ساتھ فرمانروائی کی اور ایک ناموارانہ زندگی بسر کرکے رہگزائے عالم بقا ہوئی۔

خاندانی حیثیت سے شرفائے ایران میں بہت ممتاز تھی۔ جب یہ پیدا ہوئی ہے تو گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ موجود تھا۔ مگر آتش پرستی کی فضا چاروں طرف مستولی تھی۔ مجوسی شرفا میں اسکا باپ بہت امتیازی رتبہ کا حامل تھا اس لئے کہ وہ بہت شریف۔ بہت لائق اور بہت فاضل شخص تھا۔ یہ اس کے اجتہادِ فکری ہی کا ثمرہ تھا کہ وہ خود بخود مسلمان ہوگیا جس کی تقلید اس کی بیوی نے بھی کی۔ حمیدہ کی عمر اسوقت گیارہ بارہ سال کی تھی۔ اس پر مجوسیت کا اتنا گہرا اثر پڑ چکا تھا کہ اس نے جدید مذہب کے سامنے میں آنا گوارا نہ کیا۔ والدین نے بھی مجبور نہ کیا۔ تاہم یہ ہوا کہ وہ باپ کی توجہ سے مروجہ علوم حاصل کر چکی تھی۔ اس نے غور و مطالعہ شروع کردیا۔ آخر دو برس کے بعد عین اسوقت کہ حسن و شباب کی رعنائیاں اس میں پیدا ہو چکی تھیں وہ بھی مسلمان ہوگئی باپ نے ازراہ شفقت بچپن ہی سے اُسے آزادی عطا کر دی تھی۔ ناز و نعم سے پرورش کر رہا تھا اور اپنا بیٹا کہکر اکثر مردانہ لباس میں ملبوس رکھتا تھا۔ بے پردہ باہر آتی تھی۔ تمام مردانہ اور سپاہیانہ علوم و فنون

میں طاق ہوگئی تھی۔ شہسوار تھی بلا کی تیر انداز تھی شمشیر زنی میں کمال پیدا ہوگیا تھا۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی چینی اور زردشتی زبانوں کی ماہر تھی اور شعر بھی خوب کہتی تھی جب یہ شعلہ حسن بے نقاب اسلحہ جسم پر سجائے عربی گھوڑے پر سوار باہر نکلتا تھا تو ہزار ہا نگاہیں بیک وقت اُٹھ کر اس کی رعنائی جمال کی بلائیں لینا شروع کر دیتی تھیں اس کا باپ بھی ترقی کرکے جب سلطان بایزید یلدرم کی افواج قاہرہ کا جرنیل مقرر ہوگیا تو حمیدہ کا طنطنہ اور بڑھ گیا۔ وہ بے تکلف ترکی محلات میں جاتی اور بیگمات اور شہزادیوں سے ملنے لگی اور زیادہ وقت انہی کی صحبتوں میں گذرنے لگا جس کی وجہ سے اس کے اطوار میں شائستگی اور زیبائی پیدا ہوگئی۔

مدرسہ حربیہ ترکیہ میں تعلیم

کچھ عرصہ بعد یہ ترکی کے مدرسہ حربیہ میں طالبعلمانہ داخل ہوگئی۔ وہ سب کچھ باپ کی توجہ سے گھر ہی پر سیکھ چکی تھی۔ بہت جلد اس نے اپنے تمام عسکری پروفیسروں کو متحیر کر دیا اور ایک قلیل وقفہ مدت ہی میں اس نے سند فضیلت حاصل کر لی اور اپنے کمالات حربی و عسکری سے ترکی افسروں اور عہدہ داروں کو متحیر کرنا شروع کر دیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بڑے بڑے امراء کے قلوب میں اس کے عشق و محبت کی شمع ہوگئی اور وہ اسے زینت آغوش بنانے کی سعی میں مصروف ہوگئے۔ سینکڑوں پیغامات آئے مگر حمیدہ نے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس کی عمر ہی کیا تھی ابھی اپنے (۱۹) سال کی بھی تو نہ ہوئی تھی حسن و شباب کا پھول اپنی پوری شگفتگیوں کے ساتھ کھلا ہوا تھا کہ اس نے فوجی ملازمت کے لئے درخواست دیکر ترکی والوں کے سامنے ایک دنیائے حیرت پیش کر دی اور سب کو

ششدر بنا دیا۔ سلطان بایزید نے اس کے حسن عالم آشوب کو ایک خطرہ سمجھکر اس کی درخواست منظور کرنے میں تامل کیا لیکن اس نے اس دلیری و دانائی کے ساتھ تقریر کی کہ سلطان مجبور ہو گیا اور اس نے افواج ترکیہ میں لفٹنٹ کا عہدہ عطا کر دیا۔ اور اب وہ چھاؤنی میں رہ کر اپنے فرائض مفرضہ انجام دینے لگی۔

اس وقت ترکی فوج دنیہ کی بہترین فوج تھی۔ ایسی فوج میں ایک عجمی و ایرانی دوشیزہ کا رہنا اور کامیاب ہونا تعجبات سے تھا۔ سلطان برابر معائنہ کرتا رہتا تھا اور یہ دوشیزہ ہر مرتبہ انعام کی مستحق قرار پاتی تھی۔ پانچ برس کے عرصہ میں جتنی مصنوعی اور غیر مصنوعی جنگیں ہوئیں یہ سب میں شریک رہی۔ چاروں طرف خوبصورت اور سڈول جسیم ترکی جوانوں کے انبوہ تھے اور ان کے درمیان حسن و شباب کا یہ چمن کھلا ہوا تھا۔ مگر کیا مجال ہے جو کبھی اس مدہوشی شباب اور امنگوں کے زمانہ میں اس کے قدم کو لغزش ہوئی ہو۔ تمام مدت اس نے پوری شرافت نفس۔ جوش عمل۔ فداکاری فرائض اور پاکدامنی و عفت میں بسر کر دی۔ سلطان بایزید اس کی بہت قدر و منزلت کرتا تھا۔

جنگ انگورہ میں شرکت انگورہ میں سلطان بایزید اور تیمور کے درمیان جو خوفناک اور تاریخی عظیم الشان جنگ ہوئی۔ اس میں یہ ماہ پیکر دوشیزہ سلطان کی طرف سے بڑی جرات و جلادت کے ساتھ لڑی اور گرفتار ہو گئی تیمور نے اسی وقت گرفتار شدوں کے قتل کا حکم دیدیا۔

جس وقت یہ دربار میں پہنچی اور قتل کا حکم سنا۔ اسی وقت اس نے ایک ایسی دھوال دار تقریر تیمور کے سامنے کی کہ ہر طرف

ایک سناٹا چھا گیا۔ تیمور ایک نہایت غضب ناک اور قہار فرمانروا تھا اس کے سامنے اس کے دربار میں کھڑے ہو کر تقریر کرنا تو ایک طرف زبان کھولنے کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی۔ مگر اس دوشیزۂ رعنا نے نہ صرف یہ کہ ڈٹ کر تقریر کی بلکہ ایک اسلامی فرمانروا اور جنگ آزما ہونے اور ایک یورپ کی مقابل سلطنت کے جری تاجدار کو قتل کرنے اور اس طرح مقاصدِ اسلام کو شدید نقصان پہنچانے پر سختی اور شدت کے ساتھ مطعون کیا۔ بیگناہوں کے قتل کی مذمت کی اور اسے خدا کے خوف سے ڈرایا۔ دربار میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا اور یہ آفت روزگار کھڑی ہوئیں اڑا رہی تھی۔ تقریر کے اختتام پر اس نے وفور جوش میں اپنا زرہ بکتر اتار کر پھینک دیا۔ اور بولی دیکھ تیمور یہ شکست محض ایک اتفاقی شے تھی جس پر تجھے مغرور نہ ہونا چاہیئے میں کیا ہوں محض کمسن اور ناتجربہ کار لڑکی۔ مگر تو نے خود دیکھا ہے کہ میں کس جرأت و بسالت کے ساتھ لڑی ہوں جس قوم کی بچیاں اتنی دلیری اور جانبازی سے لڑ سکتی ہیں خود ہی بتا کہ اس قوم کو فنا کر دینا یا شکست دینا کوئی آسان امر ہے۔ ہر ترک بچہ ایک شیر غراں ہے۔

وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ مذہبی پوری جانبازی اور جرأت کے ساتھ ادا کرکے مرنے کے لئے ہمہ تن تیار تھی۔ تیمور سے اور کسی حلم و سلوک کی توقع کی ہی نہ جا سکتی تھی۔ درباری بھی یہی سمجھے بیٹھے تھے۔ مگر تیمور اس دوشیزۂ کوہسار کی یہ جرأت و جلادت یہ جذبہ و جوش اور یہ حسن و جمال دیکھ کر مبہوت رہ گیا۔ اس کی حق گوئی پر اظہار مسرت کیا اور فرمایا کہ جا میں تجھے اور تیرے رفقا دونوں کی جان بخشی کرتا ہوں اور قتل کے متعلق اپنا حکم واپس لیتا ہوں۔

تیمور پر حسن کا وار تیمور دربار برخاست کرکے اپنے خیمہ میں گیا۔

تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کے سینے میں اس کا دل موجود نہیں ہے۔ نیند کسی طرح نہیں آتی۔ چین نہیں پڑتا۔ دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ اس پر حمیدہ کے حسن عالم آشوب نے ایک سحر کر دیا تھا۔ اس کے تاثرات بہت قوی تھے۔ اُسکے کسی پہلو قرار ہی نہ آتا تھا۔ اس نے بہت ضبط کیا۔ اور اس حالت کو اپنی سطوت و شان کے خلاف سمجھا۔ مگر دل پر کس کا قابو چلا ہے اور "حسین عورت" کا وار کس سے روکا گیا ہے جو اس سے رکتا۔ رات بھر نیند نہ آئی۔ حمیدہ آزاد ہو کر گھوڑے پر سوار اپنے لشکر میں جا پہنچی تھی کہ تیمور صبح اُٹھتے ہی تلاش کی پتہ لگایا اور سب حالات معلوم کرکے اس نے امیر یزدانی کے پاس اپنا پیغام بھیجدیا۔ امیر یزدانی بہت عقیل اور شفیق باپ تھا۔ تیمور کے قہرمانہ حالات اور غضبناک مزاجی کی کیفیت سے واقف ہو چکا تھا وہ راضی نہ ہوا اور نہ راضی ہونا چاہیئے تھا لیکن حمیدہ سے جو پوچھا تو اس نے صاف کہدیا کہ آپ اس پیغام کو فوراً منظور کریں۔ میں ڈرنے والی نہیں۔ اللہ نے چاہا تو میں چند ماہ کے اندر ہی اس کا مزاج ٹھیک کر لونگی۔ قوت ارادی کا یہ کتنا شاندار مظاہرہ تھا۔ امیر یزدانی اب مجبور تھا پیغام منظور کرلیا۔ چنانچہ دوسرے ہی روز تیمور گیارہ ہزار لشکر جرار کے ساتھ حسین الطیریں پہنچا۔ اور وہاں ایک خیمہ شاہی میں دونوں کا نکاح ہوگیا۔

دوشیزگی میں وہ امتہ الحبیب کے نام سے مشہور تھی مگر حرم سرائے شاہی میں داخل ہو کر وہ حمیدہ بانو بیگم بنگئی۔

حمیدہ بانو نے فوجی اور عسکری زندگی بسر کی تھی لہٰذا سخت اور اکھڑ ہونا چاہیئے تھا۔ مگر محل میں داخل ہو کر اس نے نرمی و شیریں زبانی محاسن اخلاق اور تدبیر و کاردانی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ تیمور

اس کا دیوانہ و عاشق بن گیا۔ الفت شوہری یوماً فیوماً عشق و وارفتگی کی صورت اختیار کرتی چلی گئی۔ اور حمیدہ تیمور جیسے خوفناک اور مغلوب الغضب شخص کے دل کی مالک بن گئی یہ عالم تھا کہ تیمور تمام اہم سے اہم اور نازک و پیچیدہ معاملات میں حمیدہ سے مشورہ لینے لگا۔ اور جب تک زندہ رہا اس کا گرویدہ و شیفتہ بنا رہا۔

علم و فضل

چونکہ حمیدہ بانو بیگم علم و فضل میں یگانہ تھی۔ قادر الکلام شاعرہ تھی اور سپہگری میں بھی کمال رکھتی تھی اور حسن و جمال میں بھی عدیم النظیر تھی۔ اس لئے اس کے محبوبۂ خاص بننے میں کوئی امر بھی مانع نہ تھا۔ تیمور کے تین بیگمات اور بھی تھیں مگر جو بات اور جو اعزاز اس کا تھا وہ کسی کا نہ تھا۔ دربار کی طرف سے عسکری و ملکی افسروں غیر ملکیوں اور ماتحت و مقابل فرمانرواؤں کے نام جو فرامین صادر کئے جاتے جو خط و کتابت ہوتی وہ حمیدہ بانو بیگم ہی کرتی۔ پھر بڑا پُر شکوہ اور زبردست فرمانروا تھا۔ دربار میں روزانہ صدہا درخواستیں۔ روئدادیں اور رپورٹیں پیش ہوتیں اُن سب پر نہ صرف یہ کہ حمیدہ بانو بیگم ہی حکم لکھتی بلکہ ہدایات بھی جاری کرتی اور مختلف تدابیر عمل کا نقشہ بھی بتاتی۔ تیمور کو اس کے ساتھ شادی ہو جانے کے بعد جتنے معرکے پیش آئے سب میں وہ اس کے دوش بدوش رہی۔

یہی نہیں کہ وہ سادگی کے ساتھ لکھ دیتی۔ اس کی تحریر میں بلا کی پختگی و بلاغت ہوتی اور اس اسلوب و انداز سے لکھتی کہ پڑھنے والے پر گونہ رعب و ہیبت طاری ہو جاتی اور بڑے بڑے انشا پرداز اس کی قادر الکلامی کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے۔ عجیب حسن اور دلربائیوں کی عورت تھی۔ عیش و آسائش سے اُسے نفرت تھی

تھی۔ ہر کام اور ہر امر میں شوہر کا ہاتھ بٹاتی۔ ملکی فرائض اور تحریر و تسوید سے وقت بچتا تو مطالعہ و کتب بینی میں مصروف ہو جاتی۔ پھر گھر کے انتظام میں مشغول ہوتی۔ پھر شوہر کی خدمت میں لگ جاتی۔ اتنی ہمہ گیر قابلیت و رعنائی کی عورت تھی۔ اگر شوہر کے دل پر قابو پاتی تو تعجب انگیز امر تھا۔ علی الخصوص یہ کہ وہ تمام عسکری سرگرمیوں میں بھی اس کی دست راست بنگئی تھی۔

باغی گورنر کے خلاف دلیرانہ یلغار

ایک دفعہ ایک افسر شریف حسن نے تیمور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ یہ شخص اصطخر کا گورنر تھا اور اس نے خفیہ خفیہ خوفناک قوت حاصل کرلی۔ تیمور کو بھلا کہاں تاب تھی اس نے فوراً تیاریاں شروع کردیں حمیدہ بانو بیگم نے کہا کہ آپ اس مہم کو میرے سپرد کردیں۔ تیمور نے بہت سمجھایا۔ نہ مانی تو اس نے بارہ ہزار فوج اس کے ساتھ کردی جس سے اس نے اچانک قلعہ اصطخر کا محاصرہ کرلیا اور لکھا کہ:

دیکھ شریف حسن! اپنی حرکت سے باز آ ورنہ میں تمہاری لاشیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالونگی۔ میں عورت ہوں مگر تجھ جیسے باغیوں کو فنا کر کے رکھ دینے کی پوری قوت رکھتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ بیگناہوں کا خون بہے اسی لئے تجھے پہلے سے متنبہ کئے دیتی ہوں۔

شریف حسن حمیدہ بانو بیگم کے استقلال و اقتدار کو سمجھتا تھا اس لئے اس نے اطاعت کا فریب دیکر اور کل قلعہ کا دروازہ کھولدینے کا وعدہ کر کے حمیدہ بانو کو غافل کردیا اور رات کے سناٹے میں جبکہ دو بج رہے تھے اس نے بیگم کے نیند میں ڈوبے ہوئے لشکر پر شبخون مارا۔ یہ مستعدی ملاحظہ فرمائیے کہ یہ بیچارہ مگر حوصلہ

بیگم اس وقت بھی جبکہ اس کا تمام لشکر مدہوش پڑا سو رہا تھا وہ اپنے خیمے میں تنہا بیٹھی ہوئی تیمور کو خط لکھ رہی تھی۔ شریف حسن اس خاموشی سے اپنے لشکر کو بڑھائے لئے چلا آ رہا تھا کہ اگر اس وقت بیگم بھی آرام طلبی سے مسحور و مغلوب ہو کر سو گئی ہوتی تو اس کا تمام لشکر کٹ جاتا اور وہ بھی غنیم کے ہاتھ میں گرفتار ہو جاتی۔ اس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنتے ہی پہرے دار کو للکارا اور ابھی وہ اپنا لباس بھی تبدیل نہ کرنے پائی تھی کہ اُس کے شاہی خیمہ کا محاصرہ ہو گیا۔

اس نازک اور خوفناک وقت جرات و جلادت کا شاندار مظاہرہ ہیں کہ ایک طرف تو اس کے خیمہ کا محاصرہ ہو چکا تھا اور دوسری طرف بے خبری میں اس کی تمام فوج قتل ہوئی چلی جا رہی تھی۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی اور مایوسی ہی مایوسی تھی۔ اس نے ہمت نہ ہاری۔ بیگم تو پھر عورت تھی ایسے اوقات میں تو مردوں اور شاہوں کے زہرے آب ہو جاتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو جائیں کہ اس حالت میں ہر اقدام موت کا پیغام بنا ہوتا ہے مگر بیگم بلا کی بہادر اور مستقل مزاج تھی۔ وہ اس عالم میں بھی کہ امید و توقع کے تمام رشتے منقطع ہو چکے تھے وہ دلیرانہ خیمہ سے باہر نکلی اور پکارا شریف حسن کدھر ہے؟ سامنے آئے اور مجھ سے مقابلہ کر کے اپنی شجاعت و دلیری کا ثبوت دے۔ اس کے جواب میں شریف حسن کے بیٹے نے سامنے آ کر کہا۔ بیگم صاحبہ! آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ خود آپ کے خیمہ کا محاصرہ ہو چکا ہے اور اب آپ کے زندہ رہنے کی کوئی بعید ترین توقع بھی نہیں۔ آپ کی جان بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ آپ خود کو میرے حوالہ کر دیں۔ میری ہو جائیں خود کو میری بیوی سمجھیں تو نہ صرف یہ کہ محاصرہ بھی ابھی اٹھا لیا جائیگا۔ بلکہ قلعہ سلطان کی حکومت بھی

آپ ہی کو دیدی جائے گی۔

وہ سمجھتا تھا کہ بیگم کو میری یہ شرط قبول کر کے اپنی جان بچا لینے کے سوا اور کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ لیکن اسے یہ علم نہ تھا کہ بیگم نازنین سہی۔ مگر اس کے سینے میں شیر کا دل ہے اور وہ ایشیا کے نپولین کی ملکہ ہے۔ بیگم اس گستاخانہ پیش کش پر برافروختہ ہو گئی۔ اور اسی وقت ایک ایسا تیر کھینچ کر مارا کہ وہ گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اس نے اپنے محافظ دستہ کو آواز دی مگر شور و غل میں کسی نے نہ سنی وہ بالکل تنہا تھا کہ شریف حسن ایک بڑی جمعیت لیکر سامنے آ پہنچا۔

ہزارہا سے تنہا مقابلہ جرأت و جلادت کا اس سے زیادہ شاندار اور عدیم المثال مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ بیگم تن تنہا ہی ہزارہا فوج سے مقابلے کے لئے تیار ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ اس مقابلے کا انجام موت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مگر بیگم موت کو ایک باغی کی اطاعت سے بہتر سمجھتی تھی۔ شریف حسن آخر امیر گورنر تھا۔ مرد میدان تھا۔ جانتا تھا کہ ایک تنہا عورت کا مقابلہ ہی کیا۔ یہ ماری بھی گئی تو کچھ حاصل نہ ہو گا اور نہ یہ کوئی بہادری شمار ہو گی اس لئے اس نے اسے زندہ گرفتار کر لینے کا حکم دیدیا کہ اصول جنگ یہی ہے۔ بیگم نے جو دیکھا کہ حریف لشکر خاموشانہ کنوتیاں اٹھائے بڑھا چلا آتا ہے۔ تو وہ سمجھ گئی کہ اس کا منشا گرفتاری ہے اور بس وہ اب بھی نہ گھبرائی۔

وہ چاہتی تھی کہ ذلت قید سے بچنے کے لئے اپنے خود ہی حملہ آور ہو کر اس کے محافظ دستے نے ہوشیار ہو کر شریف حسن کا محاصرہ کر لیا جس پر اس نے فوراً گھبرا کے فوج کو آواز دی کہ دلیرو! ادھر آؤ کہ دشمن نے مجھے محاصرہ میں لے لیا ہے۔ یکایک حریف لشکر نے پشت

پھیری۔ بیگم جنگی فنون و اصول کی ماہر تھی۔ اس نے اسی وقت للکارا کہ دھوکہ باز و آ جاتے کہاں ہو سمجھے تھی کمک پہنچ گئی۔ اس اثناء میں بیگم کی فوج بھی تیار ہو چکی تھی۔ ادھر اس للکار نے غنیم کو بدحواس باختہ کیا اور دوسرے اپنی جمعیت لیکر پیچھے سے حملہ آور ہوئی۔ کچھ بھی ہو شریف حسن اور اس کی فوج یہ ضرور سمجھتی تھی کہ زندہ رہ گئے تو تیمور جیتا چھوڑے گا نہیں اس لئے وہ بھی بڑی جانبازی و سرفروشی کے ساتھ لڑے اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اس وقت تیموری افواج کی عنان قیادت بیگم کے ہاتھ میں نہ ہوتی تو شریف حسن کی فوج میدان مار لیتی لیکن بیگم اس بے جگری کے ساتھ لڑی اور اس لیاقت سے ساتھ اپنی فوج کو لڑایا کہ حریف کے حوصلے پست کر دیئے۔ زخموں سے چور چور تھی۔ مگر بپھری ہوئی شیرنی کی طرح بڑھ بڑھ کر حملے کر رہی تھی۔ رات بھر گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی اور آخر الامر حریف کو پیچھے ہٹا دیا۔

تیمور کی صحت و انتقال

حریف کے ہٹتے ہی بیگم بھی تھکن سے نڈھال ہو کر ہٹ آئی اور ایک محفوظ مقام پر پہنچ کر اس نے اپنے زخموں کا علاج کرایا جانبازی و جرات کی یہ شان تھی کہ اگر شریف حسن کے شب خون میں اس کے ساڑھے تین ہزار جوان کٹ گئے تھے پھر بھی اس نے کوئی کمک منگائی اور اسی فوج کو لیکر تندرست ہوتے ہی پھر قلعہ مظفر کا محاصرہ کر لیا اور اتنا دباؤ ڈالا اس لیاقت و سلیقے سے لڑائی کہ گیارہویں روز ہی فتح کر لیا۔ شریف حسن میدان جنگ میں ہی مارا گیا اور اس کے تمام اہل و عیال زندہ گرفتار ہو گئے۔ شریف بیگم نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک روا رکھا اور اپنے ایک افسر کو اس قلعہ کی حکومت پر مامور کر کے واپس چلی گئی۔ تیمور نے جو سرگزشت سنی تو اچھل پڑا۔ یہ بیگم کی زندگی کا ایک اہم ترین معرکہ تھا۔ ویسے وہ تمام معرکوں میں تیمور کے ساتھ رہی اور

لڑتی ہے۔ اتنی خوبیوں کی عورت ممکن ہی تھا کہ شوہر کی محبوبہ خاص بنکر نہ رہتی چنانچہ وہ رہی اور تیمور جیسا مغلوب الغضب فرمانروا اس کا غلام بنا رہا مرتے وقت تیمور نے حکم دیا تھا کہ بیگم ہی وارث تاج و تخت قرار دی جائے لیکن جب (۳۶) برس فرمانروائی کرکے تیمور نے آنکھیں بند کیں تو سلطنت کے لئے شدید جنگ شروع ہوگئی۔ جس کے بعد میراں شاہ سریر آرائے حکومت ہوا۔

بیگم کی تصانیف و تالیف

میراں شاہ کے تخت نشین ہوتے ہی وہ طفلس (قفقاز) چلی آئی۔ رعایا و امراء سب بیگم کی قابلیت و دانائی کے معترف تھے۔ وہ بہت ہر دلعزیز بھی تھی۔ اس کے پاس برابر پیغامات پہنچتے رہے کہ اگر آپ تخت پر متمکن ہونا چاہیں تو ہم میراں شاہ کو ہلاک کرکے آپ کو سلطان بنا لینے پر تیار رہیں۔ مگر تیمور بیگم نے یہ گوارا نہ کیا۔ اور صاف لکھ دیا کہ تمہارے اوپر امیر کی اطاعت فرض ہے۔ تم میراں شاہ ہی کے مطیع رہو اور کسی دوسرے خیال میں نہ پڑو۔ بیگم کشت و خون کو گوارا نہ کرتی تھی۔ ورنہ اس میں اتنی قابلیت موجود تھی کہ وہ ضرور سلطنت حاصل کر لیتی۔ کچھ عرصہ بعد باطوم اور باطوم سے قسطنطنیہ چلی آئی اور یہیں ۸۱ برس کی عمر میں اسکا انتقال ہوا۔ بیگم صاحب تصنیف بھی تھی اور ہونی چاہیئے تھی کہ اسے علمی ذوق حاصل تھا اور مطالعہ میں برابر مصروف رہتی تھی اس کی دو تصانیف فتوحات تیموریہ اور تذکرہ خواتین بہت مشہور اور نادر کتابیں ہیں اتنی کہ دنیا کی متعدد و مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے اور یورپ امریکہ میں بھی انہیں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

فتوحات تیموریہ کا تاریخی پایہ بہت بلند ہے۔ اس لئے کہ تیمور کے حالات تیمور کی بیگم کے لکھے اور اپنے مشاہدات کی بناء پر لکھے تو اس سے

زیادہ صحیح حالات اور کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں یہی نہیں کہ اس کتاب میں اس نے تیمور کے معترضین کے نہایت مدلل و معقولات جوابات دیئے ہیں۔ بلکہ اس نے تمام کوائف و حالات پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ ساتھ تیمور کی مدنی معاشرتی۔ اخلاقی۔ حربی اور منزلی زندگی پر بھی تیز روشنی ڈالی ہے۔

اخلاق و عادات

تذکرہ خواتین ترکیہ بھی بہت اہم و ضخیم کتاب ہے۔ اسمیں اس نے یہی نہیں کہ شریف ترکی مستورات کے حالات زندگی ارقام فرما دیئے ہیں اور اُن کی تہذیب و معاشرت پر شرح و بسط کے ساتھ نظر کی ہے بلکہ یہ بھی واضح کیا ہے کہ ایک عورت کو کن کن خصائص سے لازماً متصف ہونا چاہیئے۔ نیز وہ کیا طور طریقے ہیں جنہیں اختیار کر کے وہ اپنے خاندان والوں اور شوہر کی نظر میں اعزاز حاصل کر سکتی ہے۔ مرنے کے بعد اس کے قبضہ سے زرو جواہر نکلے نہیں۔ البتہ کتابیں بہت سی موجود تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حمیدہ بانو بیگم ایک مستجمع الصفات خاتون گذری ہے اس کا حسن و جمال ضرور اس کی ترقی کا باعث بنا۔ مگر نہیں اس کے اندر تمام وہ خوبیاں جمع تھیں جو ایک انسان کو انتہائی سے انتہائی ترقی پر فائز کر سکتی ہیں وہ حسن و جمال علوم و فنون۔ شجاعت و بسالت۔ عفت و پاکدامنی میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ حسینہ بھی تھی۔ عالمہ بھی تھی۔ مصنفہ بھی تھی۔ صناع بھی تھی کہ زرہ بکتر بننے میں اُسے کمال حاصل تھا۔ ادیب و شاعرہ بھی تھی۔ شجاع و وضعدار بھی تھی اور خلیق و شریف بھی۔ البتہ یہ عیب تھا کہ پردہ اس نے کبھی نہ کیا۔ مردوں کی طرح جنگوں میں شریک ہوتی۔ افسروں اور امیروں کے ساتھ میل جول رکھتی۔ اٹھتی بیٹھتی۔ کھلے منہ گھوڑے پر سوار بازاروں اور شکارگاہوں میں جاتی اور نماز پابندی

کے ساتھ نہ پڑھتی۔ مورخین ان امور کی بنا پر اسے پکا مسلمان نہیں بتاتے تاہم اس کی پاکدامنی و لیاقت اور شرافت نفس کے سب معترف ہیں

نازنینانِ افغان

ارضِ ہند کی زبردست افغان ملکہ

بی بی دودو ارضِ ہند کی ایک ہندوستان پر پٹھانوں کا علم اقبال باکمال اور مستجمع الصفات ملکہ تھی۔ یہ جتنی قابل اور لایق تھی اتنی ہی تاریخی گمنامی میں پڑی ہوئی۔ اسکی گمنامی اور آسمان شہرت پر آفتاب بنکر نہ چمکنے کی سب سے بڑی وجہ مغلیہ سلاطین کی وہ حکمت عملی ہے جو انہوں نے پٹھان حکومت اور افغان عظمت کے متعلق اگر زیادہ نہیں تو ایک صدی تک تو زور شور کے ساتھ اختیار کئے رکھی اور اس کے بعد بھی اس پر کسی نہ کسی صورت میں برابر عمل ہوتا رہا۔ بہت کم افراد کو یہ معلوم ہوگا کہ مغلیہ حکومت کے قیام کے وقت طول و عرض ہند میں ہر جگہ پٹھانوں کا طوطی بول رہا تھا اور چپہ چپہ پر ان کی زبردست فرمانروائیاں قائم تھیں ان پٹھانوں نے حکومت کا نظام کچھ ایسی تدبیر و خوبی کے ساتھ کیا تھا کہ اگر وہی صورت آخر عہد سلامی تک قائم رکھی جاتی تو ہندوؤں کو بہادر شاہ کے وقت تک بھی سلطنت اسلامیہ کے خلاف ہندوؤں کو کھڑے ہونے کی جرات نہ ہوتی انہوں نے جابجا بہادر پٹھانوں اور سرداروں کو جاگیریں دے رکھی تھیں جنہیں ان میں سردار اور فوج بھی حسب حیثیت رکھنی پڑتی تھی۔ یہ جال ہندوستان بھر میں اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ رعایا کو سرکشی کی جرات ہی نہ ہوتی تھی۔

بہر کیف بنگال، بہار، مالوہ، گجرات، اودھ وغیرہ ہر جگہ پٹھان فرمانروائیاں قائم تھیں اور ان میں پوری اسلامی عصبیت موجود تھی۔

اسی قسم کی ایک سلطنت بہار میں بھی قائم تھی جو لوہانی سلطنت کہلاتی تھی۔ بی دودو اسی عظیم الشان سلطنت کی پرشکوہ اور زبردست ملکہ تھی

لوہانی خاں کا عشق

لوہانی خاں ایک پٹھان سردار تھا جسے سکندر لودی کے آخری عہد میں اقتدار حاصل ہوا اور اس کی شادی بی بی دودو کے ساتھ ہو گئی جو ایک نہایت شریف النفس اور نجیب الطرفین پٹھانی اور ایک جاگیردار کی بیٹی تھی۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ لوہانی خاں اپنے عہد کا نہایت دلیر، شجاع فرمانروا گذرا ہے جس نے بنگال و بہار پر نہایت جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی۔ لیکن اگر ڈھونڈو گے تو تاریخ فرشتہ جیسی مستند کتاب میں یہ بھی پتہ چل جائیگا کہ اس کی ملکہ بی بی دودو اس سے کہیں زیادہ دلیر و جری تھی اور یہ اسی کی تدبیر و دانائی کا کرشمہ تھا کہ لوہانی خاں ایک معمولی امارت سے بلند ہو کر شاہی کے رتبہ پر پہنچ گیا۔

لوہانی ایک دفعہ شکار کے لئے گیا ہوا تھا کہ اسی جنگل میں اس نے دیکھا کہ ایک نازنین بھی مصروف شکار ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس ماہ پیکر نے ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا اڑا دیا۔ اور اس کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر کچھ اس چستی و مستعدی کے ساتھ تعاقب کیا اور اسے شکار کر لیا کہ لوہانی خاں مبہوت ہو کر رہ گیا۔ وہ ایک جگہ کھڑے ہو کر اس نازنین کی تک و تاز بڑے غور و اشتیاق کے ساتھ دیکھتا رہا۔ وہ اس کی شہسواری کی پھرتی اور دلفریب شوخی ہی پر حیران تھا کہ یکایک نقاب جو اُٹھی تو آنکھیں چوندھیا گئیں۔ ایک برق حسن تھی جو آن کی آن میں چمک کر خاموش ہو گئی۔ موسم بہار کا چاند تھا جو چند لمحوں کے لئے جھلک دکھلا کے

بادلوں سے جھانک کر پھر روشن ہو گیا اب تو یہ حالت تھی کہ لوہانی خاں شکار و سیر سب بھول گیا اور متاعِ ہوش و خرد سب کچھ تہیں لٹوا کر واپس آیا۔

عاشقانہ بیقراریاں گھر جو پہنچا تو کسی پہلو قرار ہی نہ پڑتا تھا۔ کھانا پینا سب بھول گیا۔ ہر وقت اُس نازنین کی تصویر آنکھوں میں پھرتی تھی۔ ہمہ وقت اسی کا خیال رہتا تھا۔ بیداری میں خواب دیکھتا تھا۔ قوت متخیلہ زور پر تھی۔ تصور کی دنیا میں سینکڑوں قصر آرزو بنتے تھے اور آن کی آن میں منہدم ہو جاتے تھے۔ تھا شریف کچھ ماہ تک اُس نے کسی پر اظہار نہیں کیا۔ اپنا غم آپ ہی کھاتا رہا۔ مگر تابہ کے آخر راز کھلا۔ گھر والوں نے۔ احباب نے، اعزہ نے۔ اصلاح مزاج کی سعی کی۔ جلد شادی کرنے کی تدابیر عمل میں لائی گئیں۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور نہ یہ شادی پر راضی ہوا۔

اس وقت لوہانی خاں کی عمر چھبیس ستائیس سال کی تھی اور ابھی تک اس نے اپنی آزاد مزاجی کے صدقے میں شادی نہ کی تھی۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ لوہانی خاں نے جوش از خود رفتگی میں یہ پتہ بھی نہ لگایا تھا کہ وہ نازنین کس چمن کا پھول اور کس باغ کا نونہال تھا۔ آخر جب وحشت بڑھنے لگی اور معلوم ہو کر پتہ لگایا گیا کہ فلاں تاریخ اور فلاں ماہ میں وہ کون نازنین تھی جو اس طرف شکار کے لئے آئی تھی۔ کچھ زیادہ تگ و دو بھی نہ کرنی پڑی اور جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اس نازنین کا نام دودو ہے۔ افغانستان کے فلاں قبیلہ کی چشم و چراغ ہے اور فلاں سردار کی بیٹی ہے تو تحقیق حالات کی گئی

فنونِ سپہگری میں کمال معلوم ہوا کہ دودو کی عمر ہنوز سترہ سال کی ہے۔ باپ کی لاڈلی اور

خاندان کی دلاری ہے اور سب سے اہم امر یہ ہے کہ پوری تعلیم یافتہ ہے۔ عربی فارسی میں دسترس کامل رکھتی ہے۔ تاریخ و سیر کے مطالعہ اور سیر و شکار کا بہت شوق ہے۔ اس کی دلچسپیاں صرف مطالعہ اور شکار تک محدود ہیں۔ باپ نے بیٹی کی توجہ اور جرات دیکھکر فنون سپہگری میں بھی یکتا بنا دیا ہے۔ تلوار چلانے نیزہ مارنے اور گھوڑے پر سوار ہونے میں یکتا ہے۔ گو دوشیزہ ہے نازنین ہے۔ گل اندام ہے۔ مگر دل کی نہایت مضبوط۔ حوصلہ کی بلند۔ ذہن کی پکی۔ مزاج کی نیک۔ مذہب کی پابند جسم کی نازک اور سیرت کی شریف ہے۔ مگر نہایت دلیر و شجاع اور منچلی ہے اور شادی سے نفور ہے۔ اور حسن و جمال میں ایک فتنۂ بیدار سے کم نہیں۔ لوہانی خاں بھی چونکہ ایک شریف الخاندان اور مشہور بہادر تھا اس لئے بلا تکلف اللہ پر بھروسہ کر کے پیغام دیدیا گیا۔

باپ نے بیٹی کی قابلیت دیکھکر شادی کا اختیار اسے ہی عطا کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ پیغام بھی اسی کے پاس بھجوا دیا گیا اور یہ بھی کہدیا گیا کہ لوہانی خاں نہایت باکمال اور شجاع و دلیر جوان ہے۔ جوڑ موزوں ہے۔ اس سے رشتہ ہو گیا تو طرفین کے لئے مفید ہوگا۔ دوشیزہ نے شرم سے سر جھکا کر کہا بہت بہتر ہے میں غور کر لوں۔ اس کے بعد جواب دونگی اس نے غور کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اسے ایک نظر دیکھکر کوئی رائے قائم کرنی چاہیئے۔ باپ سے کہہ نہ سکتی تھی۔ اسی انتظار میں رہی کہ کسی طرح اُسے آن کی آن دیکھ لوں۔ ایک کنیز کی امداد سے اتفاقاً اسے یہ موقعہ بھی حاصل ہو گیا اور اس نے راہ چلتے دیکھکر یہ اندازہ لگا لیا کہ لوہانی خاں واقعی ایک ذی وجاہت بہادر اور شریف انسان ہے۔ چنانچہ اس نے باپ کو اس پیام کی منظوری کی اطلاع دیدی اور دونوں کی شادی نہایت دھوم دھام کے ساتھ ہو گئی۔

میاں بیوی میں عاشقانہ محبت

لوہانی خاں شادی کے بعد اپنی پرجمال محبوبہ کو آغوش میں لیکر دنیا و مافیہا سے غافل ہوگیا۔ کچھ روز تو دودو خاموش رہی اور اس نے خود کو اس کی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے وقف کردیا۔ پھر ایک روز بولی کہ میں تو آپ کی ہوچکی۔ موت کے وقت تک میرا آپ کا ساتھ رہیگا۔ کہیں چلی نہ جاؤں گی اور آپ کو ایسا ہی خیال ہے تو میں میکے بھی نہ جاؤنگی۔ ارمان نکالنے اور آرزوئیں پوری کرنے کے لئے تو عمر پڑی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جب ہم ایک سے دو ہوئے ہیں تو دونوں ملکر کوئی کارنمایاں انجام دیں اور دنیا میں کوئی بڑا کام کرجائیں۔ یہی شرف انسانیت ہے۔ اگر انسان ایک حالت پر رہے تو پھر اس میں اور حیوان میں فرق کیا ہے۔

اپنی برق جمال بیوی کی اس رائے سے لوہانی خاں بہت خوش ہوا۔ اور میدان عمل میں گامزن ہوگیا۔ روزانہ میاں بیوی سیاسیات اور ملکی حالات پر غور و بحث کرتے اور ترقی کی تدابیر سوچتے۔ دودو کا دماغ نہایت رسا تھا۔ نہایت بیدار مغز تھی۔ ہر معاملہ کے متعلق ایسی رائے دیتی اور وہ تدبیر سوچتی کہ لوہانی خاں پھڑک اٹھتا۔ جب سلطنت میں اختلال پیدا ہوا تو دودو ہمہ تن فکر و غور میں مصروف ہوگئی وہ تمام امرا کی ریشہ دوانیوں اور صوبیداروں کی کوششوں پر نظر رکھتی۔ ایک روز اس نے شوہر سے کہا کہ اب موقعہ ہے اس اختلال سے سے فائدہ اٹھا کر جتنے بلند ہوسکتے ہو ہو جاؤ۔ چونکہ اس عہد میں ہر امیر اپنی اپنی جگہ مصروف کار رہا۔ اس لئے دودو ایسی تدابیر برابر سوچتی رہی جس سے ہر آگے بڑھنے والے کے قدم الجھتے رہیں اور ہر مقتدر شخص کی مساعی سے پرخچے اُڑ اگئے۔ اس نے اپنی ریشہ دوانیوں سے ڈپلومیسی

اور جوڑ توڑ کا ایسا مظاہرہ کیا کہ سب کے سب دیکھتے رہ گئے اور لوہانی خاں سلطان محمد خاں کا خطاب اختیار کر کے بہار کا فرمانروا بن گیا اور اس نے اپنی ایک زبردست سلطنت قائم کر لی۔

بیوی کی مشورت و دستگیری کا کرشمہ یہ رتبہ بلند چونکہ لوہانی خاں کو اپنی محبوب و عقیل بیوی کی سعی اور حسن تدبیر سے حاصل ہوا تھا اس لیے وہ فرمانروا ہو کر بھی دودو کا اسی طرح قدرداں رہا اور جملہ مہمات امور میں اسکا مشورہ لیتا رہا اور نہایت نیکنامی و قابلیت کے ساتھ اس نے حکومت کی۔ شیر شاہ سوری اسی لوہانی فرمانروا کے دربار میں آکر ملازم ہوا۔ اور وزارت کے درجہ پر پہنچا۔ جب شیر شاہ اپنی سوتیلی ماں کی عداوتوں اور سختیوں کا شکار ہو کر آیا ہے تو اس کی قابلیت دیکھکر ہی سلطان نے اسے اپنی پناہ میں لیا۔ بہادر بہادر کی ہمیشہ عزت کرتا ہے شیر شاہ کی شجاعت و بسالت سلطان محمد کی نظر میں بہت وقیع نکلی۔ سلطان محمد ایک عرصہ تک جاہ و جلال کے ساتھ فرمانروائی کرتا رہا اس کی سلطنت کی حدود ایک طرف بنگال پر حاوی ہو گئی تھیں اور دوسری طرف صوبہ متحدہ میں دور دور تک پہنچ گئی تھیں اس وقت بہار کی سلطنت جو بہار سے چوگنی سے بھی زیادہ وسیع تھی۔

آخر سلطان کا بیٹا جلال خاں بھی جوان ہو گیا تھا۔ چونکہ سلطان نہایت خدا پرست اور دیندار بھی تھا اس لئے آخری عمر اس نے عبادت الٰہی میں گذارنے کا تہیہ کر لیا۔ شیر شاہ سوری جیسے دلیر و شجاع کے ملنے سے اُسے گونہ اطمینان ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے بیٹے کو تخت نشین کیا۔ شیر شاہ سوری وزیر اعظم کو نگران عمل بنایا اور خود عزلت نشین ہو گیا۔ کچھ مدت ہی کے بعد اسکا انتقال ہو گیا۔

سریر حکومت پر جلوس

بی بی دودو نہایت بیدار مغز، دور اندیش اور مردم شناس تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس کا بیٹا جلال خاں بہادر ہے مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتی تھی کہ سلطنت میں اشتراک باپ بیٹے کا بھی قائم نہیں رہتا۔ شیر شاہ حوصلہ مند ہے اور جلال خاں ابھی نوجوان ہے۔ بہادر شیر شاہ اس کی نوجوانی سے فائدہ اٹھا کر خود زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لے اور اقتدار حاصل کر کے وہ جلال خاں کے لئے ایک خطرۂ عظیم بن جائے اس لئے اس نے اولین فرصت میں بیٹے کو سمجھا کر اور صورت حالات بتا کر زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کو اپنی عقل و دانائی پر پورا بھروسہ تھا اس لئے اس نے شیر شاہ کو بھی وزارت سے علیحدہ نہ کیا اور خود بڑے جاہ و جلال کے ساتھ سریر آرائے حکومت ہو کر فرمانروائی کرنے لگی۔

ملکہ دودو کا وہ دبدبہ و طنطنہ تھا کہ کسی کا زہرہ نہ تھا جو اس کے سامنے دم مار سکے۔ نہایت کروفر کے ساتھ حکومت کر رہی تھی۔ تمام اعیان سلطنت و امرائے حکومت اس کے سامنے مودب صف بستہ کھڑے رہتے تھے۔ تمام انتظام خود کرتی فیصلے سنتی۔ سرکشوں کی سرکوبی کے لئے خود فوج لیکر جاتی۔ دلیرانہ لڑتی۔ فرامین خود ہی لکھتی تمام سلطنت کی حالت سے باخبر رہتی۔ ہر صیغے اور ہر شعبہ پر نگاہ رکھتی۔ اس نے سلطنت کا اتنا اعلیٰ انتظام کیا کہ کسی کی مجال نہ تھی جو اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ تمام کام وقت پر ہوتے تھے۔ سب ماتحت اس سے لرزتے رہتے تھے دور دور تک اس کی حکومت اور انتظام کا شہرہ ہو گیا تھا اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ شیر شاہ جیسے عدیم المثال شجاع و اولو العزم انسان کو اس کی زندگی میں سر اٹھانے اور چون و چرا کرنے کا حوصلہ نہ ہوا اور اس نے جو حکم

دیا۔ فوراً اسکی تعمیل کی۔ دربار میں اتنا رعب چھایا رہتا تھا کہ کوئی نظر اوپر نہ اٹھا سکتا تھا۔ افسوس ہے کہ اسے زیادہ مدت حکومت کرنے کا وقت نہ ملا اور پیام اجل آگیا۔ اب میدان صاف تھا۔ وہی شیر شاہ جو دودو بی کے سامنے اُف بھی نہ کر سکتا تھا۔ جلال خاں اور تمام امراء کو شکست دیکر بنگال و بہار کا واحد حکمران بن گیا اور کسی کی پیش نہ گئی اگر وہ تخت پر متمکن نہ ہوتی تو شیر شاہ اسی وقت فرمانروا بنجاتا۔

رعب جلال

بی بی دودو یہی نہیں کہ نہایت حسین اور بدرجہ غایت بہادر تھی شہسوار تھی فنون سپہگری اور آئین جہانبانی سے واقف تھی۔ اسکا نشانہ کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ بڑے بڑے معرکوں میں خود شریک ہوئی اور لڑی بلکہ وہ طاقت و تدبیر دونوں میں ممتاز تھی۔ دونوں سے کام لیتی تھی۔ سوچتی تھی اور خوب سوچتی تھی ایسا کہ مخالفین کی تمام تدابیر مساعی کی دھجیاں بکھیر کر رکھدیتی تھی۔ فقید المثال پالیٹشن سیاست دان مدبر اور ہوشمند تھی۔ بے مثل جری و شجاع۔ اعلیٰ درجہ کی مدبر دوراندیش فنون جنگ اور آئین جہانبازی سے واقف کوئی کیا مقابلہ کر سکتا تھا اس پر مستزاد یہ کہ اس کے اخلاق بھی نہایت بلند اور سیرت پاکیزہ تھی۔ زندگی بھر روزہ نماز کی پابند رہی اس کی عقل و دانائی اور جرات جلادت اور حسن و جمال کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ہر علوم و فنون میں کامل تھی اور ہر میدان کی شیر اس کی تو زندگی نے وفا نہ کی اورنہ اس میں یہ قابلیت تھی کہ وہ پورے ہندوستان پر حکومت و فرمانروائی کرتی۔ تمام ملک پر اُسی کا علم اقبال لہراتا اور پٹھانوں کی سلطنت اتنی مضبوط و مستحکم کردیتی کہ مغلوں کو ادھر آنے کی ہمت نہ ہوتی۔ پٹھان سرداروں میں کوئی ایک بھی اس کے مقابلے کا تصور نہ کر سکتا۔ ضرور وہ ہندوستان کے صرف ایک دو صوبوں پر فرمانروا

رہی لیکن قابلیت جہانبانی کے اعتبار سے وہ کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے بھی کم نہ تھی اور جیسی حکمرانی وہ کر گئی کم کوئی کرتا ہے مغلیہ پروپگنڈے کے طوفان میں اس کی شہرت ہو گئی ورنہ درحقیقت وہ ارض ہند کی ایک عظیم الشان اور اولوالعزم ملکہ گذری ہے۔

سلطان سلیم شاہ کی جمال ملکہ

حسن و ناز آفرینی بی بی بائی بھی ہندوستان کے پٹھان حکمران خاندان کی چشم و چراغ تھی اور شیر شاہ سوری کی بہو اور سلیم شاہ کی ملکہ تھی حسن و جمال اور ناز و ادا میں نظیر نہ رکھتی تھی اپنی ماہ پیکر اور حور جمال تھی کہ اس عہد میں اس کی رعنائی و خوبصورتی کا شہرہ تھا۔ شہزادہ سلیم شاہ کی نظر کسی طرح اس کے چہرۂ زیبا پر پڑ گئی اور ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ شیر شاہ سوری کی سطوت و جبروت کے سامنے کس کا زہرہ تھا جو چون و چرا کر سکے۔ شاہزادہ بھی خاموش تھا۔ شدہ شدہ شیر شاہ سوری کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ شاہزادہ کا عشق محض اتفاقی ہے اور اس میں اس کی نفس پرستی و ارادہ کو کوئی دخل نہیں۔ نیز بی بی بائی دنیائے جمالیات کی ملکہ ہونے کے علاوہ عقل و دانائی۔ تدبر و فراست علم و فضل اور دینداری و اتقا میں بھی ممتاز ہے اس لئے اس نے خود ہی نہایت دھوم دھام کے ساتھ بیٹے کی شادی اُس کے ساتھ کر دی اور محلسرا میں لے آیا۔ شیر شاہ خود بھی اس کے اوضاع و اطوار کا بہت مداح تھا۔

پٹھان سرداروں اور فرمانرواؤں کی لڑکیاں اس عہد میں فنون سپہگری میں بہرہ وافر رکھتی تھیں انہیں ابتدا سے شمشیر زنی نیزہ بازی اور شہسواری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ شکار کھیلتی تھیں۔ گھوڑ دوڑ میں حصہ لیا کرتی تھیں اور کسی امر میں مردوں سے پیچھے نہ رہتی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ بی بی بائی بھی سپہ گرانہ مشاغل میں انہماک رکھتی تھی اور نہایت شجاع و دلیر فیاض و سیر چشم ذی مروت و خلیق تھی۔ سلیم شاہ پر اس کی صورت و سیرت کا یہ اثر پڑا کہ وہ زندگی بھر اس کا دیوانہ و پروانہ رہا

سلیم شاہ کا عشق

جب شیر شاہ سوری ہندوستانی شہنشاہی کے رفیع الشان مرتبہ پر فائز ہو کر اور پانچ سال نہایت جاہ و جلال کے ساتھ حکمرانی کر کے راہی ملک بقا ہوا تو اس کا لائق بیٹا سلیم شاہ سریر آرائے حکومت ہوا اور بی بی بائی ملکہ ہند بنی سلیم شاہ بڑا جلیل القدر اور پرشکوہ فرمانروا گذرا ہے اور اس نے ہندوستان پر بڑے طنطنہ اور جلال کے ساتھ حکومت کی ہے تمام اعیان و امراء اس کے نام سے لرزتے تھے۔ مگر اپنی ملکہ بی بی بائی کا یہ برابر فرماں پذیر رہا۔ زندگی بھر اس کی کسی خواہش کو نہیں ٹالا۔ اسے ملکہ سے عاشقانہ محبت رہی۔ تمام امور میں اس سے مشورہ لیتا رہا۔ یہ حالت تھی کہ خواہ کتنا ہی اہم معاملہ ہو اگر ملکہ کی رائے نہ ہوتی تھی تو سلیم شاہ اسے نہ کرتا تھا۔ سلیم شاہ جب سلطنت کے دورہ کو نکلتا یا جب کسی مہم پر جاتا۔ ملکہ اس کے ساتھ رہتی اور گھوڑے پر سوار چہرہ پر نقاب ڈالے اس کے برابر چلتی۔ تمام معرکوں میں اس کے ساتھ رہی سیر و شکار میں بھی ساتھ ہوتی اور بڑھ بڑھ کر جولانیاں دکھاتی۔ سلیم شاہ اس پر قربان تھا اور یہ اس پر نثار تھی۔ دونوں کی زندگی نہایت عیش آسائش اور عشق و محبت کی زندگی تھی۔

اخلاق و عادات

بی بی بائی چونکہ حکمران خاندان ہی کی رکن تھی اور اسے شیر شاہ سوری کی بھتیجی اور سلیم شاہ کی چچیری بہن ہونے کا شرف حاصل تھا اس لئے اس میں تمام فرمانروایانہ خصائل موجود تھے۔ اطوار میں شائستگی اور اخلاق میں پاکیزگی

کے جوہر پوشیدہ تھے۔ آئین جہانبانی سے بھی خوب واقف تھی۔ کمی تھی تو ایک کہ اس میں جذبات و حسیات کی فراوانی تھی۔ محبت کی بندی اور عشق و وارفتگی کی پیکر تھی۔ شوہر تھا تو اس کی پروانہ تھی۔ بچہ فیروز خاں پیدا ہوا تو اس پر شیدا ہونے لگی۔ ایک بھائی مبارز خاں تھا تو اس کی محبت کا دم بھی بھرتی رہی۔ سلیم شاہ نہایت مردم شناس مآل اندیش اور فطرت شناس بادشاہ تھا۔ اس نے مبارز خاں کے رنگ و وضع سے یہ سمجھ لیا کہ اس کے قلب میں ہوس حکمرانی اور دماغ میں سودائے سلطنت سمایا ہوا ہے۔ مگر مجبور ہے اور واقعی یہی صورت تھی۔ وہ تو سلیم شاہ کے دبدبہ و جلال کے باعث اس کی ہمت نہ پڑتی تھی اور خاموش تھا۔ ورنہ اور کوئی کمزور حکمران ہوتا تو یہ کبھی کا اسے معزول کر کے خود تخت و تاج کا مالک ہو چکا ہوتا۔

ایک روز سلیم شاہ نے ملکہ سے کہا کہ بانو دیکھو۔ میں آج تمہیں متنبہ کرتا ہوں اور بتلائے دیتا ہوں کہ تمہارے بھائی مبارز خاں کی نیت مجھے بگڑی نظر آتی ہے اس کے سر میں سودائے سلطنت سمایا ہوا ہے یہ اپنا اقتدار برابر بڑھاتا چلا جا رہا ہے۔ میرے سامنے تو اس کی ہمت نہیں پڑتی اور نہ پڑ سکتی ہے۔ زندگی کا اعتبار نہیں میری آنکھیں بند ہوتے ہی یہ تمہیں بھی تکلیف پہنچائیگا اور تمہارے بچہ فیروز خاں کو بھی زندہ نہ چھوڑیگا۔ اور سلطنت پر قبضہ کر لیگا۔ اگر تمہیں بیٹے کی محبت ہے تو بھائی کو اس پر قربان کرنا ہوگا۔ مجھے اجازت دو کہ میں اسے قتل کر کے یہ کانٹا نکال دوں۔ پھر میں مر بھی گیا تو تم فیروز خاں کو تخت نشین کر کے اس کی طرف سے کامیابی کے ساتھ حکومت کر سکتی ہو۔

بھائی کے مظالم۔ بی بی بائی بہت شریف النفس نیک طینت اور

خدا ترس ملکہ تھی۔ بھائی سے بہت محبت کرتی تھی۔ بولی یہ محض آپ کا سوءِ ظن ہے میرا بھائی ہرگز یہ نہیں کرسکتا کہ اپنے بھانجہ کو قتل کردے۔ سلیم شاہ نے بارہا خلوت میں اسے سمجھایا مگر وہ راضی نہ ہوئی۔ سلیم شاہ مبارز خاں کو خود بھی ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ مگر اس نے اس وجہ سے یہ اقدام نہ کیا کہ اس سے ملکہ کو صدمہ پہنچیگا۔ اور سلیم شاہ فراوانی محبت کے باعث ملکہ کو رنجیدہ دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس ایک واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سلیم شاہ کو ملکہ سے کس درجہ محبت تھی کہ اس نے سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی محض ملکہ کے رنجیدہ اور غمگین ہونے کی وجہ سے مبارز خاں کو قتل نہیں کیا۔

آخر اس نے جو سمجھا تھا وہی ہوا۔ سلیم شاہ کے انتقال پر جب امراء و اعیان سلطنت نے فیروز خاں کو فوراً ہی تخت نشین کردیا تو یہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر محل کے اندر پہنچا اور قبل اس کے کہ بی بی بائی کوئی تدبیر عمل میں لائے اس نے فیروز خاں کے دو ٹکڑے کردئیے اس قتل کی داستان بھی نہایت المناک ہے۔ جب مبارز خان برہنہ شمشیر ہاتھ میں لیے ہوئے درانہ محل میں گھسا ہے اور ملکہ نے اس کی نگاہ بدلی ہوئی دیکھی ہے تو وہ اسی وقت دوڑ کر بھائی کے قدموں پر گر پڑی اور عاجزی کے ساتھ بولی۔ میں تخت و تاج سے دست بردار ہوتی ہوں۔ تو شوق سے حکومت کر اور اگر تجھے کوئی اندیشہ ہو تو میں اسی وقت اپنے بچہ کو لیکر محل سے نکل جاتی ہوں۔ پھر کبھی آگرہ کا رخ نہ کروں گی۔ یہ بھی گوارا نہ ہو تو دونوں کو قید کرلے مگر میرے دلارے کی جان نہ لے تاج و تخت کی محبت خون کے تمام رشتوں کو منقطع کردیتی ہے اور قلب کو پتھر بنا دیتی ہے۔ مبارز خاں نے بہن کو ٹھوکر مار کر ایک طرف پھینکدیا اور فیروز خاں کو جھولے سے گھسیٹ کر اسی

وقت قتل کر دیا۔

گوردش ملکہ پر غم و الم کا ہجوم مبارز خاں تو محمد عادل شاہ کا لقب اختیار کرکے اسی روز تخت سلطنت پر جلوہ افگن ہوا مگر بی بی بائی پر غم و اندوہ کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ عاشق زار شوہر کی اچانک موت ہی کچھ کم غم افروز نہ تھی کہ اکلوتے بچے کے اس بیرحمانہ قتل نے اسکی نگاہوں میں دنیا تیرہ و تار کر دی۔ ایک عورت کے لئے شوہر اور بیٹے سے عزیز اور چیز ہی کیا سکتی ہے۔ اس کی تمام ہمتوں نے جواب دیدیا وہ رات دن اپنے شوہر کی باتوں اور افہام و تفہیم کو یاد کرتی اور روتی۔ آخر اسی صدمہ میں اسکا انتقال ہو گیا۔ ملکہ میں جہانبانی و جنگ کی پوری طاقت تھی اگر وہ پہلے سے تیار ہوتی اور مقابلہ کو کھڑی ہو جاتی تو مبارز خاں کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ مگر اُسے بھائی سے محبت ہی اتنی تھی کہ اُسے اسوقت تک بھی اس کی ذات سے کوئی اندیشہ نہ تھا جب تک کہ وہ محل میں گھس آیا ہے۔ اگر ملکہ شوہر کا کہنا مان لیتی یا خود بھی چوکنا رہتی تو حالات اسکے لئے سازگار رہتے وہ بہ آسانی بھائی کو زیر کر سکتی تھی۔ اُسے زیر کر لیتی تو وہ مدت تک کامیابی کے ساتھ حکومت کرتی رہتی۔ اس نے بھائی کی محبت میں بچہ کو بھی کھویا اور سلطنت بھی ہاتھ سے دی۔ بہرکیف بی بی بائی اپنے عہد کی ایک نادرہ روزگار حسینہ اور فاضلۂ عصر ملکہ گذری ہے جس کی آخری زندگی پورے اندوہ و کرب میں گذری۔

نازنینانِ دکن

گلشن دکن کا نکہت بیز پھول

فقید المثال حسن و جمال حورِ وش پرتھال علاقہ بہمنی کے ایک ضلع مدگل میں پیدا ہوئی۔ ایک معمولی سُنار کی بیٹی اور بہمنی شہزادہ کی ایک محبوب اور مایہ ناز بیوی تھی۔ یہ اسدرجہ حسین۔ ماہ پیکر حور جمال۔ سکا فرما جرا۔ قیامت خرام۔ جادو نظر اور سحر کار نازنین تھی کہ لکھنے والوں نے تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ اسوقت پورے ہندوستان میں اسکا کوئی نظیر و ثانی نہ تھا۔ بلا مبالغہ کسی کو تاب نہ تھی کہ کوئی اسے نظر بھر کے دیکھ سکے۔ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا اور جس وقت اس کے چمن حیات میں شباب کی بہار آئی ہے اس وقت تو وہ ایک فتنہ بیدار بن چکی تھی اور دور دور تک اس کا شہرہ ہو چکا تھا۔ صدہا پیغام آئے اور اس کے باپ نے بیسیوں جگہ اس کی نسبت ٹھہرائی مگر وہ کہیں شادی کرنے پر راضی نہ ہوئی اور جب اس نے دیکھا کہ اس کے دروازہ کے سامنے نظارگیان جمال کا ایک ہجوم رہنے لگا تو اس نے پردہ شروع کر دیا۔ باپ جب اصرار کرتا تو صاف کہدیتی اللہ تعالیٰ نے مجھے فقید المثال اور مایہ ناز حسن عطا کیا ہے۔ وہی اسکا قدردان بھی عطا کرے گا۔ میں اپنا چہرہ زیبا اب کسی کو دکھا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ گھر بھر کی لاڈلی تھی اس لئے اسے کوئی کچھ کہتا بھی نہ تھا۔

اتفاقاً بیجاپور کا ایک فاضل و مرتاض برہمن بنارس سے واپس آکر چلا آرہا تھا کہ راستہ میں ایک شب کو اس نے مدگل میں قیام کیا۔ سنار نے اس کے قدم چھو کر اس کی بیٹی کے لئے دعا کی استدعا کی جس وقت

پرتھال نے برہمن کے سامنے آکر اس کے قدم چوم لیے تو برہمن بھی اس کا عالم آشوب حسن دیکھ کر مبہوت رہ گیا اور اس نے اہلیت پا کے اسے فن موسیقی میں بھی ماہر کر دیا اور بولا بیٹی! تو تو رانی بننے کے قابل ہو گئی چند ماہ کے بعد برہمن جو بیجانگر کی طرف روانہ ہوا تو جو ملتا اس سے پرتھال کے حسن و کمال کا ذکر کرتا چلا جاتا۔ چنانچہ ہر طرف اس کے حسن نوبہار کی شہرت ہو گئی اور خود راجہ دیو رائے فرمانروائے بیجانگر کو نادیدہ اس کا عشق ہو گیا اور برہمن سے اس کے حالات دریافت کر کے کہا کہ کسی طرح اس پری پیکر کو میرے کاشانۂ عیش کی شمع بنا پیام دے نہ مانے تو کسی حیلہ سے سنار کی بیٹی کا شوق دلا کر میرے راج میں لے آ۔

راجہ بیجانگر کا عشق

ماں باپ تو معمولی حیثیت کے لوگ تھے راضی ہو گئے۔ مگر عقلمند و فرزانہ پرتھال بولی خوب آپ کا تو خون سفید ہو گیا ہے۔ کیا میں راجہ کے محل میں جا کر اپنی زندگی خراب کر لوں محل میں تو رانیوں کی حالت کنیزوں سے بدتر ہے دوسرے میں آج مجبوراً آپ پر یہ راز افشا کرتی ہوں کہ میں خواب میں یہ بشارت پا چکی ہوں کہ میں مسلمان بنکر شان و شکوہ کی زندگی بسر کروں گی اور ملکہ بنوں گی۔ میرا یہ خواب ضرور پورا ہو گا۔

جب شادی کی سعی کامیاب نہ ہوئی تو برہمن نے اسے بیجانگر کا شوق دلایا۔ مگر پرتھال راضی نہ ہوئی۔ برہمن جو ناکام واپس آیا تو راجہ کے شوق نے جنون کی صورت اختیار کر لی اور یہ حالت ہو گئی کہ اب اسے کسی پہلو قرار ہی نہ تھا مشکل یہ تھی کہ پرتھال بہمنی سلطنت کی رعایا تھی۔ مگر عشق میں عقل بیکار ہو جاتی ہے مشیران سلطنت سمجھاتے ہی رہے مگر اس نے تمام عہد و پیمان بالائے طاق رکھ کر اپنی پانچ ہزار فوج دریائے تنگ بھدرا کے پار اتار کر انہیں ہدایت کی کہ سیدھے

گھوڑے دوڑا کر مدگل پہنچو اور پرتھال کو اڑا کر لے آؤ۔ یہ سعی ضرور کامیاب ہوتی۔ مگر اس فوج کے پہنچنے سے ایک روز پیشتر ہی مدگل کے تمام علاقے میں مشہور ہو گیا کہ راجہ کی فوج لوٹ مار کرتی چلی آ رہی ہے۔ اس کے خوف سے تمام باشندے اپنا گھر بار چھوڑ کر جنگل میں روپوش ہو گئے اور پہاڑوں میں جا چھپے۔ اس پری پیکر کا کہیں پتہ نہ لگا۔ غضب یہ ہوا کہ اس فوج نے ناکامی کی جھنجھلاہٹ میں واپس ہوتے ہوئے راستے کی کچھ آبادیاں بھی لوٹ لیں۔ اسی اثنا میں اس علاقہ کے عامل فولاد خاں نے خبر پاکر تعاقب کیا جمعیت تھوڑی تھی پہلے تو شکست کھائی۔ لیکن پھر سنبھل کے جو حملہ کیا ہے تو بہت سے جوان کاٹ کر رکھ دیئے۔ اب راجہ کی مایوسی و غمگینی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

سلطان فیروز شاہ بہمنی کا انتقامی حملہ

سلطان فیروز شاہ بہمنی کو راجہ کی اس غیر آئینی اور خلاف معاہدہ حرکت پر بیحد غصہ آیا اور اس نے ایک عظیم الشان لشکر لیکر بیجانگر کا محاصرہ کر لیا اور محلوں کو لوٹ لیا۔ لیکن راجہ کے کرناٹکی بہادروں نے اس جوش سے حملہ کیا کہ سلطان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بیجانگر بہت محفوظ شہر تھا۔ مضبوط فصیل کے علاوہ چاروں طرف پہاڑیوں سے محصور تھا راجہ کے پاس طاقت بھی تھی۔ محصورین نے اس شدت و تواتر سے حملے کئے یا تیر برسائے کہ سلطان کو شہر کے میدان میں آ جانا پڑا۔ پھر بھی محاصرہ برابر قائم رہا۔ سلطان نے سوچا کہ یوں قابو نہ چلے گا اور محاصرہ بے اثر رہیگا۔ وہ خود تو اسی شان سے بیجانگر کا محاصرہ کئے پڑا رہا۔ امیر الامرا احمد خانخاناں کو حکم دیا کہ وہ دس ہزار سوار لیکر جنوبی علاقے میں تاخت و تاراج شروع کر دے۔ تیسری طرف امیر فضل اللہ انجو شیرازی اسکے فرمان کے مطابق کرناٹک کے زبردست قلعہ بنکاپور پر جا پڑا اور اس کا

محاصرہ کرلیا۔

چار ماہ تک متواتر و مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں اس مدت میں سلطانی لشکر نے راجہ کی تمام سلطنت میں ایک اودھم بپا کردیا۔ فضل اللہ نے قلعہ ٹیکاپورا ور اس کا تمام زیر اثر قلعہ فتح کرلیا۔ سلطان نے خود راجہ سے آٹھ جنگیں لڑیں اور سب میں راجہ دیورائے کو سخت شکستیں دیں۔ خانخاناں نے کرناٹک کا بہت سا علاقہ فتح کرکے وہاں سے ساٹھ ہزار نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو گرفتار کرلیا۔ اور قلعہ کے عین سامنے ایک عظیم الشان جشن منایا گیا۔

سلطان اور راجہ میں خوفناک جنگ

راجہ دیورائے نے اس دوران میں خاندیش گجرات اور مالوے وغیرہ کے فرمانرواؤں کو امداد کے لئے بہت لکھا مگر ہیبت سلطان سے کسی کی ہمت نہ پڑی۔ جشن کے بعد سلطان نے خانخاناں کو تو بیجانگر کے محاصرہ پر چھوڑ کر اور امیر فضل اللہ کو ساتھ لیکر قلعہ روتی کے محاصرے کے لئے چلا جو کرناٹک کا ایک اہم ترین مقام تھا۔ اور جس کی فتح تمام کرناٹک کی فتح کے مترادف تھی اور اس کے سقوط کے بعد بیجانگر کا سقوط بالکل یقینی امر تھا۔ پرتھال کے عشق نے راجہ کو تباہی افکار میں مبتلا کر دیا۔ گھبرا گیا۔ اعیان حکومت کے مشورہ کے بعد قرار پایا کہ اب مصالحت کے بغیر چارہ نہیں ورنہ سارا راج ہاتھ سے نکل جائیگا چنانچہ اسیوقت مہاراجہ دیورائے کی طرف سے ایک معزز سفارت دربار سلطانی میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ مہاراجہ اپنے غلط اقدام عمل پر سخت شرمندہ ہیں۔ آپ سے معافی مانگتے ہیں اور آپ جو شرائط بھی اپنی طرف سے پیش کریں گے انہی پر مصالحت کرلی جائے گی۔

سلطان راجہ سے سخت برہم تھا اور اسے معافی دینے پر

آمادہ نہ ہوتا تھا۔ مگر امیر فضل اللہ انجو کئی بار ادب کے ساتھ مصالحت کی سفارش کی۔ سلطان نے مجبور ہو کر کہا کہ اچھا میں ان شرائط پر راجہ کو معاف کر کے اس سے مصالحت پر تیار ہوں کہ (۱) راجہ اپنی پریچال راجکماری نذر میں پیش کرے (۲) اس کے ساتھ پچاس کوہ پیکر ہاتھی۔ دوسرا نوجوان لونڈی غلام۔ پانچ من سچے موتی اور دس لاکھ ہن (ایک رائج الوقت سکہ) اور کچھ باکمال گانے والے اور گانے والیاں پیش کرے اور قلعہ ٹیکاپور کو جس پر قبضہ سلطانی ہو چکا ہے راجکماری کے جہیز میں دے کر اسے دولت بہمنیہ میں شامل کر دے۔ یہ شرائط سخت تر تھیں نہ صرف اس اعتبار سے کہ ان میں کثیر دولت کا مطالبہ کیا گیا تھا اور راجہ کو اپنے ایک اہم قلعہ سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے تھے بلکہ اس اعتبار سے کہ اب تک راجگان کرناٹک کو یہ فخر حاصل رہا تھا کہ انہوں نے سب کچھ کیا تھا مگر کسی غیر قوم کے فرمانروا کو اپنی بیٹیاں نہیں دی تھیں۔

لیکن "سنگ آمد و سخت آمد" کا معاملہ تھا

راجکماری سلطان کی نذر

اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار باقی ہی نہ رہا تھا کہ راجہ یا تو راج سے ہاتھ دھوئے یا اپنی بیٹی سلطان کے نذر کر دے۔ چنانچہ اس نے طوعاً و کرہاً تمام شرائط منظور کر لیں۔ اور راجکماری کو اس شکوہ و شان کے ساتھ رخصت کیا کہ ہر طرف ایک شور برپا ہو گیا۔ بیجانگر سے لیکر خیمۂ سلطانی تک پانچ چھ میل کی وسعتوں میں ایک عظیم الشان میلہ قائم کیا گیا جس میں دو رویہ شاندار اور سجی ہوئی دوکانیں تھیں ماہ پیکر اور حور وش نازنینیں جابجا اور ہر پچاس قدم پر مصروف رقص و سرود تھیں۔ جابجا سحر و ساحری اور بازیگری کے تماشے ہو رہے تھے رات کو چراغاں سے تمام میدان وادی ایمن بنا رہتا تھا۔ چالیس روز تک یہ میلہ اسی شان سے قائم رہا اور دور دور سے

مخلوق اسے دیکھنے کے لئے آتی رہی اس تزک و احتشام میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ دونوں اپنی عداوتیں اور کاوشیں بھول گئے ہیں۔

سلطان فیروز شاہ کی طرف سے اس کے بھائی احمد خان خانخاناں اور امیر فضل اللہ انجو ایک زبردست اور شاندار جلوس کے ساتھ بری کا جوڑا لیکر گئے۔ جنکو ایک ہفتہ راج محل میں ٹھہرایا گیا اور پُر شوکت مہمانی کے بعد دلہن اس شان سے رخصت ہوئی کہ سکھپال پر سونا چاندی نچھاور ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ سلطان کی طرف سے اسکا جواب نہ دیا جاتا۔ دلہن کے پہنچنے پر اس نے بھی اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ دونوں طرف سے خوب دل کھولکر فیاضیاں کی گئیں ایثار و اخلاص کا ثبوت فراہم کیا گیا اور یگانگت و یک جہتی کے مظاہر سامنے لائے گئے۔ چوتھے روز چوتھی کی رسم میں راجہ کی دعوت پر سلطان بڑے تزک و احتشام کے ساتھ راج محل میں گیا۔ جہاں اسکا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ دو ڈھائی میل کے فصل میں پھاٹک سے لیکر راج محل تک تمام راستے میں اطلس و مخمل کے قیمتی فرش بچھے ہوئے تھے مشجر کے پردے کھڑے کئے تھے جنپر نئی نئی اور عجیب النوعیت گلکاریاں کی ہوئی تھیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ سلطانی جلوس ایک سدا بہار گلعذار سے گذر رہا ہے۔ اس پریکے درخشاں راستہ پر جا بجا گل اندام اور پری پیکر کنیزیں اور اچھوتیاں اپنے سیمیں ہاتھوں میں تھالیاں لئے کھڑی تھیں۔ جو پھولوں اور طلائی و نقرئی سکوں سے لبریز تھیں جوں جوں سلطان آگے بڑھتا تھا یہ خوبصورت باندیاں اس پر پھول اور سکے نچھاور کرتی جاتی تھیں۔

جشنِ شادی پر زر و جواہر کی بارشیں

راستے کے درمیان میں ایک آراستہ مقام پر امراء

وروسائے سلطنت نے سلطان کا استقبال کیا اور اس پر زر و جواہر نچھاور کیے۔ اور اس کے بعد راج محل تک وہ اسی طرح دولت لٹاتے اور اور پھول پھینکتے ساتھ آئے سلطان اور راجہ دونوں گھوڑوں پر سوار برابر چلے آرہے تھے راج محل کے دروازے پر دونوں اپنے اپنے گھوڑوں سے اُترے۔ اُسی وقت ایک جواہر نگار سکھپال میں سلطان کو سوار کرا کے حجلۂ عروسی میں پہنچایا گیا جس کی تزئین و آرائش حیطۂ بیان سے خارج ہے تین روز تک سجا نگر میں جشن ہوتے رہے۔ سلطان عیش و نشاط میں مصروف رہا۔ راجکماری چونکہ حسن و جمال میں بھی عدیم المثال تھی۔ اس پر یہ شان و تزئین سلطان اس لذت وصال کو زندگی بھر نہ بھولا۔

تیسرے روز بوقت رخصت راجہ دیورائے نے حاضر ہو کر اپنی طرف سے اتنا زر و جواہر پیش کیا جس کے مقابلہ میں وہ دولت ہیچ تھی جو بروئے شرائط راجہ نے راج کماری کی سکھپال کے ساتھ پیش کی تھی۔ تین میل تک راجہ خود سلطان کے جلو میں گیا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کے اندر کتنی دولت تھی اس وقت ہندوستان کا معمولی سے معمولی رئیس اس ہند کا راک فیلر اور فورڈ تھا پھر اس دولت سے ملک کے تمام ہی باشندے فیض اندوز ہوتے تھے اور مختلف تقاریب کے مواقع پر یہ برابر فیاضی و سیر چشمی کے ساتھ لٹائی اور غربا کو تقسیم کی جاتی تھی۔ بلا مبالغہ اس شادی میں کئی کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ پھر یہ دولت محض ایک اوسط درجہ کے راجہ کی دولت تھی اور اس کے بعد اس کے خزانے برابر معمور رہے۔ آج تو خاک اُڑ رہی ہے۔ عہد اقبال میں ہندوستان کا ہر شہر دولتمندی میں نیویارک کو شرماتا تھا۔ اب ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ یہ باتیں ہمیں محض افسانہ نظر آتی ہیں۔

حسن و عشق کا انجام راجہ دیورائے چھتری قوم کا ایک زبردست

راجہ تھا۔ اس نے مجبوری و جوش کے عالم میں یہ سب کچھ کیا مگر اس کے قلب سے اپنی اس ذلت کا داغ نہ گیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ ارضِ ہند کا ایک صاحبِ جبروت راجہ ہے۔ سارا ہندوستان اس کی عظمت کرتا ہے اس کے باوجود اسے یہ ذلت اُٹھانی پڑی ہے۔ چنانچہ سلطان کو رخصت کرتے وقت اسکے دریائے غیرت میں جوش جو اُٹھا تو چند ایسی باتیں کیں جن سے گستاخی کی بُو آتی تھی۔ اسی وقت سلطان نے کہا کہ قرار داد یہ تھی کہ راجہ ہمیں خیمہ تک پہنچا ئیگا درمیان سے کیوں واپس چلا گیا۔ اچھا سمجھا جائیگا۔ راجہ یہ الفاظ سُنکر اور بگڑا۔ اور سلطان فیروز آباد روانہ ہو گیا۔ سلطان فیروز شاہ زبردست بہمنی سلطنت کا پرشکوہ فرمانروا تھا۔ راجگان بیجا نگر بھی اپنی دولت و عظمت میں مشہور تھے اور دونوں زبردست حریف تھے۔ دریائے تنگ بھدرا کے جنوب میں سلطنت بیجا نگر تھی اور شمال میں سلطنت بہمنی۔ سلطان اور راجہ میں مذکورہ جنگ سنہ ۸ ھ اور سنہ ۸۲۵ ھ کے مابین ہوئی تھی۔ سب کچھ ہوا۔ راجکماری بھی محل سے نکل گئی۔ ذلت بھی ہوئی۔ مگر مہ جبین پرتھال اس کے ہاتھ نہ آئی۔ بلکہ اس کے عشق میں صدہا ذلتیں برداشت کیں۔ جب سلطان کو معلوم ہوا کہ یہ عظیم الشان جنگ پرتھال کے حسن عالم آشوب کا ایک کرشمہ تھی تو اس نے پرتھال کو دربار میں بلایا اور صورت دیکھتے ہی اس کی زبان سے "فتبارک اللہ احسن الخالقین" نکل گیا۔ پھر بولا سبحان اللہ کیا حسن پایا ہے۔ میں ضرور اس سے شادی کر لیتا مگر یہ نازنین ابھی بہت کم سن ہے اور میں بوڑھا ہو چکا ہوں اُسکے حسن و شباب کے ساتھ ظلم روا نہیں رکھتا۔ البتہ اپنے بیٹے حسن سے اس کی شادی کئے دیتا ہوں۔

پرتھال محلسرائے شاہی میں

چنانچہ مہ پارہ سنار زادی عظیم الشان سلطنت بہمنیہ کی بہو بنکر محل

میں آگئی۔ شہزادہ حسن نے جو اس کی صورت دیکھی تو سب کچھ بھول گیا دنیا و مافیہا کا ہوش نہ رہا۔ ہمہ وقت محل کے اندر اس کی آغوش میں پڑا رہتا۔ پرتھال کے حسن نچھال کا پہلا کرشمہ راجہ دیو رائے کی ذلت انگیز شکست اور ہزارہا انسانوں کی تباہی کی صورت میں نظر آیا تھا۔ دوسرا کرشمہ شہزادہ حسن کی از خود رفتگی اور دنیا و مافیہا سے بےخبری تھی۔ تیسرا کرشمہ یہ تھا کہ حسن تخت و تاج بھی کھو بیٹھا۔ اور اس کا چچا اس کے باپ کی زندگی ہی میں سریر آرائے حکومت ہو گیا۔

حسن نے اہلیت پیدا کرنے اور سیاسیات میں حصہ لینے کی طرف سر مو توجہ نہ کی۔ اس کی دنیا اور اس کی سلطنت صرف پرتھال تھی سلطان نے بہت سعی کی مگر اُسے جنون عشق میں اتنا ہوش ہی کہاں تھا اُس نے اُسے ولیعہد تو بنا دیا مگر خود سمجھتا تھا کہ "یہ بہمنی قیس" کچھ نہ کر سکے گا۔

سلطان کا بھائی امیر الامراء احمد خاں خانخاناں شہزادہ حسن کی از خود رفتگی اور ربودگی دیکھ کر بہت دلیر ہو گیا اور یقین کر لیا کہ اب میرے سامنے کوئی سلطنت کا فرمانروا نہیں ہو سکتا۔ خانخاناں نے یہ دیکھ کر کہ سلطان میرے ہوتے اپنے مدہوش بیٹے کو ولیعہد بنا رہا ہے اس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے سلطان کی شدید علالت سے فائدہ اُٹھا کر فوری اقدام کی سعی کی تاکہ سلطان کے انتقال ہو جانے پر شہزادہ حسن فرمانروا نہ ہو سکے۔

عاشق جگر سوختہ کی آرزو

اس کے باوجود سلطان ولیعہد کے ساتھ مقابلہ کو نکلا۔ سلطان میں بھائی کو زیر کرنے کی پوری طاقت موجود تھی مگر شدت ضعف سے عین میدان جنگ میں اُسے غش جو آ گیا تو لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ سلطان مر گیا اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور خانخاناں سے مل گئے۔ فوج میں بھگدڑ مچ گیا۔ سلطان بیمار

میں سوار تھا۔ یہ حالت دیکھ کر سرداران بیچ اسے قلعہ میں اٹھا لے گئے۔ جس کا محاصرہ آتے ہی فتح خانخاناں نے کر لیا۔

سلطان نے کہا حسن میں تجھے پہلے سے سمجھاتا تھا مگر تو نے ایک نہ سنی یہ سب کچھ تیری نااہلیت کی شہرت کا ثمرہ ہے میں نے تو تیرے لئے بہت کچھ کیا اور سب کچھ کر سکتا تھا مگر کیا کروں تیری قسمت ہی نے تیرا ساتھ نہیں دیا اب خانخاناں سے لڑنا تقدیر سے جنگ کرنا ہے۔ بہتر ہے کہ قلعہ کے دروازہ کھول دے اور چچا سے کہے کہ وہ فاتحانہ اندر چلا آئے۔ دروازہ کھلتے ہی خانخاناں اندر آیا اور بیمار بھائی کے سرہانے آ کھڑا ہو گیا۔ کمزور بیمار سلطان نے سرکش بھائی کی صورت دیکھی تو بے اختیار رونے لگا اور کہا کہ میں نے محبت پدری کے تقاضے سے حسن کے لئے سعی کی۔ مگر اللہ کو یہ منظور نہ تھا۔ اب میں سلطنت اور حسن دونوں کو تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد مبارکباد دی کر ایسی آنکھیں بند کیں کہ پھر نہ کھلیں۔ ۵ شوال ۲۵ھ کو خانخاناں احمد شاہ بہمنی کے لقب سے سریر آرائے حکومت ہوا اور ۱۵ شوال کو سلطان نے دم توڑ دیا۔ چند سرداروں نے شہزادہ حسن کے قتل کرنے یا آنکھیں نکلوا دینے کی رائے دی مگر اس نے کسی کی نہ سنی اور حسن سے کہا کہ :-

بیٹا! تمہارے باپ نے تمہیں میرے سپرد کیا ہے۔ میں تمہیں منصب پنجصدی عطا کرتا ہوں۔ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے قلعہ فیروز آباد تمہاری جاگیر مقرر کرتا ہوں بہت خوش منظر اور پر فضا مقام ہے۔ اپنی پری پیکر محبوبہ کو بھی ساتھ لیجاؤ اور اس کے حسن شباب سے لطف اٹھاؤ اور عیش کرو۔

قلعہ فیروز آباد میں داد عیش۔ ایک عاشق مدہوش کی آرزو اور

ہو بھی کیا سکتی تھی شہزادہ مسرور ہو گیا اور قلعہ فیروز آباد میں جا کر بیٹھا تو ایسی مدہوشی طاری ہوئی کہ پھر اپنے خلوت کدہ عشرت سے باہر نہ نکلا۔

مہ جبین پرتھال کے حسن جہاں سوز کی یہ کتنی بڑی سحر کاری ہے کہ دیکھنا تو دیکھنا نہ صرف سننے والے بھی اپنے ہوش میں نہ رہے۔ اس کے حسن و شباب میں غضب کا نشہ نگاہ میں بلا کا جادو آواز میں قیامت کا سحر اور رفتار میں مقناطیسی کشش تھی جس نے شہزادہ کے دل و دماغ کو ہر طرح مسحور و ماؤف کر دیا اُسے پرتھال کے ساتھ سچا عشق تھا۔ اور عشق کامیاب ہو یا ناکامیاب وہ پھر انسان کو کسی کام کا نہیں رکھتا۔

پرتھال محل میں آکر بالکل شہزادی بن گئی تھی یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ ایک غریب سنار کی لڑکی ہے۔ اس کے اطوار میں بلا کی شائستگی تھی وہ خود بھی حسن کی دیوانی تھی اور دونوں عاشق و معشوق مدہوشانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حسن تو دنیا و مافیہا سے غافل ہو چکا تھا مگر پرتھال کے حواس قائم تھے۔ اُسے جو عیش نصیب ہوا وہ بھی اس کی منتہائے آرزو سے زیادہ تھا۔ اس نے اُسے بہت غنیمت سمجھا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ مسلمان ہو چکی تھی۔ اس کا عنوان زندگی یہ تھا کہ یہ شہزادہ کی دلجوئی اور خدائے قدوس کی عبادت میں مصروف رہتی تھی۔ دو ہی کام تھے شوہر کی دلبستگی کرنا یا پھر عبادت میں مصروف رہنا۔

دینداری و عبادت پرتھال صوم و صلوٰۃ کی بہت پابند تھی اور بعض نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ زندگی بھر تہجد بھی پڑھتی رہی کبھی تلاوت ناغہ نہ ہوئی۔ قرآن پڑھتی اور اس سوز و دلکشی کے ساتھ پڑھتی کہ سننے والوں کے قلوب سینے کے اندر تڑپنے لگتے۔ اس کے قلب میں بلا کا درد و سوز تھا۔ قرآن و نماز میں اس کی چشم غزالیں سے آنسو اکثر جاری رہتے اور نماز بڑے خشوع و خضوع سے ادا کرتی۔ یہ اس کی دینداری

اتفاق ہی کا نتیجہ تھا کہ شہزادہ حسن اپنی مدہوشانہ زندگی میں کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہ لگا سکا۔ اور یہی وارفتگی کی زندگی میں بھی برابر نماز پڑھتا رہا۔ کیونکہ پربھاتی نے اسے کہہ دیا تھا کہ میری محبت کا تقاضا یہی ہے کہ تم میرے ساتھ خدا کو بھی نہ بھولو۔ وہ اُسے قلعہ کے برجوں میں بیٹھ کر گانا سُناتی۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ رات کے سناٹے میں جو اس نے گانا شروع کیا ہے تو فضا ترنم سے لبریز ہو گئی ہے۔ وہ چاندنی راتوں میں شہزادہ کے ساتھ قلعہ سے نکلتی۔ دریائے تنگ بھدرا کی شوخ لہروں سے دیر تک بیٹھی کھیلتی رہتی نہایت شوخ طبع اور خوش مزاج بھی تھی۔ شہزادہ کو بھی چھیڑنے اور ہنسانے سے باز نہ رہتی۔ شاداب گھاس کے مخملیں فرش پر لب دریا بیٹھی ہوئی قیامت خیز ترنم میں گنگناتی رہتی۔

شہزادہ کو اردگرد دور دور فرسخ تک شکار کے لئے جانے کی اجازت تھی بعد کو یہ پابندی بھی نہ رہی۔ پربھاتی اُسے خود شکار کا شوق دلاتی اور ساتھ جاتی۔ دونوں ملکر شکار کھیلتے اور گھوڑے دوڑاتے۔ دونوں کو سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پرامن شہری زندگی بسر کرتے تھے۔ پربھاتی بہت فیاض، رحمدل، سیرچشم، ذی مروت اور غریب نواز و شرفا پرور تھی۔ اس نے ہزارہا روپیہ خیرات کیا۔ اس کی خدمت کے لئے بہت سی کنیزیں اور بکثرت ملازم موجود تھے وہ سب سے محبت کے ساتھ پیش آتی اور کسی کو شکایت کا موقعہ نہ دیتی۔ نہایت عقلمند و مدبر بھی تھی۔ یہ اس کی دانائی ہی کا کرشمہ تھا کہ اس نے شہزادہ کو سیاسیات سے بالکل علیحدہ رکھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ حالات نازک ہیں اور سیاسیات اس کی جان کی دشمن بن سکتی ہے۔ وہ خود کہا کرتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حسین دل اور حسین صورت بخشی ہے۔ ایسی حسین کہ جسے دیکھ کر ہوش و حواس بھی کسی کے سلامت نہیں رہ سکتے۔ اسکا شکریہ یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار اور اپنے

شوہر کی تابع داری رہوں۔ آج تک ہندوستان میں اُسکے حسن کا شہرہ ہے۔

فرمانروائے احمد نگر کی شجاع بیٹی

حسن جمال و علم و فضل

چاند خاتون دکن کے نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ اور نظام شاہ بحری فرمانروائے احمد نگر کی لاڈلی بیٹی تھی جس نے اس کی تعلیم و تربیت کے لئے لائق ادیب اور فاضل معلم مقرر کئے تھے۔ فطرتاً ذہین اور طباع اس لئے صرف سات برس ہی کی قلیل مدت میں اس نے جملہ علوم متداولہ میں کمال پیدا کر لیا۔ ادب انشا شعر و سخن، تفسیر و حدیث اور ریاضی و منطق میں دسترس کامل رکھتی تھی۔ مطالعہ کتب کا بے حد شوق تھا۔ تحصیل علوم سے فراغت حاصل کرکے شاہزادی نے فنون سپہگری کی طرف توجہ کی اور تیر اندازی شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں وہ کمال پیدا کر لیا کہ بڑے بڑے ماہرین دیکھکر انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔ گھوڑے کی سواری میں بھی اتنی مشاق تھی کہ برہنہ پشت پر اچھل کر چڑھ جاتی اور سیدھی نکل جاتی۔ شکار بھی خوب کھیلتی تھی۔

ان دلیرانہ مشاغل کے باوجود نہایت نازک اندام گل رخسار اور پری پیکر تھی۔ اس کا حسن و شباب اپنے اندر بلا کی کشش رکھتا تھا۔ نگاہوں میں غضب کا جادو تھا۔ اخلاق و عادات بھی نہایت شریفانہ تھے اور لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی میں بھی طاق تھی۔ چنانچہ اس کے حسن و جمال اور لیاقت اور دانائی کا شہرہ احمد نگر سے نکلکر دور دور تک پہنچ گیا اور مختلف شہزادوں اور فرمانرواؤں کے پیغام آنے شروع ہو گئے۔ فرمانروائے بیجاپور عادل شاہ اسکی شہرت قابلیت سنکر نادیدہ عاشق ہو گیا اور اس نے اولین فرصت میں اپنا پیغام بھیجدیا۔ عادل شاہ بھی بڑا خوبصورت اور لائق فرمانروا تھا۔ اس لئے بڑی دھوم دھام کے ساتھ اس کی شادی

ہوگئی۔ دونوں میاں بیوی میں بیحد محبت تھی۔ عاشقانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ چاند خاتون کی زندگی پورے آرام و آسائش کے ساتھ گذر رہی تھی کہ کچھ عرصہ بعد اس کا آفتاب مسرت غروب ہوگیا اور یہ بیوہ ہوگئی جس کے بعد یہ احمدنگر چلی آئی۔ کچھ مدت ہی رہنے پائی تھی کہ باپ کا انتقال بھی ہوگیا۔ اور امرا نے اس کی لیاقت کے پیش نظر اسے ہی تخت پر متمکن کردیا اور یہ چاند خاتون سے چاند سلطانہ بن گئی۔

لیاقت حکمرانی

چاند سلطان کئی سال تک پورے جاہ و جلال سے عدل و انصاف سے حکومت کرتی رہی اور سلطنت احمدنگر کا خوب انتظام کیا۔ کچھ عرصہ بعد امرا کی سازشوں سے سلطنت میں کچھ اختلال پیدا ہوا۔ اکبر فتوحات کو وسعت دیتا ہوا دکن کی طرف بڑھا۔ شہزادہ مراد اور خانخاناں عظیم الشان لشکر لیکر دکن کی طرف بڑھے۔ ابھی وہ برار ہی پر پڑے ہوئے تھے کہ ایک سردار منجھو خاں نے شہزادہ مراد کو لکھا کہ آپ بڑھ کر احمدنگر پر قبضہ کرلیں میں آپ کی ہر قسم کی امداد کروں گا۔ مراد احمدنگر کی طرف اس شان سے بڑھا کہ اس کے ساتھ ایک عظیم الشان لشکر تھا۔ راجہ جگناتھ و راجہ دیچند۔ راجہ درگا۔ شہباز خاں۔ خانخاناں۔ شاہرخ والی بدخشاں اور دیگر راجگان ہند اپنی اپنی فوجیں لئے ساتھ تھے۔

چاند سلطانہ نے دیکھا کہ امرا کی سازش نے دکن بھر میں نازک صورت حالات پیدا کردی ہے اور وقت آگیا ہے کہ دکن کی پانچوں سلطنتیں سلطنت مغلیہ میں جذب ہوکر ختم ہو جائیں۔ وہ بہت مشوش ہوئی اور احمدنگر کو بچانے کے لئے مردانہ وار کھڑی ہوگئی۔ اس نے سب سے پہلے شر انگیز اور مخالف امرا کو ایک جگہ جمع کرکے حکم دیا کہ وہ قلعہ سے فوراً نکل جائیں ورنہ انہیں قتل و قید کردیا جائیگا۔ بعض امرا کو باہم

سے کام لیکر اس نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے بعد اس نے والی بیجا پور اور قطب شاہ والی گولکنڈہ کو امداد کے لئے لکھا اور قلعہ کو ہر طرح رسد اور سامان سے مستحکم کر کے شہزادہ مراد کا انتظار کرنے لگی۔

شہنشاہ اکبر سے مقابلہ شہزادہ مراد ۱۴ ۔ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ کو قلعہ کی طرف بڑھا۔ چاند سلطانہ نے اسی وقت توپچیوں کو گولہ باری کا حکم دیا اور اس شدت و شکوہ و تواتر کے ساتھ گولہ باری کی کہ شہزادہ مراد دن بھر سعی کرتا رہا مگر ایک انچہ بھی آگے نہ بڑھ سکا مجبور ہو کر رات میں شہزادہ مراد، خانخاناں، شہباز خاں اور راجہ جگناتھ وغیرہ نے تاریکی میں دو رہٹکر قلعہ احمد نگر کا محاصرہ کر لیا۔

اتنے میں والی بیجا پور کی طرف سے پچیس ہزار اور والی گولکنڈہ کی طرف سے پانچ ہزار سوار پہنچ گئے اور چاند سلطانہ کی سعی و تدبیر سے آہنگ خاں منجو خاں اور اخلاص خاں جیسے مقتدر امرا بھی ساتھ ہو گئے۔ ابھی یہ فوج دور ہی تھی کہ شہزادہ مراد کو جو اطلاع پہنچی تو وہ گھبرا گیا اور سعی شروع ہو گئی کہ اس امداد کے پہنچنے سے پیشتر قلعہ کو فتح کر لیا جائے۔ سمجھتا تھا کہ چاند سلطانہ پھر عورت ہے اور عورت بھی نازک اندام کیا کر سکے گی مگر اس نے مراد کی ایک نہ چلنے دی مجبور ہو کر اس نے قلعہ تک پانچ سرنگیں کھدوا کر ان میں بارود بھروا دی۔ سلطانہ کا نظام جاسوسی بھی بہت مضبوط تھا اُسے پتہ لگ گیا مگر ذرا دیر بعد کیونکہ یہ کام پورے اخفا کے ساتھ کیا گیا تھا۔ چاند سلطانہ نے حکم دیا کہ فوراً جگہ کھود کر سرنگوں میں پانی بھر دیا جائے چار سرنگوں کو سلطانہ بیکار کر چکی تھی کہ شہزادہ مراد نے سرنگوں میں آگ لگوا دی۔ اس زور کا دھماکہ ہوا گویا کہ آسمان سے بجلی گر پڑی اور زمین پھٹ گئی۔ قلعہ کی پچاس گز دیوار منہدم ہو گئی۔

ہمت و حوصلہ قلعہ والوں کو نظر آیا کہ سامنے شہزادہ مراد اپنے

خونخوار راجپوتوں اور مغل لشکر کو لئے سامنے کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ پست ہو گئے بدحواسی پھیل گئی مگر سلطانہ نے اس وقت حیرت انگیز ہمت و استقلال اور جرات و جلادت سے کام لیا۔ فوراً گھوڑے پر سوار ہو برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے شگاف پر پہنچ گئی اور قلعہ والوں کو للکار کر کہا کہ دیکھ کیا رہے ہو اٹھو اور جلد جلد توپیں لا کر یہاں کھڑی کر کے آگ برسانی شروع کر دو۔ ادھر تو آگ برسنی شروع ہوئی اور ادھر اس نے ہزار ہا ٹوکری مٹی اور پتھر ڈلوا کر کھڑے کھڑے دیوار بنوا دی۔ مغل آسنے زور شور سے حملے کئے مگر وہ قلعہ کی طرف ایک گز بھی نہ بڑھ سکا۔ وہ گھوڑے پر سوار اپنے حسین چہرے پر نقاب ڈالے ادھر ادھر گھومتی اور لڑاتی پھرتی تھی۔ قلعہ کی گولہ باری سے مغلوں کو سخت نقصان پہنچا اور خندقیں لاشوں سے پٹ گئیں۔ مغلیہ افواج میں بڑے بڑے جری اور بہادر نامور امراء و جرنیل موجود تھے وہ چاند سلطانہ کی اس ہمت و استقلال اور شجاعت و سرفروشی کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئے اور ان کے منہ سے بیساختہ صدائے آفرین بلند ہوئی۔

اس سعی و مقابلہ میں چھ ماہ کی مدت صرف ہو گئی تھی اور مغل اپنی ناکامیوں سے گھبرا کر سمجھ گئے تھے کہ چاند سلطانہ کی زندگی میں قلعہ پر قبضہ کر لینا امکان میں نہیں۔ اس لئے انہوں نے خود اپنی طرف سے درخواست مصالحت پیش کی۔ چاند سلطانہ صلح نہ کرنا چاہتی تھی۔ اس نے عزم کر لیا تھا کہ میں انہیں پوری شکست دیکر رہوں گی اور وہ دے سکتی تھی ایسی حالت میں ایک عظیم اور نامختتم کی قہار فوجوں سے مقابلہ کہ سامان رسد کی قلت۔ جھگڑوں سے محصور۔ امراء میں نفاق۔ حریف کی کثیر سامانی۔ چاند سلطانہ کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے اس نے اپنی فوج کو پوری لیاقت کے ساتھ لڑایا تھا مگر درخواست صلح کا علم ہوتے ہی قلعہ والے گھبرا گئے۔ انہوں نے گھبرا کر محاصرے سے تنگ آ کر سلطانہ کو

صلح پر مجبور کر دیا اور برار کا صوبہ دیکر صلح کر لی۔ اس مشیرانہ مدافعت سے چاند سلطانہ کو بڑی شہرت ہو گئی۔ دور دور تک دھاک بیٹھ گئی۔ مگر سلطنت کا وقت آ چکا تھا امرا کی حالت بگڑ چکی تھی۔ کچھ دنوں بعد یہ عدیم المثال جری اور حسین خاتون انہی کی سازشوں کا شکار ہو گئی۔ اور جسکا اکبر اعظم کچھ نہ بگاڑ سکا تھا اُسے گھر کی آگ نگل گئی اور اسکی موت کے ساتھ ہی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

سلطان بیجاپور کی ناز آفریں ملکہ

دانائی و فراست

بوبجی خاتون بھی فرمانروائے بیجاپور ہی کی ملکہ تھی اور یوسف عادل شاہ اس کے شوہر کا نام تھا۔ ۱۵۱۰ء میں یوسف عادل شاہ کے مرنے پر اسکا بیٹا اسمٰعیل عادل شاہ تخت نشین ہوا۔ چونکہ وہ ابھی بچہ تھا اس لئے ایک وفادار اور مقتدر امیر نائب سلطنت مقرر ہوا جو اسمٰعیل عادل شاہ کی طرف سے حکومت کرنے لگا۔ سلطنت و دولت کی ہوس بہت بری چیز ہے کچھ مدت تک تو کمال خاں خاموشی کے ساتھ حکومت کرتا رہا اس کے بعد اس نے سوچا کہ میں کیوں اس بچہ کا خاتمہ کر کے تخت و تاج پر قبضہ کر لوں۔ اس نے اس ارادہ کو راز ہی رکھا اور کسی کو علم نہ ہونے دیا۔ خفیہ خفیہ تمام انتظامات مکمل کر لئے جن امراء سے مخالفت کا اندیشہ ہو سکتا تھا انہیں دور بھیجا اور شقاؤں اور حبشیوں کی ایک نئی فوج وقت پر کام لینے کے لئے علیحدہ رکھی۔ امراء سلطنت کو اسطرح قبضہ میں لیا کہ وہ انگلی بھی نہ ہلا سکیں۔ مگر عاقلہ اور فرزانہ روزگار ملکہ بوبجی خاتون تاڑ گئی کہ یہ تمام انتظام کس لئے ہیں کیونکہ وہ اس تمام دوران میں غافل نہ رہی تھی اور کمال خاں کی حرکات و سکنات پر اسکی نظریں برابر پڑتی رہتی تھیں وہ جانتی تھی کہ کمال خاں نے وقت سے

فائدہ اٹھاکر اتنا اقتدار حاصل کرلیا ہے کہ اسے علیحدہ کرنا غیر ممکن ہے وہ برابر اپنی طاقت اور اپنا اثر بڑھاتا چلا جارہا ہے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اگر وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتی تو بیٹے کی خیر نظر نہیں آتی۔

بدنیت کمال خاں سے مقابلہ

وہ کئی روز تک برابر اسی خلجان اور اسی غور میں رہی۔ آخر اس نے اسمعیل عادل شاہ کے کوکہ یوسف ترک کو تنہائی میں بلایا۔ تمام حالات بتائے اور پھر کہا کہ اگر تمہیں اس خاندان اور اس بچہ کی کچھ ہمدردی ہے تو اس وقت خاموش نہ رہو اور جلد کوئی تدبیر نکالو۔ اگر تاخیر کی گئی تو پھر نہ تمہاری خیر ہے اور نہ میری وہ بولا کہ آخر کیا کروں۔ پونجی خاتون نے کہا کہ وکیا کمال خاں کے پاس ملاقات کے لئے تنہائی میں جاؤ اور بلا کچھ کہے سنے خنجر سے اسکا پیٹ چاک کرکے چلے آؤ۔ میں تمہیں بچالونگی اور زر و جواہر سے مالامال کردونگی۔ یوسف نے اپنا کام پوری وفاداری اور لیاقت کے ساتھ انجام دیا۔ لیکن خود بھی گرفتار ہوکر وہیں قتل ہوگیا۔

اس قتل کے فوراً بعد ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر پونجی خاتون نے ان تین سو حبشی و دکنی اور تین سو مغل سپاہیوں کو بلاکر اپنے سامنے کھڑا کیا جو کمال خاں نے اپنی طرف سے قلعہ میں ضرورت کے وقت کام لینے کو مقرر کر رکھے تھے اور صاف الفاظ میں کہا کہ اس حقیقت سے تم ہی نہیں ایک دنیا واقف ہے کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے اور اسکا وارث اسمعیل ہے........... مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اب اس کوشش میں مصروف ہے کہ وہ اسمعیل کو قتل کرکے خود غاصبانہ قبضہ کرلے۔ یہ کھلی ہوئی غداری ہے۔ میں تم سے اصرار نہیں کرتی اور نہ تمہیں مجبور کرتی ہوں کہ تم ضرور شاہزادہ کا ساتھ دو۔ البتہ اتنا کہتی ہوں کہ تم میں جو تخت کا وفادار ہے وہی قلعہ کے اندر رہے باقی ابھی یہاں سے نکل کر

کمال خاں کے پاس چلے جائیں میں نے سب انتظام کر لیا ہے۔ کمال خاں کو تو اس غداری کی سزا ملے ہی گی اس کے حامی بھی زندہ نہ رہنے دیئے جائیں گے۔

صفدر خاں سے خوفناک جنگ

یہ تو کمال خاں کے خاص آدمی تھے ہی چھ سو آدمیوں میں سے صرف ۵۰ مغل اور ۷۰ دکنی و حبشی قلعہ کے اندر رہ گئے اور باقی کمال خاں کی ہمدردی اور اپنی جان کی حفاظت میں قلعہ سے باہر نکل گئے اس طرح پونچی خاتون نے اپنی تدبیر و فراست سے عین وقت پر غدار اشخاص کو قلعہ سے باہر کر کے اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ اب اس کے پاس قلعہ کے اندر قلعہ کے معمولی خدام اور کنیزوں کے علاوہ لڑنے والے صرف تین سو وفادار جوان رہ گئے تھے اس نے فوراً قلعہ کے دروازے بند کرا دیئے اور ان جوانوں کو مسلح کر کے برجوں پر متعین کر دیا۔ اسکا خیال ٹھیک نکلا اور کمال خاں کا بیٹا صفدر خاں چند گھنٹہ کے بعد ہی فوج لیکر قلعہ پر آ چڑھا۔ کیونکہ کمال خاں کی بیوی بھی بڑی عاقلہ تھی۔ اس نے شوہر کے قتل کی خبر سنکر ہی لاش کو چھپا دیا پہرے لگوا دیئے کہ کسی کو اسکی موت کا علم نہ ہونے پائے۔ اور فوراً بیٹے کو بلایا جو باپ کی لاش دیکھتے ہی چیخ مارنے والا تھا مگر اس ہوشمند خاتون نے سمجھایا خبردار! منہ سے اُف نہ نکلے۔ وقت بہت نازک ہے۔ ذرا بھی غفلت کی گئی تو تیری اور میری جان بھی ابھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ عقل و ضبط سے کام لے اور ابھی باہر جا کر اپنے خاص آدمیوں سے کہہ کہ کمال خاں اسمٰعیل کا سر طلب کرتا ہے۔ صفدر خاں نے یہی کیا اور اس اعلان کے بعد سر لینے کیلئے ایک بڑی فوج لیکر قلعہ پر چڑھ گیا۔

تمام امرا اس کے ساتھ تھے کیونکہ کسی میں اتنی جراءت نہ تھی کہ

کمال خاں کے حکم کو ٹال سکے۔

سپہگرانہ قابلیت کا مظاہرہ

صفدر خاں کے حملہ آور ہوتے ہی ایک طرف تو قلعہ سے تیر برسنے لگے۔ دوسری طرف خاندان کا ایک وفادار ملازم مصطفٰے آغا شہزادہ کے سر کے مطالبہ اور قلعہ پر حملہ کی خبر سنکر اور اپنے پچاس توپچیوں کو لیکر شہزادہ کی امداد کو عین وقت پر پہنچ گیا۔ اور اس نے بھی اچانک گولے برسانے شروع کر دیئے صفدر خاں کو اس افتاد کی خبر نہ تھی اس نے پیچھے ہٹکر دروازہ قلعہ کے محاذ میں راتوں رات توپیں نصب کر لیں اور اسوقت مصلحتاً قلعہ سے ہٹ گیا۔ وقت بہت نازک تھا۔ پونجی خاتون نے رات ہی میں یوسف عادل شاہ کی بہن دلشاد آغا اور کچھ دیگر معزز عورتوں اور سرداروں کو ملا کر مشورہ کیا کہ صفدر خاں کے پاس اس وقت سلطنت کی طاقت ہے۔ اس نے توپیں نصب کر لی ہیں جن سے یقیناً کل وہ دیوار قلعہ منہدم کر کے قلعہ کو فتح کر لیگا۔ اور پھر ہم سب کی جان ورطۂ ہلاکت میں پڑ جائے گی۔ اس لیے اس وقت خاص تدبیر سوچنے کی ضرورت ہے سب حیران تھے۔ پونجی خاتون نے کہا میری رائے یہ ہے کہ کل کوئی مرد سامنے نہ کھڑا ہو۔ صرف عورتیں اوپر متمکن رہیں۔ کوئی حملہ نہ ہو اور دشمن کو پہلا دروازہ توڑ کر اندر آنے دیا جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ صفدر خاں صرف عورتوں کو دیکھکر مطمئن ہو گیا حملہ کا جواب بھی نہ ملا تو وہ پہلا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا اور جونہی اندر کا دروازہ توڑنا چاہا اندر سے چھپے ہوئے تین سو جوان یکبارگی دروازہ کھولکر ان پر ٹوٹ پڑے۔ صفدر خاں اندازہ بھی نہ کر سکا کہ حملہ آوروں کی تعداد کیا ہے۔ انہوں نے اس جوش سے حملہ کیا کہ فوج میں ہلچل مچ گئی۔ لوگ بھاگ نکلے اور قلعہ والوں نے ہزاروں کا خون کر دیا تین سو نوجوانوں سے ہزاروں کا مقابلہ یہ پونجی خاتون ہی کا کام تھا۔

اس کے بعد حالات بدل گئے۔ اس شکست سے حریف کے حوصلے پست ہوئے۔ خیر خواہوں کی ہمت بڑھی۔ کمال خاں کی موت کا راز افشا ہوا۔ سب کھڑے ہو گئے۔ صفدر خاں مارا گیا اور اس شیر دل خاتون کی ہمت و سعی سے ایک تباہ کن سیلاب بڑھتے بڑھتے رک گیا اور شہزادہ کی جان بھی بچ گئی۔

پونجی خاتون جتنی بہادر با ہمت مستقل مزاج اور اولوالعزم تھی اتنی حسین و ماہ پیکر بھی تھی۔ شوہر اسکا عاشق تھا۔ اور جب تک زندہ رہا وہ تمام معاملات سلطنت میں اس سے رائے لیتا رہا۔ تاریخ دکن میں چاند سلطانہ کے بعد پونجی خاتون کو بھی بڑی شہرت حاصل ہے۔

نازنینانِ ترکی

شام کا ستارہ

قفقازی حسن و جمال بیلذرا اپنے حسن و جمال اور رعنائی و زیبائی میں بے نظیر و بے ہمتا تھی۔ اتنی دلربا اور دلفریب صورت پائی تھی کہ عام خیال یہ تھا کہ اسوقت محلسرائے سلطانی میں کوئی نازنین بھی اس کو نہ پہنچتی تھی۔ خطۂ قفقاز کا حسن ایک غیر معلوم زمانہ سے شہرۂ آفاق چلا آرہا ہے اور یہاں کے حسن و جمال کی فراوانیوں اور سحر کاریوں ہی کی وجہ ہے کہ دنیا میں قاف کی پریاں ضرب المثل ہو گئی ہیں اور اس حصہ عالم کو دنیا والے پرستان کہتے رہے ہیں۔ بیلذرا اس گلشن حسن کا ایک شگفتہ اور نکہت بیز پھول تھا۔ اسی آسمان پر یہ چاند اپنی پوری طلعت ریزیوں اور درخشانیوں کے ساتھ طلوع ہوا تھا اور جو بعد کو جا کر افق قسطنطنیہ پر اس شان سے

کے ساتھ چمکا کہ ہر طرف ایک دھوم مچ گئی اور بالآخر یہیں غروب ہو گیا۔

آتی عدیم المثال نازنین کنیزگی و غربت کے آغوش میں پل بڑھ کر جوان ہوئی تھی اور یہ جانتی ہی نہ تھی کہ آزادانہ مسرتیں اور زندگی کے عیش کیا چیز ہوتے ہیں۔ ہوش بھی نہ سنبھالنے پائی تھی۔ آنکھیں بھی نہ کھلی تھیں کہ "صیاد کے پالے" پڑ گئی۔ اور بہت بچپن میں ماں باپ کے آغوش شفقت سے چھنکر ان ہاتھوں میں آئی جنہوں نے اسے "الماس حسن" سمجھکر عیش پسند امرا کے لئے پالنا اور تیار کرنا شروع کر دیا۔ کسی طرح سلطان عبد الحمید کی حرم خاص سلطانہ کی ضرورت و خواہش محسوس کر کے اسے اس کے سامنے پیش کیا گیا جس نے اسے سلطان کو نذر دینے کے لئے فوراً خرید لیا۔

سلطانی حرم سرا

سلطانی حرم سرا میں ڈیڑھ ہزار سے بارہ نازنین رہا کرتی تھیں جن پر سلطان کی چار شرعی بیویوں کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ ایک مدت سے یہی قاعدہ چلا آتا تھا کہ حرم پر پہلی بیوی بحیثیت سلطانہ (صدر) اور تین دوسری بیویاں بحیثیت مشیر خاص حکومت کیا کرتی تھیں۔ ایک محض جزوی فرق و احترام کے سوا ان چاروں بیویوں میں کوئی فرق نہ ہوتا تھا۔ چاروں کے لئے یکساں جداگانہ محل۔ یکساں مصارف؛ یکساں لباس اور یکساں عزت ہوتی تھی۔ سب سے بالکل مساویانہ سلوک ہوتا تھا۔ ان کے بعد قدین کا درجہ تھا قدین وہ عورتیں ہوتی تھیں جن کے اولاد ہو چکتی تھی۔ ان کے حقوق بھی چاروں بیویوں کے قریب قریب برابر ہوتے تھے۔ یہ جماعت بہت مختصر ہوتی تھی۔ اقبال وہ نازنینان حرم تھیں جنہیں قدین کا رتبہ عنقریب ملنے والا ہوتا تھا اور نہایت نظر فریب اور منظور نظر ہوتی تھیں انہیں اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے اور اعلیٰ سے اعلیٰ پہننے کے سوا کوئی اور کام نہ ہوتا تھا۔ بیویوں۔ قدین اور اقبال (منظور نظر) نازنینوں کے بعد چوتھا

درجہ کِلی کا تھا۔ یہ عموماً نوخیز لڑکیاں ہوتی تھیں حسین ہوتی تھیں مگر ان کا کام اپنے سے بلند درجہ عورتوں کی خدمت ہوتا تھا مگر ان کی تربیت خاص طور پر کی جاتی تھی۔ ہر پچاس لڑکیوں پر ایک ماہر فنون بڑھیا تربیت کے لئے متعین ہوتی تھی جسے "حسینوں کی ماں" کے نام سے پکارا جاتا تھا انہیں مختلف زبانوں کے علاوہ ناچنے اور گانے کی بھی تعلیم دی جاتی تھی

سلطان کی عادت تھی کہ وہ تہواروں اور جشنوں کے مواقع پر امراء کو انہیں بطور انعام بخشدیا کرتا تھا اور یہ ان کے گھروں میں پہنچکر بطور جاسوس کام کرتی تھیں۔ ان کی نقل و حرکت سے سلطان کو مطلع رکھتی تھیں اور وقت بے وقت محلسرا میں داخل ہونے کا انہیں اختیار تھا۔ حرم سرا کی حفاظت کا سخت اہتمام تھا۔ زبردست پہرہ رہتا تھا۔ ایک ہزار حبشی خواجہ سرا ہمہ وقت خدمت و حفاظت کو متعین رہتے تھے۔ شاندار عمارت ہوتی تھی۔

یلدز کوشک کی تعمیر سلطان عبدالحمید کی سالگرہ کے موقع پر جہاں دیگر خواتین نے مختلف تحائف پیش کئے سلطان نے یلدز نذر دی اور عرض کیا کہ میں نے اس قفقازی حسینہ کو بطور خاص آپ کے لئے خریدا ہے۔ سلطان ضعیف ہو چکا تھا اس نے محض اخلاقی طور پر اس تحفہ کو پسند کرلیا۔ ورنہ اس کے نزدیک اس کی چنداں اہمیت نہ تھی۔ لیکن جونہی اس حسینہ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹایا ایک بجلی تھی کہ کوند گئی۔ ایک چاند تھا جس نے سلطان کے دل کو منور کردیا۔ اب یلدز سلطان کے دل کی مالک تھی اور سلطان اس کا عاشق زار تھا قاعدہ کی رو سے تو یلدز اگر کِلی میں نہیں تھی تو منظورِ نظر مہ جمالوں کے جھرمٹ میں داخل کی جانی چاہیئے تھی اور جب تک کوئی بچہ پیدا نہ ہو اس وقت تک اسے کوئی جداگانہ محل بھی نہ مل سکتا تھا۔ سلطان کو محبت

تھی زیادہ۔ اس لیئے اس نے اس کے لئے ایک بالکل جدید محل تعمیر کیا۔ یہ محل نہایت شاندار خوبصورت اور اپنی نوعیت میں ایک عدیم المثال محل تھا جس کے درودیوار پر طلائی کام ہو رہا تھا اور جابجا جواہرات جڑ دیئے گئے تھے۔ سلطان نے ۲۰ لاکھ پونڈ اس محل کی تعمیر و تزئین میں خرچ کر کے اُسے فردوس ارض بنا دیا تھا۔ مشرق تو مشرق یورپ تک میں اس محل کی خوبصورتی و شان کی شہرت تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ محل جو یلدز کوشک کے نام سے موسوم تھا اس وقت دنیا کی ایک بہترین عمارت تھی۔ یلدز اسی محل میں رہتی تھی۔ باسفورس کا ساحل اس محل کے بننے سے جگمگا اُٹھا تھا۔

سلطان و یلدز میں عاشقانہ محبت

سلطان اور یلدز کے درمیان انتہائی محبت تھی کہ سلطان ایک لمحہ کو بھی اس سے جدا ہونا نہ چاہتا تھا۔ یہ "قاف کی پری" بھی اتنی عقیل و دانا ثابت ہوئی کہ سلطان اہم معاملات میں اس سے مشورے لینے لگا اور جو وہ کہتی وہی سلطان کرتا۔ یلدز فرش غربت سے بلند ہو کر اب عرش عزت پر فائز ہو چکی تھی اور اس کے حسن و جمال نے اسے انتہائی عروج پر پہنچا دیا تھا۔ سلطنت بھر میں اسی کا حکم چلتا تھا۔ سلطان کے نزدیک یلدز سے محبوب کوئی ملکہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ افسوس اس مہ پارہ کو زیادہ مدت تک دنیا کی ہوا راس نہ آئی اور صرف چھ برس کی پر عیش اور شاہانہ زندگی بسر کر کے یہ مرض دق کی نظر ہو گئی۔ سلطان کو اس کے مرنے کا اتنا صدمہ ہوا کہ اس کے بعد جب تک زندہ رہا اس کے چہرہ پر پھر کبھی ہنسی نہ دیکھی گئی۔ آج یلدز کا محل اور یلدز کی قبر دونوں دنیا والوں کو ایک داستان عبرت سنا رہے ہیں۔ یلدز وہ شام کا ستارہ کنیز سہی مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ حسن و جمال اور گلعذاری و

قیامت خرامی میں اُسوقت اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ اور دنیا بھر کی تمام ملکاؤں اور شہزادیوں میں وہ یکتا اور بے ہمتا سمجھی جاتی تھی۔

سلطنت ہند کی پرشکوہ ملکہ

خاندانی حالات رضیہ سلطان التمش کی بیٹی اور ایک یگانہ روزگار ملکہ تھی۔ شمس الدین التمش ترکان قرا فطائی کا فرزند تھا اس کا باپ کوئی معمولی شخص نہ تھا بلکہ اپنے قبیلہ کا ایک دولتمند اور نامور سردار تھا اسے اپنے بیٹے التمش سے بیحد محبت تھی۔ لیکن اس کی ناگہانی موت کے بعد التمش پر مصائب و آفات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا چچا نے پرورش شروع کی۔ تھا نہایت ذہین۔ چچیرے بھائیوں کو حسد پیدا ہوا۔ اور انہوں نے ایک روز موقعہ پاکر برادران یوسف کی طرح التمش کو کہیں دور لیجا کر ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ سوداگر نے اور غلاموں کے ساتھ بخارا لاکر فروخت کر دیا۔ اس خریدار نے اپنے بچوں کی طرح اسکی پرورش کی۔ اس سے حاجی جمال الدین چیت قبا نے مول لیا۔ بغداد شریف ایک شب محفل سماع منعقد ہوئی۔ جس میں بڑے بڑے مشایخ اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی بھی موجود تھے۔ التمش کے سپرد شمع کے گل کترنے کی خدمت تھی جسے اُس نے نہایت عمدگی اور خوبی سے انجام دیا۔ اسی وقت مشایخ و فقراء میں مشورہ ہوا کہ اس غلام لڑکے نے خوب خدمت کی ہے اس کا کچھ صلہ دینا چاہیئے چنانچہ سب نے باتفاق التمش سے کہا تمہیں دہلی کی سلطنت عطا کی جاتی ہے مگر سلطان ہوکے فقراء و عیال اللہ کا خیال ملحوظ رکھنا۔ بات آئی گئی ہوئی۔

حاجی صاحب نے سلطان قطب الدین ایبک نے ایک لاکھ

چنتیں پر اسے خرید کر شہزادوں کی طرح اس کی تربیت کی۔ کچھ عرصہ بعد میر شکار کا منصب عطا فرمایا۔ اس کے بعد پہلے گوالیار اور پھر برن (بلندشہر) کا حاکم مقرر کر دیا۔ کچھ روز بعد بدایوں کا ناظم مامور کر دیا۔ چونکہ التمش نے گکھڑوں کے فساد و جنگ میں نہایت دلیری اور قابلیت کا ثبوت پیش کیا تھا۔ اس لئے سلطان شہاب الدین غوری نے خوش ہو کر اسے ایک خلعت فاخرہ عطا کیا اور اسی وقت غلامی سے آزاد کرا کر سند آزادی لکھوالی۔ قطب الدین نے دہلی پہنچکر اپنی بیٹی کی شادی التمش سے کر دی اور اسکا ستارہ اقبال چمک اٹھا۔

علم و فضل ۶۰۷ھ میں نقار بغداد کی دعا کے زیر اثر قطب الدین ایبک کے مرنے پر التمش سریر آرائے سلطنت ہوا اور شمالی ہند میں اسلامی شہنشاہی قائم کرکے اور قطب الدین ایبک کے زمانہ سے بھی زیادہ وسیع اور منظم اور طاقتور سلطنت چھوڑ کر ۶۳۳ھ میں انتقال کیا۔ سلطان نے ۲۶ برس نہایت جاہ و جلال اور نہایت کامیابی و کامرانی کے ساتھ حکومت کی۔

سلطان بڑا خدا ترس عابد و زاہد عادل و منتظم دلیر و رحمدل اور شب زندہ دار انسان تھا عمر بھر جماعت سے مسجد میں نماز ادا کی۔ کبھی تکبیر اولیٰ قضا نہ کی۔ مظلوموں اور دردرسیدوں کی دادرسی کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا خلیفہ اور صاحب دل سلطان تھا۔

رضیہ سلطانہ ——— اسی درویش صفت اور اولوالعزم فرمانروا کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اس کے متعدد بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ مگر سب سے زیادہ محبت رضیہ ہی سے تھی یہی وجہ ہے کہ اس نے اس کی تعلیم تربیت نہایت توجہ کے ساتھ کی۔ رضیہ بہت زکی و ذہین لڑکی

تھی۔ بہت جلد علوم متداولہ میں اس نے تبحر پیدا کر لیا۔ ادب انشاء عربی فارسی و ترکی ریاضی و منطق شعر و سخن اور تفسیر و حدیث کی بہت بڑی عالم تھی۔ فنون سپہگری میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ تیر افگنی اور شمشیر چلانے میں کمال رکھتی تھی۔ اول درجہ کی شہسوار تھی۔ اکثر ایسا ہوا کہ پچاس پچاس میل گھوڑے کی پشت پر سوار اڑی چلی گئی ہے زمین سے جست کر کے گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو جاتی اور اسے دوڑا کر دور نکل جاتی۔ بیٹی کی اس علمی و فنی و اخلاقی اور حربی کمالات سے التمش بہت خوش تھا اور رضیہ سے عاشقانہ محبت کرتا تھا۔

سلطان کی نیابت میں چھ سال حکومت

جملہ علوم و فنون کے علاوہ فنون سپہگری اور تدبر و فراست میں اپنی پرسچال اور لائق بیٹی کو کامل پا کر اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ ولیعہد سلطنت اسی کو مقرر کرے گا۔ چنانچہ جب وہ دہلی سے ایک لشکر جرار لے کر بنگالہ اور راجپوتانہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ ہونے لگا ہے تو وہ جانتا تھا کہ مہم زبردست ہے اور صرف وقت زیادہ ہے۔ اسے طویل عرصہ تک پایہ تخت سے باہر رہنا پڑے گا۔ اس نے اپنے کسی بیٹے یا معتمد الیہ کو اپنا جانشین مامور کرنے کے بجائے رضیہ ہی کو اپنا نائب السلطنت مقرر کیا۔ خیر اندیش اور اعاظم امراء نے درخواست کی کہ رضیہ اول تو صنف نازک سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے مصلحت یہ ہے کہ آپ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے تشریف لے جائیں۔ سلطان نے کہا جو میں سمجھتا ہوں آپ لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ میرے تمام بیٹے عیش پسند اور کاہل الوجود ہیں۔ رہی رضیہ تو گو وہ عورت اور بہت کم عمر ہے۔ مگر اس میں غضب کی دانائی و لیاقت اور دلیری موجود ہے اور اس میں مردوں جیسا

دل و دماغ پایا ہے۔ وہ میں بیٹوں کی مجموعی لیاقت سے بھی زیادہ نظام و جہانبانی کی اہلیت رکھتی ہے جس کا آپ کو بہت جلد تجربہ ہو جائیگا

چنانچہ سلطان کا خیال بالکل درست نکلا۔ اس کے شش سالہ دوران مہم میں رضیہ نے اس قابلیت و تدبر کے ساتھ حکمرانی کی اور اس لیاقت و دانائی سے انتظام کیا کہ تمام امراء انگشت بدنداں رہ گئے۔ وہ خود فرامین لکھتی صوبوں کی رپورٹیں پڑھوا کر سنتی اُن پر مناسب حکم دیتی۔ سلطان تک جلد جلد خبریں پہنچتی اور منگواتی۔ مقدمات فیصل کرتی اور امراء و اعیان کی کارکردگی پر گہری نگاہ رکھتی۔ چھ سال کی مدت کوئی کم مدت نہیں ہوتی۔ اس عرصہ میں اس نے وہ انتظام کیا اور اس درجہ ہوشمندی کے ساتھ جانچ پڑتال کرتی رہی کہ کہیں پتہ تک نہ کھڑکا اور تمام امراء اور اس کے سب بھائیوں کو تسلیم کر لینا پڑا کہ رضیہ پر تمام فرمانروایانہ قابلیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

ولیعہدی کا اعلان سلطان کے واپس آنے پر وہ عنان سلطنت باپ کے سپرد کر کے پھر محلسرا میں چلی گئی اور مطالعہ کتب میں مصروف ہوگئی۔ سلطان نے بیٹی کی دانائی و لیاقت کی بہت تعریف کی جس پر اس نے ادب سے سر جھکا کر کہا کہ یہ سب اللہ کی توفیق اور آپ کی دعا کا ثمرہ ہے۔" سلطان التمش نے دوسرے ہی روز بیٹی کے ولیعہد ہونے کا اعلان کر دیا۔ رضیہ کتنی ہی قابل سہی پھر عورت تھی اور حرم سرا میں رہتی تھی لیکن سلطان کے فرزند برابر امراء سے ملتے جلتے رہتے تھے اور وہ بھی سمجھتے تھے کہ رضیہ کی حکمرانی میں انہیں پوری پابندی کے ساتھ کام کرنا پڑے گا اور اسے گونہ آزادی رہیگی۔ اس لئے رضیہ تو باپ کے مرنے پر سب کچھ بھول کر سوگوار ہوگئی اور اس پر سلطان کے انتقال سے سخت صدمہ پڑا۔ ادھر ... کی سازش سے سلطان کا فرزند رکن الدین

فیروز شاہ کا لقب اختیار کر کے سریر آرائے حکومت ہو گیا۔ تھا نہایت نالائق اس لئے سلطنت کا تمام کاروبار اپنی ماں کے ہاتھ میں دیکر جو ایک ترکی کنیز تھی خود عیش و عشرت میں ڈوب گیا۔ اور امرا کی خوشنودی کے لئے بطور انعام و اکرام سارا خزانہ انہیں بانٹ دیا۔ اس کنیز نے رشک و حسد کے جوش میں سلطان کی دوسری بیوں کو نہ صرف یہ کہ شدید اذیتیں پہنچائیں بلکہ بعض کو قتل بھی کرا دیا اور اس کے چھوٹے بیٹے قطب الدین کی آنکھیں نکلوا کر قتل کروا دیا۔ امراء دہلی کے منہ تو روپے نے بند کر دیے تھے مگر بیرونی امرا میں یہ بدانتظامیاں دیکھکر اضطراب پیدا ہوا اور جب یہ معلوم ہوا کہ اودھ۔ بدایوں۔ ہانسی۔ ملتان اور لاہور وغیرہ کے گورنر باغی ہو گئے تو امراء دہلی کی بھی آنکھیں کھلیں۔

نالائق فیروز شاہ گورنر لاہور ملک علاء الدین شیر خاں کی سرکوبی کے لئے فوج لیکر روانہ ہوا تو منصور پور سے بہت سے اعیان و امراء اس کا ساتھ چھوڑ کر دہلی آگئے اور انہوں نے رضیہ سے استدعا کی کہ وہی عنانِ سلطنت ہاتھ میں لیکر اس بدانتظامی کا خاتمہ کرے۔ چنانچہ رضیہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سریر آرائے حکومت ہوئی۔

رضیہ کی فرمانروایانہ قابلیت رضیہ پہلی عورت ہے جو ہندوستان کی عظیم الشان شہنشاہی کی فرمانروا ہوئی اور جس نے اس شان و عظمت کے ساتھ حکومت کی کہ ہر طرف دھاک بیٹھ گئی تمام امرا نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ رضیہ نے تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی سب سے پہلے رکن الدین کی ظالم و سفاک ماں کو جو مختار کل بنی ہوئی تھی خود گرفتار کر کے زنداں میں ڈالدیا۔ اس کے بعد وہ رکن الدین کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئی جو خلفشار دہلی کی خبر سنکر اپنی فوج عظیم لئے ہوئے قریب پہنچ گیا تھا۔

وہ میدان جنگ میں خود لڑی اور اپنی فوج کو اس خوبی کے ساتھ لڑایا
کہ رکن الدین کی فوج کو شکست فاش ہوئی اور وہ ۶۳۴ھ میں سات
ماہ حکومت کرنے کے بعد گرفتار ہو گیا۔ رضیہ نے اسے بھی قید کر دیا۔
اس نے اپنی فطری ذہانت و مروت سے کام لیکر قتل نہ رکن الدین کو
کرایا اور نہ اس کی سفاک ماں کو سولی دی۔

اس کے بعد اس نے ان امراء کے خلاف یورش کی جنہوں نے
اسے سلطان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے خود فوج کی کمان
ہاتھ میں لیکر ایک ایک امیر سے مقابلہ کیا اور سب کو مغلوب کر لیا ان
میں سے جو نہایت شریر اور بد باطن تھے انہیں قتل کر دیا اور جو محض
جوش میں کھڑے ہو گئے تھے ان سب کے قصور معاف کر دیئے۔ پھر وہ باغی
گورنروں کے مقابلہ کو نکلی اور انہیں شکستوں پر شکستیں دیکر نیچا دکھایا اور
مطیع کیا۔ اس کے بعد تو یہ حالت تھی کہ جس نے سر اٹھایا وہ فوراً اسکے
سر پر جا پہنچی اور کچلکر رکھدیا۔ اس نے ملک کے گوشے گوشے میں اپنے جاسوس
مقرر کر دیے جو تمام گورنروں راجاؤں اور امیروں کی حرکات و سکنات
کی اطلاعیں اسے بہم پہنچاتے رہتے تھے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر طرف اس کے
سیاست و انتظام کی دھاک بیٹھ گئی اور چند ہی روز میں بنگال و اڑیسہ سے
لیکر پشاور و کراچی تک اسکا ڈنکہ بج گیا کسی کو دم مارنے کی مجال نہ رہی
ہر طرف امن قائم ہو گیا۔ ملک میں سکون قائم ہو گیا سلطنت مستحکم
ہو گئی اور خزانہ لبریز ہو گیا۔

جاہ و جلال

تمام چھوٹے بڑے امراء اس کے نام سے لرزنے لگے
سب کے دلوں پر اس کی ہیبت قائم ہو گئی اور
کوئی نہ تھا جسے اس کے احکام میں چون و چرا کی مجال ہو۔ وہ بہادر تھی
میدان جنگ میں خود لڑتی اور شمشیر زنی کرتی۔ بے مثل شہسوار اور

اور نہایت منتظم و مدبر تھی اس نے اپنا لقب "سلطان اعظم رضیتہ الدنیا والدین" اختیار کی اور یہی اپنے سکوں پر مضروب کیا۔ جو آج بھی برٹش میوزیم میں موجود ہیں وہ جتنی بہادر و منتظم تھی اتنی ہی رحمدل و ذی مروت اور عادل و مدبر تھی۔ وہ رعایا کی حالت دیکھنے کے لئے ہاتھی پر سوار ہو کر خود شہر میں نکلا کرتی تھی۔ ضابطہ و قانون کی خود بھی پابندی کرتی اور امراسے بھی کراتی اس نے ہر صیغہ اور ہر محکمہ کی اصلاح کی طرف توجہ کی تمام معاملات پر اس کی نظر تھی خود فصل قضایا کا کام کرتی اور استغاثے سنتی کسی کی مجال تھی جو کسی پر ظلم کر سکے۔ دربار میں تمام امرا صف بستہ مؤدب اس کے سامنے کھڑے رہتے۔ وہ مردانہ لباس پہنکر اور تاج شاہی پہنکر تخت پر جلوہ افروز ہوتی اس نے اپنے مختصر زمانۂ حکومت میں فروغ تعلیم کی بہت سعی کی اور دین کو بڑی تقویت پہنچائی اسے اگر موقع ملتا تو وہ سلطنت و ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر جاتی کہ ایک بے مثل دماغ کی ملکہ تھی۔

رضیہ کی ہیبت و سطوت

اس عہد میں مسلمانوں کے اندر پوری حریت و آزادی کی روح جلوہ گر تھی اور افسوس ہے کہ یہی روح کم از کم رضیہ کے لئے تو انتہائی ضرر کا باعث بن گئی۔ ابھی تک پوری صولت قائم نہ ہوئی تھی۔ فرزندان التمش سے خفیہ طور پر مصروف کار رہتے۔ عورت کا فرمانروا ہونا ہندوستان میں بالکل نئی بات تھی۔ رضیہ سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے جمال الدین یاقوت کو جو ایک غلام تھا امیر الامرا کا منصب عطا کر دیا اسوقت ہندوستان میں بڑے بڑے نامور و مقتدر ترک و افغان امراء موجود تھے جن میں غیرت و جوش موجود تھا انہیں ایک نااہل غلام کی ماتحتی میں رہنا ناگوار ہوا۔ ایک دو یا چند کا معاملہ ہوتا تو بھی ایک بات تھی

تمام امراء و اعیان سلطنت کو یہ امر یکساں ناگوار گذرا۔ غیرت کی آگ بڑی شعلہ خیز ہوتی ہے۔ ایک طرف سے لیکر دوسری طرف شعلے بھڑک اٹھے اور سب کے سب متفق ہو گئے لیکن اب بھی رضیہ کی ہیبت کچھ ایسی دلوں پر چھائی ہوئی تھی کہ کسی کو اُف کرنے کی بھی جرات نہ ہوئی۔ اسی اثناء میں لاہور کے مقتدر گورنر ملک عزاز الدین نے سرکشی کی۔ رضیہ فی الفور ایک لشکر جرار لیکر بیخبری میں اس کے سر پر پہنچ گئی۔ وہ لرز گیا اور ڈر کر اس نے معافی مانگ لی۔ رضیہ رحمدل اور شریف نواز بھی تھی معاف کر دیا۔

امیر الامراء کی غلط اندیشی

دہلی کا میدان خالی تھا رضیہ لاہور گئی ہوئی تھی۔ امیر الامراء جمال الدین نے اپنے زعم اقتدار میں شریف و غیور اور مقتدر و ذی اثر امراء پر جو پہلے ہی سے اپنے سے کمتر اور نااہل سمجھتے تھے زیادتیاں شروع کر دیں اور اُن کی طاقت اور مصلحت کا کچھ خیال نہ کیا۔ یہانتک کہ وہ تنگ آ گئے اور عاجز ہو گئے۔ اس نے بیرونی امراء اور گورنروں کو بھی تنگ کرنا شروع کیا جن سے اُن کی سخت توہین ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک اور طاقتور امیر ملک التونیہ نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ بھٹنڈہ کا حاکم تھا۔ رضیہ نہایت شجاع اور مستعد تھی۔ لاہور سے واپس آ کر ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ اُسے اس بغاوت کی خبر لگی۔ فوراً بھٹنڈہ کی طرف سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئی۔

اس سفر میں امیر الامراء جمال الدین یاقوت بھی ہمراہ تھا۔ ملک التونیہ کی بغاوت ایک خفیہ سازش کی کڑی تھی۔ اس لئے وہ بالکل خائف نہ ہوا۔ بلکہ دلیرانہ مقابلہ کے لئے نکلا کہ وہ خود اول درجہ کا بااثر ذی رسوخ امیر اور نہایت شجاع جرنیل تھا۔ زبردست جنگ ہوئی۔

رضیہ اس جنگ میں بھی یقیناً کامیاب ہو جاتی مگر امراء نے موقعہ ساز گار دیکھکر عین وقت پر فریب کیا اس کی فوج سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے دیدہ و دانستہ موقع دیدیا کہ التونیہ رضیہ کو گرفتار کر لے اور اسطرح انہیں رضیہ سے اس توہین کا بدلہ لینے کا موقعہ ملجائے۔ جو جمال الدین یاقوت کے امیر الامراء ہوتے اور پھر اس کے زیادتیاں کرنے سے انکی ہوئی تھی۔ چنانچہ رضیہ ملک التونیہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی اور یہ سب کے سب دہلی واپس چلے آئے اور آتے ہی بہرام شاہ فرزند التمش کو تخت نشین کر دیا۔

امراء کی غداری اب بھی موقعہ تھا اگر امراء غداری نہ کرتے تو رضیہ ضرور کامیاب ہو جاتی اور اگر وہ گرفتار بھی ہو گئی تھی تو دہلی سے ایک اور عظیم الشان لشکر ملک التونیہ کی سرکوبی اور رضیہ کی رہائی کے لئے فوراً بھیجا جا سکتا تھا۔ مگر انہوں نے کچھ بھی نہ کیا انہوں نے رضیہ کو گرفتار کرانے کے ساتھ ہی جمال الدین یاقوت کو بھی قتل کر دیا تھا۔

اول تو وہ چاہتے ہی تھے کہ رضیہ گرفتار ہو جائے اور چاہتے کیا تھے انہوں نے خود ہی گرفتار کرایا تھا۔ اور اگر رہائی کی سعی کرتے تو یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ ملکہ ان سے اس غداری اور جمال الدین یاقوت کے قتل کا انتقام لے گی۔ البتہ رضیہ کے بھائی انتقام کے لئے کھڑے ہو سکتے تھے۔ مگر وہ خود نالائق تھے اور خود سلطنت کی ہوس رکھتے تھے۔ چنانچہ بہرام شاہ نے بہن کو دشمن کے ہاتھ میں اسیر چھوڑ کے اس کے رہا کرانے کی سعی کی بجائے خود تخت پر بیٹھنے کی پرواہ کی اور اس کا خیال بھی اُسے نہ آیا کہ لائق بہن پر کیا گذر رہی ہو گی۔ یہ عجیب تاریخی الجھن ہے کہ جس نے سر پر حکومت پر قدم

رکھتے ہی دعویداران سلطنت اور اپنے اعزاء کو قتل کرا دیا ہے وہ ظالم مشہور ہوا ہے اور جس نے رحم و مروت سے کام لیا ہے اس نے خود نقصان عظیم اٹھایا ہے۔ علاء الدین خلجی اور عالمگیر کو بھائیوں کے قتل پر مطعون کیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ ان کی موجودگی میں ہرگز اتنی مدت اور اس کامیابی و کامرانی کے ساتھ حکومت نہ کر سکتے تھے۔ ہمایوں اور رضیہ نے رحم و مروت سے کام لیا تو انہیں بھائیوں سے زندگی بھر تکلیف و اذیت بھگتنی پڑی۔

رضیہ کی رحمدلی کا ثمرہ

اگر رضیہ بھی رحم و مروت اور خدا ترسی و شرافت سے کام نہ لیتی اور بھائیوں کو پہلے ہی تلوار کے گھاٹ اتار دیتی اور اس کے بعد ان امراء کا ایک ایک کر کے خاتمہ کر دیتی جنہوں نے اسے ملکہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور نہایت سخت گیری و درشتی سے کام لیتی تو اُسے بھی یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ضرور اس نے جمال الدین کو امیر الامراء مقرر کرنے میں غلطی کی لغزش کھائی وہ اسکا ہرگز اہل نہ تھا۔ لیکن پھر بھی یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا جو ان امراء کی غداری کا پردہ پوش بن سکے رضیہ کے ساتھ جو سرد مہری برتی گئی اور جو سلوک روا رکھا گیا وہ تاریخ میں ہرگز اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ کسی قوم اور کسی سلطنت کے امراء نے بھی یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ اپنے فرمانروا و آقا کو دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ کر یکسو ہو گئے ہوں۔ وہ قتل کی جاتی تب بھی انتقام ضروری تھا نہ کہ یہ کہ وہ زندہ موجود ہے اور دوسرا بادشاہ اس کی زندگی میں تخت پر متمکن کیا جا رہا ہے۔ رضیہ نے اُن کے ساتھ ہرگز کوئی برائی نہ کی تھی۔ برائی کی تھی تو یہی کہ اس نے اقتدار پاکر اُن کے سر ان کے دھڑوں پر کیوں رہنے دیئے۔ اور فرزندان التمش کو کیوں زندہ چھوڑا۔

حالانکہ سیاست میں رحم و مروت کوئی چیز نہیں۔ اور جو سختی و تشدد سے کام نہیں لیتا اور رحم دلی سے کام لیتا ہے آخر وہ نقصان اٹھاتا ہے

رضیہ کی شادی اور بیکسیانہ موت کیونکہ رضیہ لیاقت و دانائی کے علاوہ حسن و جمال میں بھی یگانہ روزگار تھی۔ ملک التونیہ اس پر عاشق ہو گیا۔ اس نے اسے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا اور باضابطہ پیام شادی دیا۔ جس نے اسے اس وجہ سے منظور کر لیا کہ بہرام شاہ کی تخت نشینی اور امراء کی اس غداری کے بعد ان سے انتقام لینے کی ایک واحد صورت یہی تھی جس پر ملک التونیہ ایک نہایت شریف بہادر اور ذی اثر امیر بھی تھا۔ اور رضیہ کی عمر ابھی بہت کم تھی چنانچہ دونوں کی شادی ہو گئی۔ شادی کے فوراً بعد دونوں نے جاٹوں اور اور گکھڑوں کی فوج بھرتی کر دلی پر یورش آور ہوئے۔ لیکن اب حالات بدل چکے تھے اور رضیہ کی ملکی حیثیت صرف ایک باغی جیسی تھی جس کے قبضہ میں صرف ایک مختصر صوبے کی قوت تھی اور دوسری طرف پوری شاہانہ طاقت تھی۔ کیتھل کے قریب ۶۳۸ھ میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ رضیہ کا ستارہ اقبال غروب ہو چکا تھا وہ بڑی دلیری اور جرات و جلادت کے ساتھ لڑی لیکن یہ کرایہ کی فوج بھی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی وہ تنہا کیا کر سکتی تھی آخر ان دونوں کو بھی اپنی جانیں لیکر بھاگنا پڑا جنہیں ہندو کاشتکاروں نے گرفتار کر کے روپیہ کی لالچ میں قتل کر دیا۔ اور اس طرح ہندوستان کی یہ بے مثال اور بہادر یگانہ ملکہ دنیا سے ناپید ہو گئی۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ:-

لشکرے کہ با ایشاں بود ہمہ تخلف نمودند سلطان

رضیہ والتونیہ بدست ہندوان گرفتار شدند وہر دو
شہید گشتند وہزیمت ایشاں بست و چہارم ماہ
ربیع الاول ۶۳۸ھ بود وشہادت سلطان رضیہ
روز سہ شنبہ بست و پنجم ربیع الآخر ۶۳۸ھ بود،،

گویا ایک ماہ تک دونوں چھپتے پھرے اور اس کے بعد قتل ہو گئے رضیہ صوم وصلوٰۃ کی پابند نہایت دیندار خدا ترس منتظم بہادر، اور شریف سلطان تھی۔ مصنف طبقات ناصری لکھتا ہے کہ رضیہ اس درجہ ماہ پیکر اور حور جمال تھی کہ اس زمانہ میں اسکا کوئی ثانی نہ تھا وہ اتنی ہی لائق اور نیک بھی تھی اگر اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا تو وہ عرصہ دراز تک نہایت کامیابی و نیکنامی سے حکومت کرتی رہتی۔ بہرکیف گو اس نے تقریباً چار سال ہی فرمانروائی کی مگر یہی کی کہ اس کا عہد حکومت تاریخ میں اب تک مشہور ہے۔

اورنگ زیب کی منجھلی بیٹی

خاندانی حالات زینت النساء بیگم اورنگ زیب کی لاڈلی اور قابل بیٹی تھی جو دل رس بانو بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی تھی۔ دل رس بانو بیگم ایران کے ایک معزز و دولتمند خاندان کی چشم و چراغ تھی۔ جس کے نانا میرزا رستم اپنے بھائی مظفر حسین کے ساتھ ہندوستان چلے آئے تھے۔ اور عہد اکبری جہانگیری میں ان دونوں نے نہ صرف یہ کہ بڑے بڑے مناصب حاصل کر لئے تھے بلکہ گونہ ناموری بھی پیدا کر لی تھی اور چونکہ دونوں طہماسپ صفوی اول کے بھتیجے سلطان حسین مرزا کی اولاد تھے اس لئے بہت معزز سمجھے جاتے تھے اور دربار میں بھی انہیں

خاص اعزاز حاصل ہو چکا تھا۔ انہی مرزا رستم کے بیٹے شاہ نواز خان صفوی نے دربارِ مغلیہ میں اعلیٰ مناصب حاصل کرلئے اور اعیانِ سلطنت میں شامل ہو کر صمصام الدولہ کا خطاب پالیا۔

زینت النساء بیگم کی ماں امرس بانو بیگم انہی شاہ نواز خاں صفوی صمصام الدولہ کی بیٹی تھی جسکا عقد ۸ مئی ۱۶۳۷ء کو آگرہ میں اورنگ زیب کے ساتھ ہو گیا۔ دلرس بانو بیگم نہایت شائستہ، ذی مرتبہ اور با وقار ملکہ گذری ہے۔ دلرس بانو بیگم کا انتقال ۸۔ اکتوبر ۱۶۵۷ء کو اورنگ آباد میں ہوا اور وہیں اس کا "مقبرہ رابعہ دورانی" کے نام سے مشہور ہے۔

دلرس بانو بیگم کے بطن سے تین لڑکیاں اور دو لڑکے کل پانچ پیدا ہوئے

(۱) سب سے بڑی اولاد شہزادی زیب النسا بیگم جو شادی سے دوسرے سال ہی ۱۵۔ فروری ۱۶۳۸ء (۱۰۔ شوال ۱۰۴۸ھ) کو کتم عدم سے پردۂ وجود پر رونق افروز ہوئی نہایت مشہور و معروف فاضلہ روزگار اور بے مثل شاعرہ گذری ہے۔

(۲) اس کے بعد زینت النسا بیگم ۵۔ اکتوبر ۱۶۴۳ء آخر شعبان ۱۰۵۳ھ کو بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئی اور بادشاہ بیگم کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔

(۳) تیسری شاہزادی زبدۃ النسا بیگم تھی جو ۲۶ رمضان المبارک ۱۰۶۱ھ/ ۱۶۵۱ء کو ملتان میں پیدا ہوئی۔

(۴) شہزادہ محمد معظم ۲۸ جون ۱۶۵۳ء مطابق ۱۲ شعبان ۱۰۶۳ھ کو برہانپور میں پیدا ہوا۔

(۵) شہزادہ محمد اکبر ۱۱ ستمبر ۱۶۵۷ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوا جس کے کچھ ہی روز بعد زچگی ہی کے زمانہ میں اسکا انتقال ہو گیا۔

بہر کیف زینت النسا بیگم شہنشاہ اورنگ زیب کی بیٹی تھی اور ننہالی

اور ددھالی دونوں سلسلہ شاہان عظام تک پہنچتے ہیں۔

تعلیم و تربیت

اورنگ زیب نے اپنی لاڈلی اور ماہ پیکر لخت جگر کی تعلیم تربیت کے لئے شاہانہ بندوبست کیا۔ تھی بہت ذہین اس لئے بہت جلد جملہ علوم و فنون میں دستگاہ کامل پیدا کرلی اور گو وہ اس رتبہ و تبحر کو تو نہ پہنچ سکی جو زیب النسا بیگم کو حاصل تھا تاہم عربی۔ فارسی ادب انشا شعر و سخن۔ تفسیر و حدیث اور تاریخ و سیر میں پورا ملکہ پیدا کرلیا تھا۔ اور انتظامی امور خانہ داری سے بھی بخوبی واقف ہوگئی تھی جس وقت زینت النسا نے پانچویں سال میں قدم رکھا اسے معلم کے سپرد کردیا گیا۔ سب سے پہلے کلام اللہ کی تعلیم ہوئی۔ اس کے بعد نوشت و خواند کی طرف توجہ مبذول کی گئی ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اورنگ زیب نے بیٹی کی ذہانت و طباعی کا اندازہ کرکے اس کی تعلیم کے لئے بڑے بڑے فاضل اتالیق مقرر کئے جنہوں نے گلستاں۔ بوستاں۔ کیمیائے سعادت اخلاق جلالی۔ اخلاق ناصری وغیرہ ختم کراکر عربی ادب کی تعلیم شروع کرادی اور فقہ و حدیث و تفسیر و معانی میں طاق کردیا۔

اس کے بعد ریاضی، منطق اور تاریخ و سیر میں مہارت تامہ پیدا کرائی ذہانت و ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ سات آٹھ سال کے عرصہ میں تمام جملہ علوم متداولہ کی ماہر ہوگئی اور جب اورنگ زیب نے اس کا امتحان لیا تو وہ بہت خوش ہوا اور اتالیقوں کو انعامات سے مالا مال کردیا۔

ذوق علم اور تدین و تشرع

زینت النسا بیگم بھی ایک فاضلہ روزگار تھی اور اس کی لائبریری میں جملہ علوم و فنون کی کتابیں رہتی تھیں جنکا مطالعہ وہ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کرتا رہا کرتی تھی۔ تاہم باپ کی خدا پرستی و مذہبیت نے دین و اسلام کی طرف خصوصیت کے ساتھ اس کی توجہ مرکوز کردی تھی۔ اس کے مطالعہ میں

زیادہ تر تفاسیر و احادیث، معانی و بیان کی مطولات رہتیں۔

قرآن کریم سے اسے بہت شغف تھا علمی روشنی میں اس کے نکات و اسرار پر غور کرتی رہتی۔ عبادت سے خاص ذوق تھا اور اس کی دینداری اور زہد و اتقا اتنی ترقی کر گیا تھا کہ خود عالمگیر اس کی مذہبیت کی قدر کرتا تھا اور بیٹی کے دینی رجحان کو دیکھکر خوش ہوتا۔ شباب کا زمانہ عیش و آسائش کے دن حسن و جمال کا سیلاب۔ محلات کی زندگی۔ زر و جواہر کے انبار مگر زینت النسا کی یہ حالت تھی کہ جوں جوں ہوش سنبھالتی جاتی عمر بڑھتی جاتی۔ اُسے عبادت و ریاضت سے عشق ہوتا جاتا۔

وہ صوم و صلوٰۃ کی پابند تو تھی ہی۔ تلاوت کلام اللہ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ کرتی ہی رہتی تھی۔ مگر فرائض کے علاوہ وہ سنن و نوافل اور مستحبات تک کی شیدائی تھی۔ نماز میں اُسے خاص لطف آتا تھا۔ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ وہ نماز پڑھنے جو کھڑی ہوئی تو پوری رات اسی میں گذار دی ہے

اخلاق و عادات

زینت النساء بیگم صوری و معنوی محاسن و محامد میں یگانہ تھی جس طرح وہ حسن و جمال ظاہری میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ اسی طرح وہ باطنی اوصاف و خصائل میں اپنی مثال آپ تھی۔ وہ محلات میں پلی بڑھی تھی۔ حور جمال تھی۔ ماں باپ کی لاڈلی تھی۔ علم و فضل میں یکتا تھی۔ اس حیثیت معاشرت کے پیش نظر اگر وہ مغرور، خود پسند، غصہ ور اور ضدی و نازک مزاج ہوتی تو تعجب نہ تھا۔ اگر مذہبی و اخلاقی تعلیم اُسے نہ دی گئی ہوتی، تربیت اچھی نہ ہوتی تو لازماً ایسا ہی ہوتا اور ہونا چاہیئے تھا اور اس زمانہ میں بھی یہی ہوتا ہے جو تعلیم مذہب و اخلاق کے عنصر سے خالی ہو وہ انسان کو خود غرض مغرور، ضدی اور خود پسند بنا کر رہتی ہے۔

لیکن زینت النساء کو جو تعلیم ملی اور جو تربیت دی گئی اس نے اسے ایک کامل اور پاکباز خاتون بنا دیا اور اخلاقی حیثیت سے اسکا یہ

بہت بلند بنا دیا۔ وہ شاہ زادی ہونے کے باوجود نہایت سادہ مزاج تھی۔ عجز و انکسار مروت و سیر چشمی۔ کرم گستری و عفو اور خوش مزاجی و حلم سے ممتاز تھی اپنی زندگی میں اس نے ہزاروں نہیں لاکھوں روپیہ خیرات کیا۔ سخاوت و فیض رسانی میں مشہور تھی۔ پھر اتنی عقلمند و فرزانہ تھی کہ تمام معاملات پر نظر رکھتی تھی۔ اصابت رائے، علو ہمت، بلند حوصلہ اور تدبیر و حزم میں لاثانی تھی۔

اورنگ زیب جیسے شہنشاہ کی پروردہ نازو نعم بیٹی اور اس درجہ سادہ مزاج کہ زندگی بھر اس نے پُرتکلف اور گرانبہا لباس نہ پہنا۔ اس وقت محلات میں تکلفات اور تجمل و شان کی کوئی انتہا نہ رہی تھی لیکن زینت النساء کو کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ نمود و نمائش اور بے نتیجہ شان و تجمل سے بالطبع نفور تھی بیگمات میں۔ محلات میں۔ سہیلیوں میں، خواصوں میں ہر جگہ وہ سادہ ہی لباس زیب بر رکھتی تھی اور اس کی یہ سادگی اس کی ذات سے گذر کر اس کی معاشرت اور اس کے محل پر بھی چھائی تھی۔ لیکن اس سادگی میں بھی اس کے چہرۂ زیبا سے ایک وقار و شان نمایاں تھی۔ وہ نہایت شائستہ متمدن اور عقیل شہزادی تھی۔ اس کے اوضاع نہایت مہذبانہ اور اس کے اطوار نہایت شریفانہ تھے۔ اس دور کے تمام مورخین نے بیگم کی فراست و دانائی، عقل و فرزانگی۔ تدبر و اصابت رائے فیاضی و سیر چشمی خوش مزاجی اور دینداری اور حسن و جمال کا ذکر بڑے فخر و جوش کے ساتھ کیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی زندگی حیرت انگیز کارناموں سے لبریز ہے۔

اورنگ زیب کی تمام اولاد میں جو تاریخی شہرت زیب النساء اور زینت النساء کو حاصل ہوئی وہ اس کے بیس لڑکے اور لڑکیوں میں کسی کو حاصل نہ ہو سکی۔ یہ دونوں شاہزادیاں اورنگ زیب کی تمام اولاد

اولاد میں مشہور و ممتاز تھیں اور اورنگ زیب خود بھی ان کی اس عظمت و فضیلت کا معترف تھا۔

کارنامہ ہائے زندگی جب ۱۱۱۱ھ میں اسلام پور کی چھاؤنی تیار ہو رہی تھی تو اسی ضمن میں شاہی قیام کے لئے بھی کچھ شاندار عمارت تعمیر کرنے کی تجویز ہوئی۔ یہ کام بہت نازک اور ذمہ دارانہ تھا اور اس میں شہنشاہی ذوق کی رعایت کا چپہ چپہ پر لحاظ رکھنا ضروری تھا۔ بہت غور و خوض کے بعد اورنگ زیب نے یہ خدمت شاہزادی زینت النساء بیگم کو تفویض کی اور اسی کی نگرانی میں اسی کے مشوروں سے یہ عمارات تیار ہوئیں جنہیں اورنگ زیب نے بہت پسند کیا اس سے بھی زیادہ ذمہ داری اور قابلیت کا کام یہ تھا کہ اورنگ زیب کی طویل غیر موجودگی میں جبکہ وہ تقریباً ۱۸ سال دہلی سے دور مرہٹوں اور سلاطین دکن کے مقابلوں اور پھر ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام میں مصروف رہا تو تمام خانہ داری کا انتظام زینت النساء بیگم ہی کے سپرد رہا اور اس نے اسے اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ سب متحیر رہ گئے۔

وہ باپ کے ساتھ تھی ایک جگہ مستقل طور پر بیٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ اس پر اس نے کوئی شکایت پیدا نہ ہونے دی اور باپ کی راحت و آسایش کا پورا خیال رکھا۔ ۱۰۶۵ھ میں جو شاہی جشن منایا گیا ہے اس میں زینت النساء بیگم کو بھی دو لاکھ روپے بطور انعام عطا ہوئے تھے احمد نگر میں پڑاؤ تھا۔ یہیں اورنگ زیب شدت کے ساتھ علیل ہوا تو زینت النساء اس کی تیمارداری و تداوی کے لئے وقف ہو گئی رات رات بھر باپ کے پاس بیٹھی رہتی اس نے اپنا عیش و آرام قول سب بھلا دیا تھا۔ مگر وقت آچکا تھا۔ ۲۸۔ ذی الحجہ ۱۱۱۸ھ ۲۔ مارچ ۱۷۰۷ء کو اس کا انتقال ہو گیا تو زینت النساء کی غم سے وہ حالت تھی

کہ دیکھی نہ جاتی تھی۔

بہادر شاہ اور زینت النسا بیگم اورنگ زیب کے دس بچے پیدا ہوئے چھ تو اس کی زندگی ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ چار بچے۔ معظم، اعظم، کام بخش اور ایک زینت النساء بیگم اس کی وفات کے بعد زندہ رہے جنمیں سے اعظم و کام بخش کا خاتمہ باہمی جنگ میں ہو گیا۔ اور اس کے بعد صرف معظم اور زینت النساء بیگم رہ گئیں۔ زینت النساء بیگم اعظم کی طرفدار تھی اور ان دونوں بھائی بہنوں میں بیحد محبت تھی اسوقت معظم تو دہلی میں بحیثیت نائب السلطنت کام کر رہا تھا۔ اعظم احمد نگر سے چالیس میل کے فاصلہ ہی پر مقیم تھا۔ وہ اطلاع پاتے ہی فوراً احمد نگر آیا اور زینت النساء بیگم کو گوالیار چھوڑ کر دہلی کی طرف لشکر عظیم لیکر چلا۔ ۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۱۱۹ھ کو جاجو پر جو آگرہ اور دھولپور کے قریب واقع ہے معظم اور اعظم کی افواج کا مقابلہ ہوا۔ اعظم بہت دلیر تھا مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا اور مارا گیا۔

اب آپ زینت النسا کی عظمت و خودداری کا یہ حیرت انگیز مشاہدہ فرمائیے کہ معظم تو اسے اعظم کا طرفدار سمجھنے کے باوجود بہن کو مرحوم بھائی کے رشتہ داروں کی معیت میں نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ بلاتا ہے اور وہ جولائی سنہ ۱۷۰۷ء میں آگرہ پہنچتی ہے مگر وہ اسے مبارکباد دینے سے صاف انکار کر دیتی ہے اور کہہ دیتی ہے کہ ابھی اپنے پیارے بھائی کے ماتم میں مصروف ہوں۔ معظم جانتا تھا کہ زینت النسا بیگم کس فضل و کمال اور آن بان کی شہزادی ہے اس لئے وہ اس کے احترام اور دلجوئی پر مجبور ہوتا ہے اور اسکے انکار پر کسی غیض و غضب یا تکدر و برہمی کا اظہار کرنے کی بجائے نہ صرف یہ کہ اس کے سالانہ وظیفہ کی مقدار دوگنی کر دیتا ہے بلکہ اسے بادشاہ بیگم کا خطاب عطا کرتا ہے۔ سنہ ۱۷۰۹ء میں کام بخش بھی معظم کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے اور اب اورنگ زیب کی اولاد میں صرف یہ دونوں بھائی

بہن رہ جاتی ہیں۔ اور معظم جب تک زندہ رہتا ہے بہن کے اعزاز و احترام میں
کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتا۔

ہم واضح کر چکے ہیں کہ بیگم نہایت دریا دل اور
اور رفاہ عام سے عشق فیاض شہزادی تھی اور رفاہ عام کے کاموں
سے اُسے عشق تھا۔ وہ تعمیرات کی بھی بہت دلدادہ واقع ہوئی تھی۔ اس کی آرزو تھی
کہ وہ اپنی ایک ایسی یادگار دنیا پر قائم کر جائے جو صدیوں تک دیکھنے والوں
کے قلوب میں اس کی یاد تازہ کرتی رہے اور اُسے ثواب بھی ملتا رہے
چنانچہ اسی آرزو کی تکمیل میں اس نے ایک شاندار مسجد "زینت المساجد"
کے نام سے کثیر روپیہ خرچ کر کے تعمیر کرائی۔ جو اب تک دریا گنج دہلی میں قائم ہے
اور اپنی محترم اور نیکدل بانیہ کی یاد تازہ کر رہی ہے۔ مرور زمانہ اس مسجد کے
خط و خال میں بہت تغیر پیدا کر چکا ہے اور اس کی وہ رونقیات اب باقی
نہیں ہیں لیکن اس زمانہ میں باعتبار خوشنمائی و شان یہ مسجد بہت مشہور تھی
اور جو دیکھتا تھا اس کی طبیعت اس سے سیر نہ ہوتی تھی۔ اب محکمہ آثار
قدیمہ نے اسے اپنی زیر نگرانی لے لیا ہے اور اس کی مرمت کرائی ہے۔ بلکہ
اور زمانہ کے ناقدر ہاتھوں میں آنے پر بھی اس کی عظمت و شان جوں
کی توں باقی ہے۔

غدر ۵۷ء کے بعد اس مسجد کی حالت میں نمایاں تغیر ہوا اس لئے
کہ جہاں یہ مسجد قائم تھی وہاں آبادی ہی نہ رہی اور کچھ عرصہ تک یہ خانہ کا
گودام بنی رہی اور غدر کی تباہیاں اس پر بُری طرح اثر انداز ہونے لگیں
لیکن اب یہاں آبادی شروع ہو گئی ہے اور اس میں نماز بھی ہو جاتی ہے۔
یہ روایت بالکل غلط ہے کہ زینت النسا بیگم نے اورنگ زیب
سے اپنے جہیز کے نام سے روپیہ حاصل کر کے یہ مسجد بنوائی۔ ان لوگوں کو
یہ علم و احساس نہیں کہ وہ پھر شہزادی تھی۔ اسے مستقل وظیفہ کے علاوہ

لاکھوں روپیہ انعام کے طور پر بھی ملتا رہتا تھا۔ اور یہ روپیہ اس کی فیاضیوں کی بدولت اس کے پاس نہ بھی رہا ہو۔ پھر بھی وہ آخر باپ کی لاڈلی بیٹی اور بہادر شاہ کی عزیز بہن تھی۔ اور کوئی بھی اسے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے روپیہ دینے سے انکار نہ کر سکتا تھا۔ یہ بھی غلط ہے کہ اس کی شادی اورنگ شاہ والی ترکستان سے ہو گئی تھی۔ اول تو اسے اپنی مذہبی مشغولیتوں کی وجہ سے ادھر توجہ ہی نہ تھی۔ پھر اس کا بہت سا زمانہ اورنگ زیب کے ساتھ دکن کی مہمات پر گذرا اور اس کی شادی نہ ہو سکی۔ پھر "زینت المساجد" اس زمانہ میں اور آج بھی "کنواری مسجد" کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر کنواری رہی۔

سنہ وفات میں اختلاف

سب سے زیادہ مختلف فیہ مسئلہ اس کی تاریخ وفات کا مسئلہ ہے اور اس میں سب سے زیادہ الجھن کتبہ کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے جو "زینت المساجد" میں اس کی قبر پر نصب ہے کیونکہ اس پر سنہ وفات ۱۱۲۲ھ مرقوم ہے۔ اور اسی بنا پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس کا انتقال ۱۱۲۲ھ میں (۱۷۱۰ء یا ۱۷۱۱ء) میں ہوا۔ مآثر عالمگیری جو اس عہد کی ایک مستند تاریخ ہے اس کے مطبوعہ نسخے کے صفحہ ۵۰۹ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تاریخ ۱۱۲۲ھ میں مکمل ہو گئی تھی۔ لیکن اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اسوقت تک زندہ تھی۔ اس کتبہ قبر نے بڑے بڑے مورخین کو اس غلطی میں مبتلا کر دیا کہ بیگم کا سنہ وفات ۱۱۲۲ھ یا ۱۷۱۰ء ہے۔

"بیل" نے "اورینٹل جیوگرافیکل ڈکشنری" کے صفحہ ۳۸۸ پر صاف لکھا ہے کہ بیگم نے ۱۱۲۲ھ (۱۷۱۰ء) میں انتقال کیا۔ غالباً اسی کو ماخذ قرار دیکر "فرانکلین" نے اپنی کتاب "شاہ عالم" کے صفحہ ۲۰۷ پر یہی سنہ لکھا ہے۔ پھر "ڈبلیو تھارنٹن" نے اپنی تصنیف "یادگار گزٹیر ہندوستان" مطبوعہ

لندن ۱۸۸۵ء میں بھی بیگم کا سنہ وفات ۱۷۱۰ء ہی لکھا۔ اسٹینلی پول
نے اتنی جدت کی کہ اس نے اپنی تصنیف "اورنگ زیب" سلسلۂ
حکمرانان ہند کے صفحہ ۱۲۱ پر ایک شجرہ دیا اور اس میں صاف طور پر لکھدیا
کہ زینت النساء بیگم نے ۱۷۱۰ء اور ۱۱۲۲ھ کے مابین انتقال کیا۔ اور
تو اور خود سر سید احمد خاں نے اپنی مایۂ ناز تصنیف "آثار الصنادید" کے
صفحہ ۷۶ پر یہی سنہ لکھا ہے۔ اور طامس بیل نے اپنی کتاب "مفتاح التواریخ"
مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۶ء کے صفحہ ۳۹ پر ۱۱۲۲ھ ہی کو سنہ وفات بتایا ہے۔
جب مزار کا کتبہ یہی بتا رہا ہو۔ سر سید احمد خاں یہی لکھ رہے ہوں
اور مذکورہ بالا تمام محقق مورخین کی یہی رائے ہو تو پھر کسے جرأت ہو سکتی
ہے کہ وہ اس سنہ وفات کو غلط بتا سکے اور یہی وجہ ہے کہ قریب قریب
اب یہ مسلمہ امر ہو گیا ہے کہ زینت النساء بیگم نے ۱۱۲۲ھ ہی میں انتقال کیا۔
لیکن ایک طرف تو اتنے مسلم مورخین
مورخین کی غلط نگاری کا راز کسی تحقیقات ہی بتا رہی ہیں یا کتبہ
مزار ہے اور دوسری طرف یہ ثبوت موجود ہے کہ زینت النساء بیگم فرخ سیر
کے زمانہ تک موجود ہے کہ زینت النساء بیگم فرخ سیر کے زمانہ تک زندہ
موجود تھی۔ اب اگر کتبہ صحیح ہے اور مذکورہ بالا مورخین کی تحقیقات پر
اعتماد کیا جاتا ہے تو کوئی ہمیں بتا دے کہ وہ فرخ سیر کے زمانہ میں کیا آسمان
سے دوسرا جنم لیکر اتر آئی تھی۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کوئی اور شاہزادی
تھی جسکا نام بھی اتفاق سے زینت النساء بیگم ہی واقع ہوا تھا کیونکہ
"جہاندار شاہ" کے سوانح حیات میں صاف اور غیر مشتبہ حالات میں یہ
مرقوم ہے کہ اس نے اپنی پھوپھی بادشاہ بیگم سے لڑائی مول لی۔ اور اسکی
ضیافت میں شرکت سے محض اس بنا پر انکار کر دیا کہ اس نے لال کنور
کو مدعو نہیں کیا تھا۔ یہ لال کنور ایک حسین بازاری رنڈی تھی جسے جہاندار شاہ

نے اپنی محبوبۂ خاص کا رتبہ بخش رکھا تھا اور زینت النساء بیگم اپنے بھتیجے کی اس حرکت سے بیزار تھی۔ اسی لئے اس نے اُسے ایک بھی تقریب ضیافت میں نہ بلایا تھا۔

جہاندار شاہ نے ۲۱ صفر ۱۱۲۴ھ سے لیکر ۱۳۔ ذی الحجہ ۱۱۲۴ھ مطابق ۲۹۔ مارچ ۱۷۱۲ء تا ۱۰۔ جنوری ۱۷۱۳ء نو ماہ سے کچھ زیادہ مدت حکومت کی (تاریخ دکن مصنفہ اسکاٹ جلد دوم صفحہ ۸۲) جہاندار شاہ کے بعد فرخ سیر تخت نشین ہوا اور وہ ۳۱ محرم ۱۱۲۵ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۷۱۳ء کو اپنی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے بعد بادشاہ بیگم سے ملاقات کرنے کے لئے گیا۔ اور اسی ملاقات میں بیگم نے اس سے شکایت کی کہ اس نے جہاندار شاہ کے وزیر ذوالفقار خاں کو بلا وجہ قتل کرایا۔ جس پر فرخ سیر نے جواب دیا کہ میں نے تو یہ کام آپ ہی کی تحریر پر کیا ہے اور تحریر بھی پیش کر دی جس میں صاف لکھا تھا کہ ذوالفقار خاں کو قتل کر دو۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ بیگم نے تو اس کی جان بخشی کے لئے لکھا تھا۔ لیکن ذوالفقار خاں کے دشمن سعید اللہ خاں نے اصل خط چھپا کر ایک جعلی خط پیش کر دیا۔ اسی انکشاف پر سعید اللہ خاں معروف بہ وزارت خاں کو قتل کرایا گیا۔ (تذکرہ سلاطین چغتائیہ مصنفہ کمور خاں)

زینت النساء بیگم کا انتقال اور سنئیے سی آر ولسن کی تصنیف "بنگال میں انگریزوں کے ابتدائی کارنامے" کی جلد دوم صفحہ ۱۴۳ پر لکھا ہے کہ "جولائی ۱۷۱۳ء مطابق رجب ۱۱۲۵ھ میں نظیر خاں خواجہ سرا کے توسط سے بادشاہ بیگم دختر عالمگیر کی حضور میں حاضر ہونے کی خدمت حاصل کی کس نے؟ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سفیر متعینہ دربار دہلی نے جسکا اور ثبوت جان سرمن کے مکتوبات میں بھی ملتا ہے۔

شو داس "منور قلم"، لکھتا ہے کہ ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۱ء میں محمد شاہ نے اپنی تخت نشینی کے تیسرے سال میں اپنی عادت کے مطابق زینت النساء بیگم کی وفات پر اس کی مال و جائداد پر قبضہ جمالیا۔ جو ایک سنہری کلس۔ ایک عدد ہاتھی۔ ایک چدھل اور ایک موتیوں کی چادر پر مشتمل تھی۔ یہ سب چیزیں مہر النساء موصوفہ بہ مہر پرور شاہ عالم بہادر شاہ کی ایک بیوی کو دیے جانے کی منظوری دی۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ بھی اب تک برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ اس سے بھی معاملہ صاف ہوتا نظر نہ آئے تو آپ ایک مشہور نقاد و مورخ مرزا محمد کی تاریخ محمدی پڑھیں جس میں لکھا ہے کہ زینت النساء بیگم دختر عالمگیر نے ۲۲۔ رجب ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۷۲۱ء بعمر ۸۰ سال دہلی میں انتقال کیا۔ اب یہ بالکل واضح ہو گیا کہ بیگم نے ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا۔ مقبرہ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس پر جو سنہ مرقوم ہے وہ تیاری مسجد و قبر کا سنہ ہے۔ مرنے کے بعد کسی نے اس سے تبدیل کی سعی نہیں کی۔ بہر کیف زینت النساء بیگم اپنے عہد کی ایک نہایت حسین مہ وش بیگم تھا۔ عابدہ، روزگار اور پاکدامن شہزادی تھی۔ جس نے بہت طویل عمر پائی۔

نازنینانِ اودھ

صدر جہاں بیگم

پیدائش و خاندانی حالات ۱۱۰۸ھ میں امیر محمد نصیر تلاش روزگار ایران سے چلکر وارد ہندوستان ہوا

اُن کے بڑے صاحبزادے بھی اُن کے ساتھ تھے لیکن اُن کے چھوٹے بیٹے محمد امین کی شادی چونکہ ایران ہی میں ہو گئی تھی اور بیوی اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اس لئے وہ سسرال ہی میں رہ گئے محمد امین کی بیوی بڑی فہیم اور سنجیدہ عورت تھی۔ اسے یہ چیز ناگوار اور باعث ذلت نظر آتی تھی کہ اس کا شوہر سسرال میں پڑا رہے۔ اس لئے اس نے ایک روز موقع پا کر شوہر سے کہا کہ گو میرے والدین کی منشا یہی ہے مگر مجھے تو یہ ذلت گوارا نہیں کہ ہم خود کو ان پر منحصر سمجھیں۔ ہمیں تو ہندوستان ہی چلا جانا چاہئے تھا۔ محمد امین کے دل کو لگ گئی۔ بات بھی معقول اور طبیعت بھی غیور۔ دوسرے ہی دن رخت سفر باندھا اور اپنی بیوی خدیجہ بیگم اور اپنی کمسن لڑکی صدر جہاں بیگم کو ساتھ لیکر عازم ہندوستان ہوئے مورخین لکھتے ہیں کہ یہ خاندان سنہ ۱۱۲ھ میں ہندوستان پہنچا۔

ہندوستان پہنچکر میر محمد امین کو معاش کی فکر ہوئی۔ گھر سے نکلے ہی اس غرض سے تھے۔ دہلی پہنچے اور پہنچتے ہی شاہی جاگیر کا ٹھیکہ لے لیا۔ میر صاحب نے اس کام کو اس خوبی و عمدگی کے ساتھ انجام دیا کہ بادشاہ اُن کی لیاقت و کارگزاری اور دیانت و محنت سے بہت خوش ہوا۔ الطاف شاہانہ کے مینہ برسنے لگے پھر تو یہ عالت تھی کہ ترقی کو پر لگ گئے۔ اور دربار میں ہفت ہزاری منصب حاصل ہو گیا۔ اور اسکے کچھ ہی عرصہ بعد برہان الملک کا خطاب بھی مل گیا۔ جب سلطنت میں انتشار و اختلال پیدا ہوئے تو امیر محمد امین فیض آباد چلے آئے۔ جو اسوقت عروس البلاد بنا ہوا تھا۔ انہوں نے گھاٹی میں قیام کیا۔ یہیں ایک مسجد تعمیر کی اور ایک خوبصورت عظیم الشان محل بنوایا۔ جو اب گلاب باڑی کے نام سے مشہور ہے۔

حسن جہاں اور صدر جہاں [illegible] صدر جہاں بیگم سے برہان الملک

کو بیحد محبت تھی۔ اس نے اسے بڑے ناز و نعم سے پرورش کیا تھا۔ اس نے اسی وقت سے جبکہ صدر جہاں چار برس کی ہوئی اسے پڑھانا اور تعلیم دینا شروع کر دیا تھا۔ بچی بیحد ذہین اور ہوشیار سات برس کے اندر ہی صدر جہاں جملہ علوم و فنون میں طاق ہو گئی اور عربی و فارسی۔ ریاضی و ہیئت اور تفسیر و حدیث میں کمال پیدا کر لیا شعر بھی خوب کہنے لگی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد اس کے اوقات عزیز مطالعہ ہی میں گذرنے لگے۔ قابل ماں کی بیٹی ممکن نہ تھا کہ قابل نہ ہوتی۔ رفتہ رفتہ بڑے بڑے خاندانوں میں اس کے علم و فضل اور لیاقت و دانائی کا شہرہ ہو گیا۔ تربیت بھی اعلیٰ ملی تھی اس لئے اس کی سیرت بھی بہت بلند ہو گئی تھی اور اخلاق بھی پاکیزہ تھے۔ رہا حسن و جمال تو آخر وہ ایک ایرانی خاندان کی چشم و چراغ تھی۔ اور جادو نظری اور رعنائی جمال میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔

اسکا شباب حقیقت میں قیامت کا شباب تھا۔ اب ماں باپ کو اس کی شادی کی فکر ہوئی۔ چونکہ صدر جہاں نے کمسنی میں ایک خواب دیکھا تھا جو ہر وقت ماں باپ کے پیش نظر تھا۔ اس نے ایک شب کے آخری حصہ میں دیکھا کہ ایک چاند ہے جو اس کے بطن سے نکلکر بلند ہو گیا ہے اور رفتہ رفتہ اتنا بلند و روشن ہو گیا ہے کہ لوگ اس کی روشنی میں کام کاج کر رہے ہیں اور بہت خوش و خرم ہیں۔ اس نے صبح ہی صبح اٹھکر یہ خواب والدین سے بیان کیا۔ جب یہ خواب منجم سے بیان کیا گیا تو انہوں نے تعبیر کی کہ اس لڑکی کے بطن سے ایک بلند بخت لڑکا پیدا ہوگا جو باون ہزاری منصب پر فائز ہو کر اودھ کی وزارت حاصل کرے گا اور پھر اسی کی اولاد اودھ پر بادشاہی کرے گی۔ آخر بہت سوچ سمجھکر میر محمد امین نے اپنے بھانجے مرزا محمد مقیم کے

ساتھ صدر جہاں کی شادی کر دی۔

عقل و دانائی میر محمد امین کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی۔ اس لئے وہ محمد مقیم سے بہت محبت کرتے اور اولاد سمجھنے لگے اور انہیں ایک معزز عہدہ دلا کر بادشاہ سے نواب صفدر جنگ کا خطاب بھی دلوا دیا۔

نواب صفدر جنگ کو صدر جہاں سے محبت نہیں عشق تھا۔ بیوی سے بے حد محبت کرتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ صدر جہاں اس کی اہل بھی تھی جیسے سسرال سے بڑی بیگم کا خطاب بھی مل چکا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہوئی کہ صفدر جنگ نے سب کچھ اپنی لائق اور کل اندام بیوی کے سپرد کر دیا۔ اور بالکل اسی کے مشوروں کے مطابق عمل کرنے لگے۔ تمام نازک سے نازک اور پیچیدہ معاملات میں وہ بیگم سے رائے لیتے۔ اور یہ جو رائے دیتی وہ صائب اور نتیجہ خیز بھی ہوتی۔ ملازموں کا عزل و نصب بھی اسی کے اختیار میں تھا جسے چاہتی رکھتی اور جسے چاہتی نکالتی۔ صفدر جنگ نے جو کامیابی اور رتبہ حاصل کیا وہ بیگم ہی کے مشوروں اور بتائی ہوئی تدابیر کا کرشمہ تھا۔ صفدر جنگ کا تو نام ہی نام تھا ورنہ اودھ پر اصلاً حکمرانی صدر جہاں ہی کر رہی تھی اور اس کے انتظام و جہانبانی سے اودھ روز افزوں مراحل ارتقا بھی طے کر رہا تھا۔ ایک مدت کے بعد اس کے بطن سے وہی لڑکا پیدا ہوا جس کی بشارت اسے خواب میں ملی تھی اور جس کا نام شجاع الدولہ تھا۔ جب عمایانے صفدر جنگ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے تو حالات بہت نازک صورت اختیار کر چکے تھے لیکن بیگم نے اس تدبر و دانائی سے کام لیا کہ باغی خود ہی بیٹھ رہے۔ اس سے صفدر جنگ کے دل میں اس کی عزت اور بڑھ گئی۔

سیرت و اخلاق بیگم نے شجاع الدولہ کی تربیت اس نہج پر

پر کی تھی کہ وہ بھی آگے چلکر نہایت کامیاب حکمران ثابت ہوئے۔ اس بیٹے کی شادی بھی بہو بیگم کے ساتھ اس دھوم دھام اور تزک و احتشام کے ساتھ کی تھی کہ دہلی میں آجتک اس کے افسانے مشہور ہیں۔ جس میں کروڑوں روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس محترم اور نیک نام خاتون کے حالات بھی ہم اس کتاب میں لکھ چکے ہیں۔

صفدر جنگ کے مرنے کے بعد بھی بیگم کا وہی اقتدار رہا۔ نازبردار شوہر تو ضرور مرچکا تھا۔ مگر فرمانبردار بیٹا تو موجود تھا جو اس کے خواب کی تعبیر کے مطابق ایک زبردست حکمران خاندان کا بانی ہوا۔ شجاع الدولہ بھی ماں کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اُٹھاتا تھا۔ اور اس نے بھی اسے پورے اختیار عطا کر رکھے تھے کسی امیر کی مجال نہ تھی کہ وہ بیگم کے احکام کی خلاف ورزی کر سکے۔ بیگم نے اپنے پوتے آصف الدولہ کے پیدا ہونے پر بھی بڑا جشن منایا تھا اور لاکھوں روپیہ خیرات کیا تھا۔ ایک بڑی عمر پاکر اسکا انتقال ہوگیا۔ اور یہ فیض آباد ہی میں گلاب باڑی میں دفن ہوئی اور شجاع الدولہ نے اسکا مقبرہ بنوایا جو اب تک موجود ہے۔ صدر جہاں بیگم حقیقت یہ ہے کہ حسن و جمال جود و سخا اقتدار و عظمت اور عقل و دانائی میں بے ہمتا خاتون گزری ہے اور تاریخ میں اس نیکدل اور مقتدر بیگم کا نام ممتاز جگہ لکھا ہوا ہے۔

اودھ کی اولوالعزم ملکہ

خاندانی حالات اور تعلیم و تربیت بہو بیگم کے باپ کا نام محمد اسحق خان ہے۔ ابتداء میں ایک معمولی ملازم تھے لیکن اپنی لیاقت و دانائی سے ترقی کرکے سلطان محمد شاہ کے دربار میں ممتاز حیثیت حاصل کرلی۔ تو مؤتمن الدولہ کا خطاب پایا۔ وزارت عظمیٰ کے بعد دیوانی خالصہ

جو سب سے بڑا عہدہ تھا اس پر فائز ہو گئے اور ہر طرف ان کا طوطی بولنے لگا نواب کا خطاب بھی مل گیا۔ اسی زمانہ میں بہو بیگم پیدا ہوئی۔ امتہ الزہرا نام رکھا گیا۔ بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ چونکہ نہایت سُرخ و سفید اور پیاری بچی تھی۔ اس لئے باپ اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ حتیٰ کہ دربار میں ساتھ لیجاتا تھا۔ سلطان محمد شاہ کو بھی یہ بہت پیاری معلوم ہوتی تھی۔ وہ بھی اسے گود میں لیکر دیر تک کھلاتا رہتا تھا۔ اس کی تمام تربیت سلطنت ہی کے سائے میں ہوئی۔ محلوں ہی میں پلی شاہزادیوں ہی کے ساتھ کھیلکر جوان ہوئی (تاریخ محمد شاہی)۔ ابوالمنصور صفدر جنگ ایک اور درباری امیر تھے جنہیں نواب مؤتمن الدولہ سے بہت محبت تھی۔ اتنی کہ دونوں میں برادرانہ تعلقات تھے یہ اُسی محبت و دوستی کا ثمرہ تھا کہ ابوالمنصور نواب وزیر کے بیٹے شجاع الدولہ کے ساتھ بہو بیگم کی نسبت بچپن ہی میں کر دی گئی۔

نواب مؤتمن الدولہ کی قسمت میں بیٹی کی خوشی دیکھنی نہ تھی اسکا انتقال ہو گیا اور بہو بیگم اپنے بھائی نجم الدولہ کی زیر تربیت آ گئی جنہوں نے ۱۱۵۹ھ ۱۷۴۶ء میں اس کی شادی کر دی۔ یہ بیگم آخر سلطنت کے سایہ میں پل رہی تھی اس لئے اس کی تعلیم پر بھی خاص توجہ مرکوز کی گئی۔ چونکہ بہو بیگم کو قدرت سے ذہن رسا عطا ہوا تھا۔ اس لئے بلوغ سے پیشتر ہی اس نے عربی فارسی۔ ریاضی منطق۔ تفسیر۔ حدیث اور شعر و شاعری میں کمال پیدا کر لیا۔

شادی کی دھوم دھام بہو بیگم آخر دیوان خالصہ کی چشم و چراغ اور پروردہ سلطنت تھی۔ اس کی شادی میں جتنی بھی دھوم دھام ہوتی اور جس قدر تزک و احتشام کا بھی اظہار کیا جاتا کم تھا۔ دونوں طرف دولت کے انبار لگے ہوئے تھے۔ دونوں طرف ارمانوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ پھر شادی

اور اس پریچہال دوشیزہ کی شادی جس سے خود سلطان کو انتہائی محبت تھی۔ خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا گیا۔ خوب دولت لٹائی گئی۔ خوب ارمان نکالے گئے۔ سلطان نے بہو بیگم کو گرانقدر جہیز دیا۔ اس جہیز میں اکیس ہزار پیالے تو خالص چاندی کے تھے جن میں سے ہر ایک کا وزن سوا تولہ تھا۔ گھر سے بھی لاکھوں روپیہ کا جہیز ملا۔ سلطان نے صرف جہیز میں قیمتی سامان دینے ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ نو لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی بہو بیگم کو اپنی طرف سے دی جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سلطان کو اس سے کس درجہ محبت تھی اور وہ اسے اپنی بیٹی سے کسی طرح کم نہ سمجھتا تھا۔

شادی کے جشن اس شان وشکوہ کے ساتھ منائے گئے کہ دہلی میں اس تقریب کے بعد پھر تمول و ثروت کا ایسا نظارہ آج تک نظر آیا۔ کئی روز تک پوری دہلی دلہن بنی رہی تمام دکانیں اور بازار سجے ہوئے تھے ساری سڑکوں پر مخملیں فرش تھا۔ درختوں تک پر دیبا اور حریر لپیٹ دیا گیا تھا روزانہ جلوس نکلتے تھے۔ دونوں وقت ایک ہفتہ برابر ضیافت عام رہی اور پوری دہلی میں کسی ہندو یا مسلمان کے گھر میں کھانا نہیں پکا۔ ہر روز جلوس نکلتے۔ رقص و سرود کی محفلیں ہوتیں۔ کوچہ بکوچہ۔ گلی بہ گلی سڑک بسڑک بزم ہائے سرود منعقد ہوتی رہیں۔ ہر رات کو رات رات بھر آتش بازیاں چھوٹتی رہیں۔ دلہن کو جو زیورات اور زر و جواہر ملے اُن کا کوئی حصر و شمار نہیں۔ پورے سات روز تک یہی جشن رہا اور دہلی کی فضا نغموں سے لبریز ہوگئی۔ (تاریخ فرخ بخش) مستند تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس تقریب پر کل دو کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ جو اس زمانہ کے دس کروڑ سے کسی طرح کم نہیں

اس طنطنہ و طمطراق اور شادی ہر حیثیت میاں بیوی کی عاشقانہ محبت نے بہو بیگم کو مغرور بنا دیا تھا۔ باوجود اس کے کہ سلطان وقت اُسے اپنی بیٹی سمجھتا تھا۔ نو لاکھ

روپے سالانہ کی جاگیر اسی کی تھی اور اسی کے نام تھی حسن و جمال اور گلعذاری و کافر ماجرائی میں نظیر نہ رکھتی تھی اور شجاع الدولہ کی کوئی بیوی اس کے برابر حسین نہ تھی۔ شوہر بھی اس کا عاشق اس کے شمع رخسار کا پروانہ تھا اور نہ صرف یہ بلکہ وہ اسکا ادب بھی کرتا تھا۔ وہ شوہر کی سچی ہمدرد و غمگسار تھی۔ اس کی خیر خواہی و جاں نثاری۔ شرافت و نیکدلی علم و فضل۔ دانائی و فراست اور حسن و جمال نے شجاع الدولہ کو بالکل اس کے قابو میں دیدیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سارے محل میں جو بات اسکی تھی وہ اور کسی کی نہ تھی۔ وہ کسی بیگم کا نام تک بہو بیگم کے سامنے نہ لیتا تھا۔ اسی کا دم بھرتا تھا۔ دوسرے محلوں میں جاتا بھی تھا تو خفیہ طریق پر۔ اسی لئے ان محلوں کا نام چور محل پڑ گیا تھا۔ جو تحائف اور نذرانے اُسے ملتے وہ بہو بیگم کے سامنے ہی لاکر رکھتا۔ جتنے جواہرات اس کے پاس آئے اور اُسے ملے وہ بھی اس نے سب بہو بیگم ہی کو دے۔

دونوں وقت بہو بیگم ہی کے ساتھ بیٹھکر خاصہ تناول کرتا تھا۔ جو وہ کہتی تھی شجاع الدولہ کرتا تھا۔ جب ۱۱۶۸ھ میں شجاع الدولہ سلطنت اودھ کے تخت پر متمکن ہوا تو اس نے خود بھی ضلع گونڈہ میں ایک زرخیز جاگیر بہو بیگم کے حوالہ کر دی۔ مہر سلطنت بھی اُسے دیدی کہ وہ جو احکام چاہے اس مہر کو ثبت کرکے جاری کر سکے۔ اب وہ ملکہ تھی اور ملکہ بھی جو سیاہ وسفید کی مالک تھی جس کے ہاتھ میں بادشاہ کا دل تھا۔ سلطنت ہند میں جو حیثیت نورجہاں بیگم کی تھی سلطنت اودھ میں وہی حیثیت بہو بیگم کو حاصل تھی۔ اور ملک میں اسی کا طوطی بولتا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بہو بیگم اس کی اہل بھی تھی۔ وہ خود بھی شجاع الدولہ کی خوشی کا بہت خیال رکھتی تھی۔ اور اس کی فدا کار ملکہ تھی تم بیگم کی عدیم المثال جاں نثاری۔ دس برس پر شکوہ اور کامیاب

سلطنت کرنے کے بعد ۱۷۶۴ء میں بمقام بکسر انگریزوں سے تصادم
ہوگیا جسمیں محض بربنائے اتفاق شجاع الدولہ کو شکست ہوگئی۔
حالانکہ اسکا اسوقت کوئی بعید امکان بھی نہ تھا۔ اس وقت کی پالیسی کے
مطابق انگریزوں نے محض اس خیال سے چالیس لاکھ کی خطیر رقم
شجاع الدولہ سے طلب کی کہ وہ یہ رقم ادا نہ کرسکے گا اور ہم زور ڈالکر
اس سے سوگنی قیمت کے چند زرخیز اضلاع اپنے قبضہ میں لے لیں گے
اور اس وقت تک وہ یہی کرتے بھی رہے تھے۔ شجاع الدولہ بھی اس
راز کو سمجھتے تھے۔ اسی لیے پریشان تھے۔ انہوں نے بہت سعی کی۔
انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے احباب اور رفقا تک سے مدد چاہی
مگر کام نہ چلا۔ بیگم کو جو معلوم ہوا تو اس نے نہایت جاں نثارانہ لہجہ میں
کہا کہ میں کس کی ہوں اور یہ دولت کس کی ہے۔ آپ نہ گھبرائیں
اور جواہرات و زیورات فروخت کرکے روپیہ ادا کردیں۔ چنانچہ بیگم
نے ناک کی لونگ تک بھی اتار کر سامنے رکھدی۔

بیگم کے مشیروں نے بہت روکا۔ مگر اس نے یہی کہا کہ میرا سب کچھ
نواب صاحب کے آرام کے لئے وقف ہے۔ بیگم کی اس جانثاری نے نہ صرف
درباریوں بلکہ انگریزوں تک کو متحیر کردیا اور ریزیڈنٹ لکھنؤ کپتان
جے۔ بیل نے اسے ایک تعجب انگیز واقعہ سمجھکر اس کی اطلاع لندن
بورڈ کو بھی دی اور بیگم کی جاں نثاری کی بہت تعریف کی۔ نیز صاف
الفاظ میں یہ بھی تحریر کردیا کہ "اس وقت بیگم ہی نے نواب صاحب
کو بچالیا۔ ورنہ وہ ہرگز اتنا روپیہ فراہم نہ کرسکتے تھے"۔

واقعی اس جاں نثاری اور فدائیت کی مثالیں دنیا میں
بہت کم ہیں۔ شجاع الدولہ کے اور بھی بیگمات تھیں۔ مگر کسی نے
کوئی قربانی نہ کی۔ یہ تو بیگم نے یہ کیا کہ اور بھی جو ضرورت ہو

مجھ سے لیتے رہئے اور تنگی ہو تو میرے وظیفہ اور زرِ ذخیرہ میں بھی کمی کر دیجئے۔ خود شجاع الدولہ کی یہ حالت تھی کہ وہ بیگم کا یہ ایثار دیکھکر جھومنے لگا۔ اس کی محبت میں دیوانہ ہو گیا۔ اور جب تک زندہ رہا اسکا بندۂ بے دام بنا رہا۔

شوہر کا انتقال اور بیٹے سے کشمکش

غربا اور غیر مستطیع لوگ سمجھتے ہیں کہ درد و غم صرف انہی کے لئے ہے اور تشویش و فکر انہی کے حصہ میں آتی ہے۔ لیکن نہیں ان چیزوں میں امراء برابر کے شریک ہیں۔ بیگم کی زندگی انتہائی عیش و مسرت کے ساتھ گذر رہی تھی کہ ۱۷۷۵ء میں شوہر کے انتقال نے اسے ایک پیکرِ غم بنا دیا۔ وہ ملکہ تھی اس کے پاس بےشمار دولت تھی۔ ایک زرخیز شاہی جاگیر اس کے پاس تھی۔ کسی کی دست نگری نہ تھی۔ تاہم محبوب شوہر کا انتقال ہی کیا کم تھا۔ یہ رنج ہی کیا تھوڑا تھا کہ اس کا ناز بردار دنیا سے اٹھ گیا۔ وہ روئی اور خوب دل کھولکر روئی اور جب تک زندہ رہی شجاع الدولہ کی مفارقت دائمی کا غم اس کے دل سے نہ گیا اور ایکروز بھی ایسا نہ گذرا کہ اس کی آنکھ اشکِ غم میں نم نہ ہوئی ہو۔

آصف الدولہ کے رویہ نے اس کے قلب کو اور چکنا چور کر دیا بیٹا اور صاحبِ تخت و تاج بیٹا ماں کے لئے جسقدر بھی باعثِ تقویت ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ مگر نہیں یہ بیگم کے غم و الم کو اور بڑھانے کا باعث بن گیا۔ اور اس کی وجہ سے وہ گوناگوں مصائب کی آماجگاہ بنکر رہ گئی۔ آصف الدولہ ایک لاابالی فرمانروا۔ بلا کا فیاض عقبیٰ کا سیر چشم۔ گداؤں کی جھولیاں زر و جواہر سے بھرنے والا کسی سائل کو مایوس نہ پھیرنے والا جس روز کسی کو کچھ نہ دے اس روز چین نہ پڑے۔ کروروں روپیہ بانٹ دیا۔ اور فیض آباد

ولکھنو میں آل برامکہ کی روایتیں زندہ کردیں۔ اودھ کا خزانہ اس کی فیاضیوں کا متکفل کیا ہو سکتا تھا۔ خزانہ خالی ہونے پر ماں سے لے لیکر یا نٹتا رہا۔ مگر جب بیگم نے اس کے "ہل من مزید" کے نعرے دیکھ کر اور پریشان ہو کر ہاتھ روکا تو اس کے دل میں گرہ پڑ گئی اور یہ فیض آباد چھوڑ کر لکھنو آ گیا۔

بیگم کے محلات کی لوٹ وارن ہیسٹنگز اس وقت گورنر جنرل تھے اور یہ حضرت انگریزی روایات کے خلاف نہایت جابر و حریص واقع ہوئے تھے انہیں جو علم ہوا کہ بیگم نہایت منتظم ہے اور اس کے پاس دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں تو انہوں نے آصف الدولہ کے پیچھے کچھ لوگ لگا دیئے جنہوں نے آصف الدولہ کو سمجھایا کہ تم ضرورت مند ہو۔ ماں تمہیں دیتی نہیں۔ اس کا انکار تمہاری انتہائی توہین تھی۔ تم انگریزوں سے معاہدہ محبت استوار کر کے بیگم پر ہلہ بولدو اور بیشمار دولت پر قبضہ کر لو۔ آصف الدولہ کو بھی روپیہ کی ضرورت تھی اور گورنر جنرل کو بھی۔ آصف الدولہ کے دل میں ماں کی طرف سے رنج تو تھا ہی فوراً آمادہ ہو گیا اور شدت رنج و عداوت میں نشیب و فراز کچھ نہ سوچا۔

لطف دیکھیے کہ چنار میں انگریزوں سے معاہدہ کیا ہوتا ہے کہ آصف الدولہ (۷۵) لاکھ روپیہ انگریزوں کو ادا کرے جس کے عوض میں وہ اس کی ماں سے استحقاق اسے دلائیں گے اور اس کی حمایت میں انکی فوجیں بیگم کی تمام دولت پر قبضہ کر کے وہ اس کے حوالے کر دیں گی۔ آصف الدولہ نے (۵۵) لاکھ تو ۱۷۸۱ء میں چنار ہی کے اندر دیدیا۔ اور بیس لاکھ روپیہ جلد ادا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ اسی وقت وارن ہیسٹنگز نے بہو بیگم اور نواب بیگم دونوں کی زخیرہ

وزیر ریز جاگیروں کی ضبطی کا حکم آصف الدولہ کے حوالے کیا اور لکھا کہ بیگمات مذکورہ چونکہ شجاع الدولہ کے مرنے پر اس کی تمام دولت پر قابض ہو گئی ہیں اور اولاد کا حق غصب کئے بیٹھی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ ان کی حق رسی کی جائے۔ حق رسی کی یہ کتنی شاندار صورت تھی کہ (۷۵) لاکھ اپنے لئے وقف کرالیا۔

آصف الدولہ کو پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ پچپن لاکھ روپیہ مفت میں ہاتھ سے نکل گیا۔ اور بدنامی نفع میں رہی۔ چنانچہ آصف الدولہ خاموش ہو گیا۔ اور اس نے کوئی اقدام ضروری نہ سمجھا۔

مگر غضب دیکھئے کہ اب بیس لاکھ کا تقاضا شروع ہوا۔ اور آخر میں یہ دھمکی بھی دیدی گئی کہ اگر روپیہ نہ دیا گیا تو ریزیڈنٹ کو واپس بلا کر تعلقات منقطع کر دئیے جائیں گے اور جنگ شروع کر دی جائے گی۔ مجبور ہو کر آصف الدولہ بیگمات کی جاگیروں کی طرف بڑھا اور ۱۷۸۳ء میں دونوں فوجوں نے فیض آباد پہنچکر ہلہ بول دیا۔ بیگم کی سپاہ خوب لڑی۔ مگر تاب کے۔ آخر انگریزی افواج محلات میں بیٹے کو ماں سے حق دلانے کے بہانے گھس گئیں۔ خوب لوٹا۔ کچھ ہو اس طرح وارن ہیسٹنگز کے ہاتھ تو مفت میں (۷۵) لاکھ روپیہ آ گیا اور آصف الدولہ کو تھوڑی سی رقم ملی اور رسوائی کا داغ ہمیشہ کے لئے اس کی پیشانی پر رہ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس لوٹ میں بیگم بہت تباہ ہوئی اور اسے سخت رنج پہنچا۔

سعادت علیخاں سے تصادم

آصف الدولہ کو بھی تا زیست اس غلطی کا صدمہ رہا۔

اس کے انتقال کے بعد وزیر علی چند ماہ کے بعد ہی مر گیا اور اب بہو بیگم کا سوتیلا بیٹا تخت نشین ہوا جسکا نام سعادت علی خاں تھا۔ آصف الدولہ کو اتنا رنج تھا کہ اس نے ماں کی جاگیریں بھی

چھوڑدی تھیں اور پھر لوٹ کے بعد ان پر قبضہ نہ کیا تھا۔ سعادت علی خاں نے سوچا کہ جب حقیقی بیٹے ہی نے کمی نہ کی تھی تو میں کیوں تامل کروں اُسے جاگیریں ضبط کرنے کا خیال ہوا۔ اور اس نے یورش کر دی۔ بیگم کا دل بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ اس نے اپنے مشیروں سے کہا کہ میں یہ دولت قبر میں تو نہ لیجاتی۔ انہی کو ملتی اور میں برابر دیتی بھی رہی مگر جب یہ میری ذلت کے درپے رہے اور ہیں اور سعادت علی خاں بھی بڑھ رہا ہے تو میں بھی اسے نہیں رکھنا چاہتی۔ اس نے انگریزوں سے سازش کی۔ سعادت علی خاں بھی گھبرایا اور اس نے کمپنی ہی کی معرفت ۱۷۹۹ء میں یہ وعدہ کیا کہ میں نے جو جاگیر ضبط کرلی ہے اُسے بھی واپس کردونگا اور ماں کا ہر طرح احترام کروں گا۔ مگر بہو بیگم سمجھ چکی تھی کہ یہ منافقت ہے اور یہ کبھی ضرور حملہ کرکے مجھے لوٹے گا۔ اس نے چندے صبر کیا مگر جب اس نے دیکھا کہ اس نے اس کے چار سو روپے کے وظیفے کو گھٹا کر نصف کردیا اور اس کے بھتیجے کی جاگیر ضبط کرلی تو اُس نے سرکار کمپنی کو لکھا کہ وہ اپنے ریزیڈنٹ مسٹر لمسڈن کی معرفت سعادت علی خاں کو حکم دے کہ وہ اس کے معاملات میں دخل نہ دے اور مداخلت سے باز رہے۔ پھر سوچا کہ سعادت علی خاں کی نیت تو بری ہے کہیں یہ بھی ہیسٹنگز سے کوئی معاہدہ کرکے انگریزی فوجوں کو میرے اوپر چڑھا لائے۔ اس لئے اس نے یہ انتظام کیا کہ پالکی میں سوار ہوکر خود ریزیڈنٹ صاحب کے پاس پہنچی اور اس سے کہا کہ میں ایک وصیت کرنی چاہتی ہوں۔ نیز تمام صورت حالات گوش گذار کی۔ اس وقت اس کا وزیر جواہر خاں ہمرکاب تھا۔ سعادت علی خاں کو جب معلوم ہوا تو اس نے برافروختگی سے بیگم کو لکھا کہ تم نے اپنی اس حرکت سے اعزاز خاندان کو بٹہ لگا دیا۔ بیگم نے برجستہ جواب لکھا کہ اس کی تمام تر ذمہ داری تم پر عاید ہوتی ہے۔ نہ تم میری ذاتی

جاگیر و دولت کی طرف اقدام کرتے اور نہ یہ صورت پیدا ہوتی۔ مسٹر لمسڈن ریزیڈنٹ نے فیض آباد سے لکھنؤ پہنچکر وارن ہیسٹنگز کو لکھا۔ انہوں نے بورڈ کورپورٹ کی جس نے لکھا کہ بیگم کی تمام جائداد و املاک و دولت کمپنی لے سکتی ہے مگر اس شرط سے کہ وہ ایک وصیت نامہ لکھکر دے اور اس میں تمام تفصیلات درج کر دے۔

بہت سی گفتگو اور مکاتبت کے بعد ۱۸۱۳ء میں وصیت نامہ مرتب کر کے گورنر جنرل لارڈ منٹو کو بھیجدیا گیا۔

اس زمانہ کی یہ غرابت ملاحظہ فرمایئے کہ ایک ملکہ پریشان ہو کر طالب امداد ہوتی ہے مگر امداد کرنے والے بھی حملہ آوروں سے کچھ بہتر ثابت نہیں ہوتے۔ لارڈ منٹو لکھتے ہیں کہ بیگم جواہرات و نقدی کی فہرست بھی وصیت کے ساتھ منسلک کرے۔ نیز اس پر واضح کر دیا جائے کہ زیورات و جواہرات کے محفوظ رکھنے کے لئے سب سے بہتر جگہ خزانہ عامرانہ کمپنی ہے۔ یعنی بہر کیف دولت بیگم کے پاس نہ رہے۔ سعادت علی خاں سے بچے تو انگریزوں کو ملے ان سے بچے تو سعادت علی خاں کے پلے پڑے۔ بیکس کا حامی کوئی نہیں۔ ایک آئینی و مہذب کمپنی ہے جس کی کوئی داد فریاد نہیں۔ لکھنؤ سے کپتان بیلی یہ حکم لیکر فیض آباد پہنچے اور بیگم کو صورت حالات سے آگاہ کیا۔

بیگم کی دولت غیروں کے ہاتھ میں

بہو بیگم نے کپتان بیلی سے صاف الفاظ میں کہدیا کہ یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں زندگی میں اپنی دولت اپنے سے علیحدہ کر سکوں۔ فہرست بھی میں نہیں دینی چاہتی۔ مگر یہ تو دور ہی عجیب تھا۔ فریاد کرنا بھی مصیبت میں پھنسنا تھا۔ آصف الدولہ نے کچھ بگاڑا نہ تھا (۵۵) لاکھ روپیہ اپنا ہی لیکر خاموش ہو رہے تھے ہیسٹنگز کا بھی ایک پائی کا نقصان نہ ہوا تھا۔ مگر یہ پڑنے لگے کہ (۳۰) لاکھ بقیہ بھی دلوایئے۔ ورنہ جنگ کی جائے گی۔

کس جرم میں؟ یہ کون بتلائے۔ بیگم نے وصیت لکھنی چاہی تو زور پڑنے شروع ہوئے کہ ضرور لکھو۔ لکھنے پر تیار ہوئی تو اب روپیہ بھی ہمارے ہاں یہاں محفوظ رکھو۔ یہ بھی نہیں تو کم از کم مکمل فہرست تو ضرور دو تاکہ ہم ایک ایک پائی پر قبضہ کر سکیں۔ کتنی دلچسپ سیاست ہے کہ مظلوم کو حصول انصاف کے لئے بھی اپنا سب کچھ حوالے کرنا پڑ رہا ہے گویا مجرم و منصف کی حیثیت یکساں تھی۔ بیگم پر بہت زور ڈالا گیا۔ تو اس نے ایک طول طویل فہرست کپتان کے حوالے کر دی۔

بیگم ۱۷۸۳ء میں بری طرح لٹ چکی تھی آصف الدولہ اور انگریزوں کی فوج نے محلات کے گوشے گوشے چھان مارے تھے اس کے باوجود ۱۸۱۳ء میں تیس برس کے بعد بیگم کے پاس ستر لاکھ روپیہ تو نقد موتی محل میں موجود تھا۔ اس کے علاوہ اشرفیوں سے لبریز کئی صندوق پرانی کوتوالی کے نیچے دفن تھے ان کے علاوہ جواہرات کی قیمت کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا نقد روپیہ اور اشرفیاں چھ سات کروڑ روپیہ سے کم نہ تھیں۔ اگر جواہرات کو بھی شامل کر لیا جائے تو حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بیگم کی دولت کسی طرح بھی پندرہ بیس کروڑ روپیہ سے کم نہ تھی اور یہ اتنی بڑی رقم تھی جتنی کہ سلطان محمود غزنوی کے تمام حملوں میں بھی اس کے ہاتھ نہ لگی تھی۔

وصیت نامہ میں تصریح بھی کر دی گئی تھی کہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کربلائے معلّٰی اور نجف اشرف وغیرہ کو مستقل بھیجا جاتا رہے۔ دس ہزار روپیہ سالانہ اس کے اور اس کے خاندانی مقبروں کے مصارف کے لئے وقف رہے۔ تین لاکھ روپیہ اپنے مقبرے کے لئے داراب علی خاں کے پاس جمع کرا دیا گیا ہے جس کے لئے تاحیات وظیفہ مقرر کیا گیا۔ نواب صفدر جنگ کے بیٹوں کے لئے بھی معقول وظائف مقرر کئے اور

اور لکھدیا کہ اس کے بعد جو بچے اس کی واحد مالک کمپنی ہو۔ اس وصیت نامہ پر جس طرح عمل ہوا۔ اس کی خبر تو تاریخی اوراق کو ہے۔ یہ ضرور ہوا کہ ماں بیٹوں کے جھگڑوں میں کروڑوں روپیہ بغیر جنگ و جدل غیروں کے ہاتھ آ گیا۔ یہ کچھ تھوڑی بات نہ تھی۔ بیگم پر اس وصیت کا اتنا صدمہ تھا کہ اس روز سے اسکی صحت خراب ہو گئی اور تین برس کے اندر ہی اسکا انتقال ہو گیا۔ مقبرہ جواہر باغ میں فیض آباد سے دو میل کے فاصلہ پر تیار ہوا۔ اس وقت بیگم کی عمر (۸۶) برس کی تھی۔

بیگم کی شکوہ و صولت

لارڈ منٹو کے عمل کے آخری حصے تو نگاہوں سے مخفی رہی اور اس پر اعتراض نہ کیا جا سکا اور وہ صاف بچ گئے مگر وارن ہیسٹنگز کی حرکت اتنی خوفناک تھی کہ شرفائے انگلستان بھی اسے برداشت نہ کر سکے اس پر مقدمہ قائم ہوا۔ لارڈ میکالے اور مشہور مقرر برک نے علانیہ کہا کہ نواب اور وارن ہیسٹنگز دونوں نے دو بیکس عورتوں کے لوٹنے کی سازش کی تھی۔ بڑی بڑی ذلتیں اٹھائی پڑیں اور یہ گورنر بیگم کی آہ سے مفلس ہو کر مرا۔

بیگم کے پاس اتنی کثیر دولت کا جمع ہو جانا اس کے انتظام لیاقت کا کرشمہ تھا نہ کہ اس کے بخل اور کنجوسی کا جیسا کہ بعض مورخین نے نواباں اودھ کی حمایت میں لکھدیا ہے وہ نہ بخیل تھی اور نہ فضول خرچ۔ بلا ضرورت خرچ نہ کرتی تھی اور ضرورت پر ہاتھ نہ روکتی تھی۔ غربا اور حاجتمندوں کا بہت خیال رکھتی تھی۔ مستحقین کو اس نے اپنی زندگی میں لاکھوں روپیہ تقسیم کیا۔ وہ غربا مساکین اور علما و فضلا کی اعانت بڑی سیر چشمی کے ساتھ کرتی رہی۔ محرم میں دس روز تک مجالس کا سلسلہ رہتا تھا جس میں ہزارہا لوگوں کو روزانہ کھانا اور تبرک تقسیم ہوتا تھا۔ دور دور کے علما و مجتہد اور سوز خواں آتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے دروازہ

کبھی کوئی سائل محروم واپس نہ گیا۔ اسکا آستانہ ایک چشمۂ فیض تھا جو
پڑا لہریں لیتا رہتا تھا۔ مسٹر آر۔ ایچ آر نیول کلکٹر نے خود لکھا ہے
کہ "بیگم کے عہد میں روپیہ پانی کی طرح بہتا تھا"۔ فیض آباد کو اس نے
دلہن بنا رکھا تھا۔ نوابان لکھنؤ نے بہت سعی کی مگر جب تک بیگم زندہ
رہی لکھنؤ فیض آباد کی ہمسری نہ کر سکا۔ اس نے اپنے شہر میں کبھی
کسی کو بھوکا نہ سونے دیا۔ وہ یتیموں اور بیکسوں کی پشت پناہ بنی رہی
بڑے بڑے مدارس قائم کر رکھے تھے جن کے اساتذہ کی تنخواہیں
وہ خود ادا کرتی تھی۔ وہ نہایت نیکدل شریف طبع اور منکسر مزاج
بیگم تھی۔ اولاد پر مہربان۔ اقربا کی ہمدرد۔ شوہر کی فرمانبردار اللہ کی
مطیع اور مذہب کی پابند تھی۔

اس کا دربار علماء و فضلاء کا مامن تھا۔ اس دور کے گرامی قدر
اور یگانۂ عصر افراد اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے اور انہیں وہ بڑے
بڑے وظائف دیا کرتی تھی۔ فیض آباد میں اسی کی حکومت تھی اسی کا
حکم چلتا تھا۔ وہ تو یوں کہئے کہ وہ دور انصاف کا دور ہی نہ تھا۔ اور وہ
چکی کے دو پاٹوں میں پس گئی ورنہ اس پر کسی کا قابو پانا آسان نہ تھا۔ تنہا
آصف الدولہ یا سعادت علی خاں اس پر کبھی قابو نہ پا سکتے تھے اور انکی قوت
کے مقابلہ کے لئے وہ تنہا کافی تھی۔ اسے تو انگریزوں اور نوابوں نے ملکر
زیر کیا۔ وہ بڑے اقتدار اور دبدبہ کی بیگم تھی۔ اودھ میں اسکا شکوہ و
طمطراق ضرب المثل ہے۔ آخر وقت تک اس کی شکوہ و عظمت کا یہی عالم
رہا۔ باوجود اس کے کہ وہ سخت گیر نہ تھی تاہم سب اس کے نام سے لرزہ
براندام رہتے تھے۔ اس کے محل کے سامنے کئی ہزار ہاتھی ہر وقت
کھڑے جھوما کرتے تھے۔ ایک لاکھ سے زیادہ متوسلین و ملازمین کا گذارہ
اس کی دولت و فیاضی پر تھا۔ دس ہزار فوج ہمہ وقت آمادہ جنگ
رہتی تھی۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گئی گذری حالت اور انیسویں صدی کے آغاز میں بھی ہندوستان کے اندر مسلم اقتدار اور مسلم دولت کا کیا عالم تھا۔ یہ تو ایک نجیب آباد معمولی شہر تھا۔ لیکن جب یہ لٹا ہے تو یہیں سے دو کروڑ روپیہ یک وقت لٹ گیا۔ آج تو مسلمان دولت میں نہیں افلاس میں ضرب المثل ہیں۔

نازنینان خاندان مغلیہ

ہندوستان کی حسین ترین ملکہ

خاندانی عظمت و پیدائش نورجہاں بیگم ایک عالمگیر شہرت کی عظمت کی حامل ہے اور اس کی زندگی ایسے سوانح سے لبریز ہے جو بہت سے حقائق اور سبق آموز اور عبرت انگیز امور پر مشتمل ہیں۔ ایک بیکس اور لاوارث بچی کا فرش گمنامی سے اٹھ کر عرش شہرت پر پہنچنا اور تخت و حکومت ہی پر نہیں بلکہ صاحب تخت و تاج کے دل پر قابض ہو جانا فی الحقیقت قدرت کا ایک حیرت انگیز تماشا نظر آتا ہے۔ ویسے اس کے آبا و اجداد بھی شریف النسل اور صاحب حکومت تھے مگر ان کا وقت بگڑ گیا تھا۔ نورجہاں پیدا ہوئی اس وقت جب آبائی و اجدادی اقتدار کا گلشن اجڑ چکا تھا اور انہیں وطن میں چند لمحوں کے لئے بھی قیام کی اجازت نہ تھی۔ دادا محمد خان تکلو حاکم خراسان کے وزیر تھے۔ بعد کو صوبہ مرو کے گورنر ہو گئے۔ مگر ان کے مرتے ہی خاندان پر مصائب کے بادل چھا گئے مال و اسباب سب لٹ گیا اور نورجہاں کے باپ مرزا غیاث کو جلا وطن ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہونا پڑا۔

اثنائے سفر میں ایک میدان کے اندر نورجہاں پیدا ہوئی۔ غریب ماں باپ! پروردۂ ناز و نعم! پیدل چلنا اور خود کو سنبھالنا ہی دوبھر تھا۔ اس بچی کو لیکر کیسے سفر کریں۔ بچی اور پھر ایسی بچی جس کے بطن مادر میں آتے ہی مصائب نوائب کا سامنا ہوا۔ خدا جانے سفر میں بھی کیا کرشمے دکھلائے۔ اسی لئے اسی میدان میں ایک درخت کے نیچے بچی کو چھوڑا اور اپنی راہ لی۔ انسان تو بچوں کا محض مجازی محافظ ہے حقیقی محافظ اور محبت کرنیوالا تو خدا ہے وہ تو اپنی اس مخلوق کو نہ چھوڑ سکتا تھا۔ کہ تھوڑی دیر بعد اسی راستہ سے ایک قافلہ گذرا۔ اس کے مالک مسعود نے بچی کو جو پڑا دیکھا پیاری معلوم ہوئی اٹھا لیا اور کچھ قریب بڑھ کر ایک گاؤں میں دودھ پلائی کی تلاش شروع کی۔ قدرت خداوندی دیکھئے وہاں اس کی ماں عصمت النساء بیگم موجود تھی۔ اس نے اتنی ہی سہارے کو غنیمت سمجھا ملازمت کر لی۔ ملک مسعود کو تمام حالات کا علم ہوا تو اس نے مرزا غیاث کو بھی اپنے پاس رکھ لیا۔ اور گردش فلک نے اس شکار پر مہربانی کرنے لگا۔

محل شاہی میں آمد و رفت

ملک مسعود فتحپور سیکری پہنچا اور اکبر کے دربار میں حاضر ہوا تو منجملہ اور اذکار کے مرزا غیاث کے مصائب اور شکار گردش افلاک ہونے کا بھی ذکر کیا۔ اکبر نے حکم دیا کہ اچھا مرزا غیاث کو ہمارے سامنے پیش کرو۔

جب ہمایوں ہندوستان سے نکلا اور ہرات پہنچا تھا تو مرزا غیاث کے دادا نے اس کی بہت خاطر و مدارات کی تھی اور اس کے صلہ میں اس نے ایک پروانہ خوشنودی عطا کیا تھا۔ مرزا غیاث کہ اور اشناس حکومت تھا۔ حکمران خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ہندوستان آ رہا تھا۔ اس لیے اس نے احتیاطاً وہ پروانہ بھی ساتھ لے لیا تھا کہ شاید قسمت یاوری کرے اور یہ کچھ کام سے جائے۔ اب اس کے پیش کرنے کا وقت

آگیا تھا۔ مرزا غیاث جو سامنے گیا تو اس نے یہ پروانہ بھی پیش کیا۔ اکبر ویسے ہی متاثر تھا پروانہ دیکھکر اور خوش ہو گیا۔ اس نے اسی وقت اُسے داروغہ بیوتات مقرر کر دیا۔ نور جہاں کی زندگی فضل الٰہی کی کرشمہ کاریوں کا ایک قصہ ہے۔ وہ مرزا غیاث جس کی گذر اتابک بیوی کی ملازمت پر تھی اور کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ اللہ کا کرم جو ہوا تو بہ یک گردش قلم وہ ۳۶ کارخانوں کا حاکم بنگیا۔ دربار تک رسائی ہو گئی۔ مزید براں یہ کہ بیوی شاہی محل کی اتالیق مقرر ہو گئی کہ وہ خود علم و فضل کی سرمایہ دار تھی۔ اسی سبیل سے نور جہاں بھی پرورش پانے لگی اور محلات کی فضا اور شہزادیوں کی صحبت نے اس کے ذہن و دماغ کو سنوارنا شروع کر دیا۔

علم و فضل اور تربیت و تعلیم

نور جہاں نہایت ذکی و ذہین تھی۔ ماں کی تربیت و تعلیم نے اس کے جوہر عیاں کرنے شروع کر دیئے اور ابھی گیارہ برس کی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ گلستان، بوستان، انوار سہیلی، یوسف زلیخا وغیرہ تمام درسی کتب ختم کر چکی تھی اور عربی و فارسی میں اُسے دستگاہ کامل حاصل ہو چکی تھی۔ عربی اس نے ایک کہن سال معلم مرزا ہادی سے پڑھی تھی۔ نور جہاں کا ذہن و شوق دیکھکر مرزا غیاث کی طبیعت بھی بہت خوش ہوئی اور اس نے اسے فنون جنگ کی بھی تعلیم دینی شروع کر دی۔ چنانچہ وہ شہسواری، شمشیر زنی، تیر افگنی، نیزہ بازی میں بھی کامل ہو گئی۔ وہ نہایت خوش نوا اور خوش الحان بھی تھی۔ اگر عباسی دور ہوتا تو وہ فن موسیقی میں بھی ماہر بنکر اپنے عہد کی علیہ ثابت ہوتی۔ مگر عہد مغلیہ میں محلات کے اندر موسیقی کا کوئی چرچا نہ تھا۔ تاہم اس کی تلاوت قرآن میں موسیقی سے زیادہ سحر موجود ہوتا۔ شعر و سخن میں بھی اس نے ملکہ پیدا کر لیا اور شعر بھی خوب کہنے لگی۔ اس کے کسی دیوان کا پتہ تو ملتا نہیں مگر مختلف تذکروں میں اس کے اشعار موجود ہیں جنہیں سے

کچھ اشعار ہم ذیل میں درج کرتے ہیں جن سے اس کی شاعرانہ لیاقت کا اظہار ہوتا ہے:—

عشقش چناں گداخت تنم را کہ آب شد ۔۔۔ گردے کہ ماند سرمۂ چشم حباب شد

شرارم شعلۂ داغم کباب جلوۂ طورم ۔۔۔ طپیدن ہائے برقم اضطراب نفس رنجورم

گذشت وقت خزاں و نسیم بہار آمد ۔۔۔ ہزار تحمل خزاں گشتہ ام بہار آمد

دل بصورت ندہم تا شدہ سیرت معلوم ۔۔۔ بندۂ عشقم بسنت و ملت معلوم

زاہدا ہول قیامت مفگن در دل من ۔۔۔ ہول ہجراں گذراندیم و قیامت معلوم

شیر افگن سے شادی

نور جہاں کا حسن و شباب ایک فتنہ بیدار تھا۔ محل کی شاہزادیاں تک اتنی حسین نہ تھیں۔ ایک پھول تھا جس کی خوشبوؤں سے سارا محل مہک رہا تھا ایک چاند تھا جس کی چاندنی گوشے گوشے کو منور کر رہی تھی۔ اکبر کی نظر بھی اس کے حسن جہانسوز پر پڑی اور اس نے اسے بہو بنا لینا اور جہانگیر سے بیاہ دینا چاہا۔ مگر اس نے پھر سوچا کہ مبادا ایرانی حکمران خاندان سے یہ تعلق بیٹے کے دماغ میں سودائے مخالفت پیدا کردے۔ اور یہ تعلق سلطنت کے لئے نقصان رساں ثابت ہو۔ اس لئے اس نے اس خیال کو دماغ سے نکال دیا۔ مگر اسے نور جہاں کی فلاح مقصود تھی اس لئے وہ اسکے لئے موزوں جوڑے کی تلاش میں رہا اور اس نے ایک ترکی النسل بہادر سردار علی قلی خاں سے اس کی شادی کر دی۔ جو شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں بھی رہ چکا تھا۔ مست ہاتھی کا کام ایک تنہا تیر سے تمام کر چکا تھا اور ایک خوفناک شیر کو تلوار کے ایک ہی وار میں ٹھنڈا کر کے شیر افگن کا خطاب بھی حاصل کر چکا تھا۔ شادی کے فوراً بعد اکبر نے بنگال کے ضلع بردوان میں اسے ایک جاگیر عطا کی اور اسی کا عامل مقرر کر کے بھیج دیا۔ شیر افگن کتنا ہی جری و شریف سہی پھر بھی فوجی تھا

مرکز حکومت سے دور حکومت ملی۔ اس سے مزاج میں سختی اور دماغ میں تکبر پیدا ہو گیا۔ لوگوں کو ستانے اور رعایا کو تکلیف دینے لگا اکبر مر چکا تھا۔ اور جہانگیر سریر آرائے حکومت تھا جس کے عدل و دادگستری کا شہرہ تمام ہندوستان میں پھیل چکا تھا۔ رعایائے بردوان نے شکایات لکھنی شروع کیں۔ جہانگیر نے تنبیہ کی جسے شیر افگن خاطر میں نہ لایا۔ تو قطب الدین گورنر بنگال کے نام حکمنامہ بھیجا کہ تم خود بردوان پہنچکر شیر افگن کو ہمارے حکم سے مطلع کرو کہ وہ فوراً عازم آگرہ ہو۔ اور اگر اس پر بھی نہ مانے تو اُسے مناسب سزا دے۔ قطب الدین بردوان پہنچا اور شیر افگن کو حکم سے مطلع کیا۔ تو اس نے اسی وقت فرط غضب میں قطب الدین کے خنجر بھونک دیا۔ چیخ کی آواز سنکر قطب الدین کے سپاہی جھپٹ پڑے اور انہوں نے اسی وقت شیر افگن کے ٹکڑے اڑا دیے۔ جہانگیر یہ واقعہ سنکر بہت غضب ناک ہوا اور اس نے اس کے مال و جائداد کی ضبطی کے احکام نافذ کر دیے جس کے مطابق جاگیر ضبط ہوئی۔ اور زن و فرزند واعزا قید کر لئے گئے۔

نورجہاں پر شاہی عتاب قید اس دور کے دستور و آئین کے مطابق شیر افگن کی بیوی نورجہاں ساتھ عصمت النساء اور اس کی لڑکی شاہی قیدی کی حیثیت سے حراست میں آگرہ روانہ کر دیے گئے۔ نورجہاں آگرہ میں نظر بند کر دی گئی۔ چھ سال کے عرصہ میں اس نے عذر تقصیر کے لئے کئی عرضیاں دربار میں بھیجیں۔ جہانگیر کو شیر افگن کی حرکت پر اتنا غصہ تھا کہ اس نے ان پر کوئی توجہ نہ کی۔ آخر نورجہاں نے ایک نہایت دلدوز درخواست دردناک الفاظ میں لکھکر جہانگیر کی خدمت میں ارسال کی اور لکھا کہ جہاں پناہ! میں بہ سوگند خدا اور رسول عرض کرتی ہوں

کہ مجھے شیر افگن کے ارادہ و خیال کا کوئی علم نہ تھا۔ اور نہ قطب الدین کے قتل میں میرا ہاتھ ہے۔ بہر کیف اگر حضور کا یہی خیال ہے تو میں دست بستہ معافی چاہتی ہوں۔ ایک بے کس اور غریب الوطن بیوہ پر رحم کیجئے کہ وہ کئی سال سے قید بھگت رہی ہے۔ اور کافی سزا برداشت کر چکی ہے اسے اپنی سزا سے زیادہ شاہی ناراضگی و عتاب کا صدمہ ہے۔ جہاں پناہ میں تو گری پڑی بچی تھی۔ آپ کے خلد آشیاں والا گرامی ہی کے الطاف خسروانہ نے مجھے عیش و سرور کی زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا۔ انہی کی پروردہ ہوں۔ ایک تو بیوگی کا صدمہ اس پر جہاں پناہ کا یہ عتاب! اگر میں معاف کر دی گئی تو گویا نئی زندگی حاصل کروں گی۔

جہانگیر اس درجہ متاثر ہوا کہ درخواست ہاتھ میں لئے ہوئے مشاہدۂ حالت کے لئے خود محل میں آیا۔ جہاں نور جہاں سفید و صاف لباس بیوگی میں ملبوس ایک برآمدہ میں بیٹھی کشیدہ کاڑھ رہی تھی۔ جہانگیر قریب جا کر اس طرح کھڑا ہو گیا کہ اُسے خبر بھی نہ ہوئی۔ یہ ایک تصویر نامرادی تھی کشیدہ کاڑھتی جاتی تھی اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے جاتے تھے۔ اتفاقاً نگاہ جو اُٹھی تو جہاں پناہ کو قریب کھڑے دیکھا۔ ایک مغضوب قیدی کی حیثیت کیا؟ لرز گئی۔ سروقد کھڑی ہوئی اور پھر فوراً سر قدموں پر رکھ کر معافی چاہی۔ جہانگیر گو سپاہی مگر تھا بہت رقیق القلب۔ اس نے اسکا جھکا ہوا چہرہ قدموں سے جو اُٹھایا تو داد طلب نگاہ سامنے تھی جو جگر کے پار ہو گئی۔ جہانگیر نے مزید کچھ نہ کہا معاف کر دیا۔ اس طرح نور جہاں کو چھ برس کے بعد رہائی ملی چھٹے سال جلوس میں جہانگیر نے اسے حسن و جمال اور عقل و تدبر پہ اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا۔ اور وہ بھی جو ویران جنگل میں مرنے کے لئے چھوڑ دی گئی تھی دفعتہً ملکۂ عالم بن گئی۔

اللہ تعالیٰ جب دینے پر آتا ہے تو سیلابِ رحمت امنڈ آتا ہے۔ کچھ ہی دنوں میں مہرالنساء سے (جس نام سے یہ ابتک مشہور تھی) نور جہاں بن گئی اور نور جہاں بنکر جہانگیر کے پردے میں جہانبانی کرنے لگی۔ اس نے اپنی لیاقت و دانائی اور جمالِ نازنین سے شہنشاہ کو اس درجہ مسحور کر لیا کہ اس نے اپنی تمام متاع اسی کے حوالے کر دی اور صاف کہدیا کہ "ایک پیالہ شراب اور نصف سیر گوشت پر میں نے سلطنت نور جہاں کے ہاتھ فروخت کر دی" اسی کے نام سے احکام صادر ہونے لگے سکہ پر بھی اسی کا نام ثبت ہو گیا۔

جہانگیر بہت ہوشمند شہنشاہ تھا اس نے نور جہاں کی اہلیت ہی دیکھکر سلطنت اس کے حوالے کی تھی۔ پھر بھی نگرانِ عمل رہتا تھا۔ مگر نور جہاں کسی امتحان میں بھی ناکام رہنے والی نہ تھی۔ معاملہ فہمی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی میں عدیم المثال تھی۔ نازک سے نازک اور پیچیدہ سے پیچیدہ امور کو اپنے ناخنِ تدبیر سے اسطرح سلجھاتی تھی کہ بڑے بڑے درباری امراء متحیر رہجاتے تھے۔

اتنی نازک حسین ملکہ مگر سپہگرانہ فنون میں بھی وہ مہارت کہ لوگ ششدر رہجاتے تھے۔ شیروں کا شکار تیروں سے کر لیتی تھی۔ جہانگیر کے دوش بدوش شکار کھیلتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے بندوق سے یکے بعد دیگرے چار شیروں کو شکار کر لیا۔

اس سے جہانگیر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا۔ صرف نور جہاں حسن و رعنائی میں فقید المثال تھی مگر اس کی زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دلوں پر قبضہ کرنے کے لئے حسن و شکل اندامی صرف ایک موثر ترین شے ہے مگر اس قبضہ کو محکم و استوار بنانے والی چیز سیرت و شمائل ہے۔ نور جہاں صورت و سیرت اور عقل و دانائی میں بھی نظیر نہ رکھتی تھی اور اس میں وہ تمام جوہر موجود تھے جو ایک انسان کے لئے مایۂ فخر ہو سکتے ہیں۔

عروج و اقبال کی انتہا۔ نور جہاں کی بدولت وہ مرزا غیاث

جو دو وقت روٹیوں کے لئے محتاج تھے۔ وزارت عظمیٰ کے منصب جلیل پر فائز ہوئے۔ اس کے بھائی آصف الدولہ کو بھی دربار میں بڑا رسوخ حاصل ہو گیا۔ اس کی ماں عصمت النسا بیگم بزرگ محلات بنی کتنی خوش قسمت تھی نور جہاں کہ شوہر شہنشاہ، باپ وزیر اعظم۔ ماں محلات کی بزرگ۔ بھائی امیر الامرا اور خود ملکہ یہ بلند بختی کی انتہا تھی۔ تمام معاملات باپ کے حکم اور اس کے دستخط سے صادر ہوتے تھے۔ دنیا میں ہر قسم کا عیش اور ہر نوع کی بیفکری نور جہاں کو حاصل تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جہانگیر کے پردے میں نور جہاں اور اسکا خاندان ہی حکمرانی اور جہانبانی کر رہا تھا اس کا عروج حد انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

چونکہ یہ خاندان شیعہ تھا اس لئے شیعیت کو بھی اس دور میں خاص فروغ حاصل ہوا جس سے قدرتاً بے چینی کے آثار پیدا ہوئے مگر دم کون مار سکتا تھا۔ جہانگیر سے کہے تو کون ہر دروازہ پر تو اس کے خاندان کا پہرہ تھا اور امراء رشک حسد سے کباب ہو رہے تھے۔ آخر اس گلشن میں بھی خزاں آئی ۱۶۲۱ء میں باپ کا انتقال ہوا۔ ماں کچھ عرصہ پہلے مر چکی تھی۔ نور جہاں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ بہت عقیل اور دور اندیش ملکہ تھی۔ صورت حالات کو خوب سمجھتی تھی۔ جہانگیر نے ہر چند اس کی دلجوئی کی مگر وہ سمجھ چکی تھی کہ اب آفتاب اقتدار رو بہ زوال ہے۔ اس کی سیاسی قوت میں کمزوری آگئی ہے۔ وہ ہر واقعہ کا مطالعہ گہری نگاہ سے کرتی تھی۔ آصف جاہ کی لڑکی سے شاہجہاں کی شادی اُسے بہت کھٹکی اور مہابت خاں کے اقتدار نے اس کی آنکھیں کھولیں۔ وہ سمجھتی تھی کہ مہابت خاں شہزادہ پرویز پر ڈورے ڈال رہا ہے اور آصف جاہ اسکا بھائی شاہجہاں کو آغوش میں لے چکا ہے اور اگر ان دونوں خطروں کا فوری استیصال نہ کیا گیا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اور جو سازشیں ہو رہی ہیں

وہ کامیاب ہو جائیں گی۔

نورجہاں کے خلاف خوفناک سازش

مہابت خاں کابلی عہد اکبری سے بڑے اقتدار و طنطنہ کا ایک بارسوخ امیر تھا اور وہ برابر اس سعی میں مصروف رہتا تھا کہ کسی طرح نورجہاں اور اس کے خاندانی اقتدار کا زور توڑ کر اس قلعہ کو پاش پاش کرنے اس مقصد کی تکمیل میں وہ شاہزادہ پرویز گورنر بنگال کے پاس پہنچا۔

نورجہاں غافل نہ تھی اس نے فوراً اسطرف توجہ کی اور اس نے اپنے دستخط کر کے اپنے بھائی وزیراعظم آصف جاہ سے ایک حکم اس کے نام صادر کرایا کہ وہ اپنے مظالم کی جوابدہی کے لئے فوراً دربار میں حاضر ہو۔ مہابت خاں ایک جہاندیدہ امیر تھا سمجھ گیا کہ میرا کانٹا نکالا جارہا ہے اور میری سازش کا حال نورجہاں پر ظاہر ہو گیا ہے اب خیر نہیں مگر مجبور تھا فوراً روانہ ہوا مگر اسطرح کہ پانچہزار سرفروش راجپوت جلو میں تھے۔ جہانگیر کابل جارہا تھا۔ مہابت خاں نے حاضر دربار ہونے کی اجازت طلب کی۔ حکم ہوا کہ جب تک آصف جاہ کو جواب نہ دے لو اور حساب نہ سمجھا دو اس وقت تک حاضر دربار نہیں ہو سکتے۔ جہانگیر جہلم کے دوسرے کنارہ پر پہنچ چکا تھا اس وقت آصف جاہ نے یہ ہولناک غلطی کی کہ وہ صورت حالات کا اندازہ کئے بغیر اپنا لشکر لیکر اس پار آگیا۔ مہابت خاں کو موقع جو ملا تو اس نے فوراً محاصرہ کر لیا۔ جہانگیر فوراً خیمہ سے باہر آیا اور پوچھا مہابت خاں یہ کیا واقعہ ہے۔ بولا حضور کی پناہ میں آیا ہوں۔ میرا قصور معاف کیا جائے اور فوراً ہی پالکی منگوا کر جہانگیر کو اس میں سوار کیا اور خود کاندہا دیکر اپنے خیمہ میں لے گیا۔ اور خیمہ کے گرد پہرہ بندی کا حکم دیدیا نورجہاں ہوشیار تھی فوراً دریا پار اتر گئی۔ جہانگیر نے بلایا مگر وہ نہ آئی مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ مہابت خاں کو موقع مل گیا تھا خوب

کان بھرے کہ دیکھا جہاں پناہ نے نورجہاں کو بلایا مگر وہ نہ آئی۔ یہ دونوں بہن بھائی سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ ان کا استیصال کر دیا جائے۔

حسن جہاں افروز کا کرشمہ

جہانگیر نے غور کرکے کہا کہ اچھا میں پھر بلاتا ہوں۔ چنانچہ دوبارہ طلبی کا حکم صادر ہوا۔ نورجہاں سب کچھ سمجھتی تھی مگر حکم سے مجبور ہو گئی۔ مہابت خاں نے علیحدہ اسے خیمہ میں اتار کر۔ جہانگیر سے کہا کہ جہاں پناہ موقعہ بہت مناسب ہے۔ اب آپ ملکہ کو قتل کرکے سلطنت بچا لیں۔ جہانگیر اصلاً قید اور مجبور تھا۔ اس نے قتل کا حکم لکھ دیا۔ نورجہاں بلا کی ذہین تھی۔ اس کے پاس جو حکم پہنچا تو اس نے ہوش و حواس قائم رکھ کے حکمنامہ کی پشت پر لکھ دیا کہ مرنا منظور ہے مگر آخری آرزو ہے اور پوری کر دیں کہ مجھے اپنے چہرہ پر نگاہ واپسیں ڈالنے کی اجازت عطا فرما دیں۔ جہانگیر پھر عاشق تھا۔ اس نے مصلحت وقت دیکھ کر مہابت خاں کو بہ نرمی سمجھایا کہ ہرج کیا ہے حکم تو صادر کر ہی چکا ہوں آ لینے دو۔ نورجہاں اب واجب القتل قیدی تھی۔ اس حالت میں سامنے آ کر خاموش کھڑی ہو گئی کہ بال پریشان تھے اور ہاتھوں میں طلائی ہتکڑیاں تھیں۔

جہانگیر اپنی معشوقہ کی یہ حالت دیکھ کر بیتاب ہو گیا۔ اور ایک طنطنہ شاہانہ کے ساتھ کہا کہ مہابت خاں میں اپنا حکم منسوخ کرتا ہوں اس نے پھر سمجھایا۔ مجبور سہی پھر شہنشاہ تھا اور سلطنت کی پوری طاقت اسکی پشت پر تھی۔ جوش آ گیا تھا۔ مہابت خاں اسوقت نظر دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ لیکن نورجہاں کی زندگی میں مہابت خاں کی موت مضمر تھی۔ جانتا تھا کہ یہ بھی مجھے زندہ نہ چھوڑیگی۔ اور شاہزادے بھی خبر پا کر اس طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ حراست ہی میں جہانگیر کو عجلت سے

کابل کی طرف بڑھانے کے لئے چلا جا رہا تھا۔ نورجہاں بھی یہ سمجھتی تھی اس نے ایک طرف تو خفیہ طور پر آگرہ اطلاع کرائی اور پھر یہ سمجھکر کہ بہت ممکن ہے کمک دیر میں پہنچے اور یہ راستہ میں ہی پیچھے ٹھنڈا کر دے اول تو وہ جہانگیر سے علیحدہ نہ ہوئی۔ دوسرے اس نے ملازمت کے بہانے سے خفیہ خفیہ افغانی فوج بھرتی کر لی اور ہزارہ کے حکمران کو بھی امداد کے لئے بلوایا۔ وہ مہابت خاں پر اب حملہ کرنے ہی والی تھی کہ اطلاع ملی کہ شاہجہاں اورنگ زیب اور دارا شکوہ ایک ٹڈی دل لئے ہوئے قریب پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے دفعتہً آلیا۔ مہابت خاں نے راہ فرار اختیار کی۔ اگر اسوقت نورجہاں گھبرا جاتی اور ہوشمندی سے کام نہ لیتی تو اس کی جان بھی گئی تھی اور خاندان بھی تباہ ہوا تھا اور جہانگیر کے وقار کو بھی خطرہ تھا۔

نورجہاں کا پُرنور جنازہ آصف جاہ اس کی دیجوئی ہی کے سلسلہ میں وزیر اعظم ہوا تھا۔ مگر باپ اور بھائی میں کچھ بہت فرق ہے آصف جاہ سے اُسے تکلیف ہی پہنچی۔ شاہجہاں اُسکا داماد تھا اس کی ولیعہدی کے سلسلہ میں وہ اس کے خلاف مصروف سازش ہو گیا۔ بہن نے بہت سمجھایا۔ یہانتک لکھدیا کہ دیکھ میری ہی وجہ سے تجھے یہ اقتدار ملا ہے تو میرے داماد شہریار کو ولیعہد ہو لینے دے مگر اس نے ایک نہ سنی ۱۶۲۷ء میں جہانگیر کا انتقال ہوتے ہی آصف جاہ نے نورجہاں کو نظر بند کر دیا اور شاہجہاں کو جلد سے جلد بلا کر سر پر آرائے حکومت کر دیا۔ اُسے جو بھائی کی دغا کا حال معلوم ہوا تو بہت رنجیدہ ہوئی لیکن حق یہ ہے کہ شاہجہاں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اس کی عزت و احترام میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اور خود اس کی خواہش پر اسے بیس لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کر کے لاہور رہنے کی اجازت دیدی جو اسے بہت پسند تھا۔ وہ سب کا مقابلہ کر سکی۔ مگر بھائی کی حریف نہ بن سکی

وہ جہانگیر کے بعد بارہ برس زندہ رہی اور یہ تمام زمانہ اس نے زہد و عبادت غربا و یتامیٰ کی خبرگیری اور شوہر کے لئے دعائے مغفرت میں گذارا۔ ۱۶۴۵ء میں انتقال کر گئی۔ اور اس کفن میں ملبوس دفن ہوئی جس پر مدت سے ایک قرآن روز پڑھ کر دم کیا جاتا تھا اور جو آبِ زمزم سے دھلا ہوا تھا۔

اس کے جنازہ کے ساتھ ساٹھ ہزار افراد تھے۔ جن میں صرف ۱۵ ہزار شیعہ اور ۴۵ ہزار سنی تھے۔ مگر اس میں تعصب و تقشف نام کو نہ تھا۔ یوں تو اللہ کی اللہ جانے مگر اس عہد کے ایک باکمال مجذوب نے نمازِ جنازہ میں شرکت بھی کی اور سجدہ بھی کیا۔ لوگوں نے کہا یہ سجدہ کیسا؟ جواب دیا۔ "خدائے زندہ راکہ و نماز گذراندہ ام" نور جہاں کے لئے یتیموں۔ بیواؤں اور بیکسوں کے آنسو جنت میں محل بنوا رہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں (ملاّ خجند ہراتی)۔ واقعی اس کے جنازہ کے ساتھ بکثرت لنگڑے۔ لولے اندھے اور یتیم چیخ چیخ کر روتے چلے جا رہے تھے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالےٰ کو عیال اللہ کی خدمت سے بھی زیادہ بندوں کا اور کوئی عمل پسند نہیں بقول حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ توبہ اور عبادت سے بھی بندوں کو اتنا فائدہ نہیں پہنچتا جتنا کہ عاجز نوازی اور بیکسوں کی حاجت روائی سے پہنچتا ہے اور نور جہاں شیعہ ہو کچھ ہو مگر سچی مسلمان اور بیکس نواز تھی اور اسے عاجز نوازی میں ایک روحانی سرور حاصل ہوتا تھا۔ ممکن نہیں کہ اللہ کو اس کی یہ ادا پسند نہ آئی ہو۔

بلا مبالغہ کروڑوں روپیہ زندگی میں اس نے غریبوں اور بیکسوں کو دیا اور اپنے آخری سانس تک وہ انہیں نوازتی رہی۔

عیال اللہ کی خدمت

نور جہاں ضرور ایک یگانۂ روزگار حسینہ اور وحید عصر عاقلہ و مدبرہ تھی لیکن ان صفات سے فائدہ پہنچا بھی ہے تو اس کی حیثیت ذاتی اور شخصی فائدہ سے ہے

بہت کم آگے بڑھتی ہے۔ اللہ کے نزدیک محترم و مقبول بندہ وہ ہے جو اس کے بندوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرتا رہے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء اولیا اور بزرگ ہمیشہ اور ہر حالت میں غربا اور ضعفاء کی پاریگری کرتے رہے ہیں۔ نور جہاں انتہائی باقتدار ملکہ تھی۔ مگر وہ یتیموں بیکسوں بیواؤں اور دردمندوں کا اتنا خیال رکھتی تھی اتنی خدمت کرتی تھی۔ اتنی امداد پہنچاتی تھی کہ وہ اس فلک زدہ طبقہ میں "شاہ مادر" کے نام سے مشہور تھی۔ وہ جس وقت دارالایامیٰ یا یتیم خانوں میں پہنچتی اس وقت اس کے سلوک اور اس کے برتاؤ سے ذرہ برابر بھی احساس نہ ہوتا تھا کہ یہ ملکہ ہند ہے وہ اُن سے نہایت شفقت کے ساتھ بات چیت کرتی اُن کا درد اور دکھ سنتی اور اُن کی ہر مصیبت اور ہر شکایت کے ازالہ کے لئے ہر ممکن سعی سے کام لیتی۔ وہ اُن کی مصیبت دیکھکر بے چین ہو جاتی اور جو اس سے ہو سکتا فوراً کرتی۔

کہنے کو ملکہ تھی مگر اتنی دردمند کہ مصیبت زدوں کی داستان الم آنسوؤں کے بغیر نہ سن سکتی تھی۔ اس نے ہزارہا غریب عورتوں اور بیواؤں کے نکاح اپنے روپئے سے کرائے۔ بیشمار یتیموں کے دلوں سے یتیمی کا داغ دھو دیا۔ اس نے اپنے صرف خاص سے سلطنت کے مختلف گوشوں میں ہزاروں یتیم خانے قائم کر رکھے تھے اور ان کا نگراں کار اور معلم انہی لوگوں کو مقرر کرتی تھی جو فطرتاً رقیق القلب دردمند و رحمدل ہوتے تھے۔ ہزارہا بیواؤں کے روزینے اس نے مقرر کر رکھے تھے۔ وہ ہر سال ایک دن نوروز مناتی تھی۔ اس کا ذکر نہیں کہ نوروز پر جو تزئین و آرائش ہوتی تھی اور سلطنت بھر میں جو جشن منائے جاتے تھے وہ اپنی نوعیت میں عدیم المثال ہوتے تھے کہنا یہ ہے کہ اس روز وہ سوا لاکھ روپیہ جہانگیر کے سر پر تصدق کر کے غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیا کرتی تھی اور ایک ہفتہ تک برابر روپیہ کی بارش

ہوتی رہتی تھی جس میں نامرادوں اور قیدیوں کو اتنا ملجاتا تھا کہ سال بھر آرام اور بےفکری کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ہفتہ کے لئے شاہی لنگر بھی جاری ہو جاتا تھا جس سے لاکھوں غربا، و مساکین کو اعلےٰ سے اعلیٰ کھانے ملتے رہتے تھے۔ غرض نورجہاں غربا پروری اور عاجز نوازی کے بہانے ڈھونڈتی رہتی تھی۔

شانِ کرم مجالس محرم و چہلم پر بھی لاکھوں روپیہ خرچ کرتی تھی۔ شعراء اور صاحب کمال فضلاء کو بھی اس کی بارگاہ سے لاکھوں روپیہ تقسیم ہوتا تھا۔ میر علی شاہ ایک باکمال بزرگ تھے۔ گردش زمانہ نے تنگ کیا تو سوچا کسی طرح نورجہاں کے دربار تک رسائی حاصل کرنی چاہیئے وہ بڑی غربا پرور ہے۔ کوئی تدبیر بن نہ آتی تھی۔ اتفاقاً خبر لگی کہ نورجہاں اپنے باپ مرزا غیاث وزیر اعظم کے یہاں آئی ہوئی ہے اور باغ میں اپنی ہم جلیسوں کے ساتھ مصروف تفریح ہے۔ کندھے پر گدڑی ڈالی اور زیر دیوار پہنچکر یہ شعر پڑھا ؎

گر از دل من روشنی نور برآید ہر ذرہ تجلی وہ صد طور برآید

نورجہاں بڑی نقاد سخن تھی۔ یہ پھڑکتا ہوا شعر سنکر بیتاب ہو گئی۔ کنیزوں کو حکم دیا کہ ابھی جاؤ اور جو شخص یہ شعر پڑھتا ہوا اسے بلا لاؤ۔ نورجہاں نے پردہ کی اوٹ سے پوچھا تمہارا سوال کیا ہے۔ بولے غریب درویش ہوں۔ حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا غرباء کو اللہ اپنے گھر آنے کی اجازت کب دیتا ہے۔ بولے تو پھر مجھے اپنے ہی آستانہ پر ٹھیرا رہنے دے۔ فرمایا میں تو خود بادشاہ کے گھر رہتی ہوں۔ بولے مجھے شاہ کے یہاں ہی جگہ دلوا دے۔ فرمایا بھلا شاہوں کے یہاں فقیروں کا کیا کام کنیز کو غصہ آگیا بولی عجیب گستاخ درویش ہے کہ ملکہ سے بحث کئے چلا جاتا ہے۔ علی شاہ بولے کہ تیری ملکہ مجھ سے زیادہ ہوشیار ہے

کہ نہ مجھے خدا کے گھر جانے دیتی ہے۔ نہ اپنے یہاں رکھتی ہے اور نہ بادشاہ کے یہاں جانے دیتی ہے۔ نورجہاں کو اس پر بیساختہ ہنسی آگئی۔ اسی وقت ہزار روپئے نقد اور ایک جوڑی طلائی کڑے عنایت کئے۔

اس سے نورجہاں کے اخلاق پر کیسی تیز روشنی پڑتی ہے آج تو کوئی معمولی افسر سے بھی اس طرح گفتگو نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ملکہ ہند سے بھی ایسی گفتگو کی جائے اور وہ نہ صرف ہنس کر ٹال دے بلکہ انعام دیکر رخصت کرے۔ حقیقت میں نشان عظمت یہی ہے جو بیگم سے ظاہر ہوا۔

فضائل اخلاق

اُسے جو اقتدار حاصل ہوا خاندان تیموریہ میں کسی کو حاصل نہ ہوا اور اتنے بلند مرتبہ پر پہنچکر جس اخلاق اور نیکدلی کا ثبوت اس نے پیش کیا اس کی نظیر دنیا میں ڈھونڈھے بھی نہیں مل سکتی اس نے زندگی بھر اپنے اقتدار سے دنیا اور دنیا والوں کو فائدہ ہی پہنچایا کسی کی نقصان رسانی کے درپے نہ ہوئی۔ اگر وہ چاہتی تو اپنے شوہر ہی کے ہاتھوں اپنے مخالفین مہابت خاں اور اسی جیسے دوسرے با اقتدار امرا کا خاتمہ کرا سکتی تھی۔ مگر جہاں تک ہوسکا وہ اپنا دامن ظلم و زیادتی اور نقصان رسانی سے بچاتی رہی۔ اُسے مہابت خاں اور آصف جاہ کے ہاتھوں جو تکالیف اُٹھانی پڑیں وہ اس کی نرمی اور شرافت طبع ہی کا نتیجہ تھیں وہ خوب جانتی تھی کہ ان کے ارادے کیا ہیں مگر اسکا قلب برائی کی طرف رجوع ہی نہ ہوتا تھا اگر وہ چاہتی تو ایک گردش چشم میں مہابت خاں تو مہابت خاں آصف جاہ اور شاہجہاں تینوں کا وجود صفحہ ہستی سے مٹا سکتی تھی۔ اور سلطنتوں میں ایسا ہونا کوئی مستبعد امر نہ تھا۔ مگر وہ اپنی شرافت نفس سے مجبور تھی۔ بدخواہی اس کی فطرت ہی سے بعید تھی۔ ممتاز محل کی شادی خود اسی کی مرضی سے شاہجہاں کے ساتھ ہوئی۔ اس نے جس کے ساتھ جو کر سکتی تھی وہ کیا اور پوری شان و قوت سے کیا۔ تمام خاندان والوں اور

متوسلین کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ انتہائی عروج پر پہنچکر بھی اس میں ذرہ برابر غرور پیدا نہ ہوا۔ اب ملک مسعود سوداگر کی اس کے سامنے کیا حیثیت تھی مگر وہ تادم حیات اس کا ادب بیٹی ہی کی طرح کرتی رہی۔ اور جب وہ آتا اُسے بابا ہی کہکر پکارتی اور وہ بھی بیٹی ہی سمجھتا رہا۔ جب آتا اس کے لئے کوئی بیش قیمت تحفہ ضرور لاتا۔

ملک مسعود نے تو کوئی عہدہ قبول نہ کیا مگر اس کے بیٹے محمود کو وہ ہمیشہ نوازتی رہی۔ اس سے کثیر سامان خریدتی رہی اور ملک مسعود کا مقبرہ اس نے خود پچاس ہزار کے صرف سے بنوایا۔

مستجمع الصفات خاتون جہانگیر کی کئی بیویاں تھیں۔ وہ جہانگیر پر خود ہی زور دیتی رہتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ مساویانہ سلوک روا رکھے اور ان کے ساتھ خود بھی فراخدلانہ برتاؤ کرتی حقیقت یہ ہے کہ نور جہاں کو کسی نے ایک یگانۂ روزگار حسینہ اور ملکہ سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھا ورنہ یہ بہت بڑی چیز اور بہت بڑی ہستی تھی۔ اس محترم ملکہ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو روشن و درخشاں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے تمام دنیاوی نعائم و حسنات عطا کیں اور اس نے اُن کا بہترین فائدہ اٹھایا۔ خود بھی عیش منایا اور دوسروں کو بھی عیش کرایا۔ بڑا ہی خوش قسمت انسان ہے وہ جو عروج کی بلندیوں پر فائز ہو کر اپنی ہستی کو نہ بھولے۔ اور ہر حالت میں خدا کو یاد رکھے۔

ہمیں کسی خاتون کی زندگی اتنی بلند اور اتنی اسلامی نظر نہیں آتی جتنی کہ نور جہاں کی زندگی تھی صحت عقل، علم اور دولت اور وہ اساسی و بنیادی نعائم ہیں جو جس انسان کو مل جائیں اسکا عیش مکمل کر سکتی ہیں۔ نور جہاں کو یہ بھی ملیں اور ان کے ساتھ ہی ایک سیلاب نعائم اس پر امنڈ آیا۔ انتہائی حسین۔ انتہائی قابل۔ انتہائی دولت مند انتہائی اقتدار والی

طرف سے انتہائی اطمینان شوہر کو انتہائی محبوب۔ کون سا عیش تھا جو اُسے حاصل نہ تھا۔ پھر عیش دنیا حالت سے نکلکر ملا۔ اس پر اس کی دینداری و نیکدلی خداترسی و زندہ دلی خدا ہی جانتا ہے کہ وہ کیا تھی۔ اس کی زندگی ایک شاندار اور نورانی زندگی تھی جو ہر اعتبار سے قابل تقلید تھی۔

اورنگ زیب کی فاضلہ ورگا بیٹی

دولت و علم و فضل زیب النساء بیگم ۱۵ فروری ۱۶۳۸ء میں پیدا ہوئی شہنشاہ اورنگ زیب کی بڑی بیٹی تھی جو ملکہ دلرس بانو بیگم کے بطن سے تھی۔ میا بائی اس کی خدمت رضاعت پر مقرر ہوئی۔ چار برس کی عمر ہوتے ہی اسے ایک لائق معلم کے سپرد کر دیا گیا جس نے صرف سوا دو برس کے عرصہ میں اسے قرآن ختم کرایا اور آٹھ سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئی جس کی خوشی بڑی دھوم دھام سے کی گئی۔ معلم کو ہزار روپیہ انعام دیا گیا اور اس تقریب پر تمام فوجیوں کی دعوت کی گئی۔ اورنگ زیب خود بڑا فطرۃ شناس اور عالم متبحر تھا۔ اس نے بیٹی کی ذہانت دیکھکر متعدد فضلائے روزگار کو اس کی تعلیم پر مامور کیا۔ جنہوں نے نہایت محنت و توجہ سے اسے پڑھانا شروع کیا۔ یہ سلسلہ اٹھارہ سال تک اسی شان کے ساتھ قائم رہا۔ اس عرصہ میں زیب النساء بیگم جملہ علوم متداولہ میں کامل ہو گئی۔ فارسی۔ عربی۔ فقہ منطق۔ حدیث۔ ہیئت۔ فلسفہ۔ تاریخ اور ریاضی میں ید طولیٰ پیدا کر لیا۔ علم ہیئت میں اسے اتنی مہارت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اجرام فلکی کا مشاہدہ کر کے خود نتایج اخذ کر لیا کرتی تھی اور ان پر ایسی مدلل تقریر کرتی تھی کہ محلات کی بیگمات اسے سُنکر حیران رہجاتی تھیں زیب النساء بیگم نے تیرہ سال ہی کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ طبیعت موزوں تھی اس لئے

خوب کہہ لیتی تھی مگر باپ کے خوف سے جو کچھ کہتی اُسے پوشیدہ رکھتی محض اتفاق تھا کہ ایک روز ملا اشرف کی نظر اس کے کلام پر پڑ گئی جو اس کی تعلیم پر مامور تھے انہوں نے پوچھا کہ کیا یہ کلام آپ کا ہے۔ بولی جی ہاں کبھی کبھی کچھ کہہ لیتی ہوں۔ ملا اشرف نے فرمایا سبحان اللہ! آپ تو بہت اچھا کہہ لیتی ہیں۔ اگر آپ کوئی ہرج نہ سمجھیں تو مجھے دکھا لیا کریں۔ اس کے بعد سے زیب النسا بیگم ملا اشرف ہی سے اصلاح لینے لگی۔ اور آخر میں شہرۂ آفاق شاعرہ بن کر آسمان کمال پر آفتاب کی طرح چمکنے لگی۔

شاعرانہ کمالات زیب النساء بیگم کی شاعری کی دہوم ہندوستان کی حدود عبور کرکے ایران تک جا پہنچی۔ اس عہد میں شاعری فضل و کمال کے اظہار کا میدان تھی۔ اورنگ زیب کو شعر و شاعری سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور شاہی سرپرستی اسے حاصل نہ تھی تاہم تمام وزراء و امراء اور روساء میں اس کی بہت قدر تھی اور شعراء بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اس زمانہ میں غنی اور صائب چوٹی کے شاعر سمجھے جاتے تھے اور دنیا والے ان کے کلام کو سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ انہیں بھی زیب النساء بیگم کے معجزات شاعری کا نہ صرف یہ کہ اعتراف تھا بلکہ وہ اس کے سامنے اپنا عجز بھی تسلیم کر چکے تھے۔ اس نے کلیم۔ صائب۔ غنی اور حافظ شیرازی کی غزلوں پر اسی بحر میں جو غزلیں لکھیں وہ بقدر بلند۔ نازک اور پاکیزہ ہیں کہ منہ سے بیساختہ داد نکلتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُسے شاعری میں مجتہدانہ درجہ حاصل تھا اور خاص امر یہ کہ اس کی شاعری سوز و گداز اور درد و الم کی ایک زندہ تصویر تھی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نہ شد ۔۔۔ کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نہ شد
صد بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت ۔۔۔ غنچہ باغ دل ما زیب دستارے نہ شد

ان میں کتنا درد اور کتنی تڑپ موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک

طوفان ہے جو امنڈتا چلا آتا ہے۔

اے آبشار نوحہ گر از بہر کیستی؟ — چین بر جبین فگندہ ز اندوہ کیستی
آیا چہ درد بود کہ چوں ما تمام شب — سر را بسنگ می زنی و می گریستی

شعراء کی سرپرستی

اسکا دیوان کہا جاتا ہے کہ کسی حوض میں گر کر ضائع ہو گیا۔ بعض دیوان مخفی کرامی کا دیوان بتلاتے ہیں کہ اس کا تخلص بھی مخفی ہی تھا۔ اورنگ زیب کو تو شاعری سے کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں۔ اسی لئے دربار میں ملک الشعراء کا جو عہدہ ابتدا سے چلا آرہا تھا وہ اس نے توڑ دیا تھا۔ مگر زیب النساء بیگم کے ذوق و قدردانی نے اس کمی کو بھی پورا کر دیا تھا۔ اور اس کی سرپرستی نے پرانی خاندانی روایات کو پھر از سر نو زندگی عطا کر دی تھی۔ اورنگ زیب نے بھی شعراء کی قدردانی کے لئے اب اورنگ زیب کی بیٹی موجود تھی اور اب اس کے دربار میں شعراء کا ہجوم رہتا تھا برابر مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ مختلف مواقع پر شعراء زیب النساء بیگم ہی کے دربار میں قصیدے لکھکر پیش کرتے۔ وہ پس پردہ بیٹھکر قصائد سنتی اور نہ صرف داد دیتی بلکہ انہیں انعامات سے بھی مالا مال کرتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے شعراء کی بڑی قدر کی اور ہزارہا روپیہ انہیں دیتی رہی۔

اورنگ زیب بیٹی کی لیاقت و دانائی سے واقف تھا اس لئے نہ خود اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہتا تھا اور اسے نہ روکتا تھا۔ نعمت خاں عالی اس زمانہ کا ایک مشہور اور بلند پایہ شاعر تھا۔ مگر اورنگ زیب کے زمانہ میں شعراء کی ناقدری نے اسے بھی تہیدست کر دیا۔ جب بہت پریشان ہوا تو اس نے ایک مرصع کلغی زیب النساء بیگم کی خدمت میں ارسال کی اور جب وہاں سے کچھ دنوں تک کوئی جواب نہ آیا تو اس نے یہ رباعی لکھکر بھیجدی ؎

اے بندگیت سعادت اختراں — در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جبّہ خرید نیست پس کو زر من — ور نیست خریدنی بزن بر سر من

زیب النساء بیگم "بزن بر سر من" کا جملہ لکھتے ہی کے لئے ستک پھڑک اٹھی۔ اور اسی وقت پانچ ہزار روپیہ خزانہ سے نکلوا کر اسے بھجوا دیا۔

علماء وعلوم کی سرپرستی

زیب النساء بیگم شعراء ہی کی نہیں بلکہ ہر علم و فضل کے علماء کی قدردان تھی اور علم پروری اور علم دوستی میں نظیر نہ رکھتی تھی۔ اسی جذبہ علم دوستی کے ماتحت اس نے دہلی میں ایک شاندار دارالتصنیف بھی قائم کیا تھا۔ جس میں اس نے بڑے بڑے سرآمد روزگار اور مایۂ عصر فضلاء دور دور سے بلاکر بیش قرار مشاہروں پر مقرر کئے تھے۔ اس دارالتصنیف کے لئے کشمیر سے کاغذ تیار ہو کر آتا تھا۔ تفسیر کبیر کا ترجمہ بھی فارسی زبان میں یہیں ہوا تھا۔ زیب التفاسیر بھی اسی دارالتصنیف میں لکھی گئی۔ زیب النساء بیگم دارالتصنیف کے کام کو خود دیکھتی۔ بڑی بڑی نادرہ کار کتابیں یہاں تصنیف ہوئیں۔ اسی دارالتصنیف کے ساتھ ایک مہتم بالشان کتب خانہ اور دارالمطالعہ بھی تھا جس میں دنیا کی بہترین سے بہترین کتابیں موجود تھیں۔ مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ یہ کتب خانہ اتنا وسیع اور اتنا شاندار تھا کہ اس عہد میں ہندوستان کے اندر کیا غیر ممالک میں بھی کوئی اور اتنا بڑا کتب خانہ موجود نہ تھا۔ اس کے تمام مصارف زیب النساء ہی برداشت کرتی تھی۔

زیب النساء بیگم کو جو ملتا تھا وہ سب علمی سرپرستیوں ہی میں صرف کرتی رہی۔ اس کے پاس چار لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر تھی اس کے علاوہ جشنوں اور درباروں کے موقع پر بھی اسے باپ کی طرف سے بیش قرار انعامات ملتے رہتے تھے یہ سب وہ علمی و تعلیمی

امور پر صرف کر دیتی تھی۔ عہد مغلیہ میں علمی فروغ و ترقی کے لئے اگر کوئی منضبط کوشش ہوئی تو وہ زیب النسا بیگم ہی کے ہاتھوں ہوئی۔

اس کے زمانہ میں دہلی کے اندر حقائق و معارف کے دریا بہہ رہے تھے۔ درودیوار سے علمی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اقصائے عالم سے علماء اور فضلاء آکر دہلی میں جمع ہو گئے تھے۔ زیب النساء بیگم کا دربار ان فضلاء کا مرجع تھا اس کے دربار میں اس زمانہ کے یگانۂ عصر اور نادرۂ روزگار فضلاء موجود تھے۔ تیموریہ خاندان میں بڑے بڑے صاحب علم زن و مرد پیدا ہوئے مگر علوم و فنون میں جو منظم کوششیں زیب النسا بیگم نے کیں جو کارنامے اس سے ظہور میں آئے اور جو کمال اس نے پیدا کیا وہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔ اس سلسلہ میں اسے درجۂ اختصاص حاصل ہے

باغات و مطبخ

زیب النسا بیگم کو قدرت سے ذوقِ سلیم اور شستہ نداق حاصل ہوا تھا۔ وہ بہت لائق شہزادی تھی۔ اس نے اپنی جاگیر کا بھی نہایت اعلیٰ انتظام کیا تھا۔ اور باغات و چمن اور نفاست پسندی سے اُسے خاص لگاؤ تھا۔ سیاحت کشمیر نے اس کے نداق کو اور نکھار دیا تھا اور مناظر قدرت کے نظارہ نے اُسے بالکل مسحور کر کے رکھ دیا تھا۔ کشمیر میں اس نے ایک ایسے موقع پر ایک پرفضا باغ لگایا تھا۔ جہاں بہت سے آبشار اور چشمے بہہ رہے تھے۔ اس کے ارد گرد اس نے شاندار اور خوبصورت عمارتیں بھی تعمیر کرائی تھیں۔ اسے کشمیر ایسا پسند آیا کہ وہ کافی عرصہ تک یہیں رہی۔ وہاں سے لاہور آئی تو لاہور کی مرکزیت و فضا بھا گئی اور یہاں ایک وسیع اور عظیم بالشان باغ نصب کرا کر اس کے چوگرد اس نے مضبوط فصیل بھی بنوا دی۔ عین وسط میں ایک بارہ دری تعمیر کروائی۔ یہ شاندار باغ تو حوادث روزگار کی نذر ہو گیا مگر انارکلی کے بیرونی جانب

اس کے کچھ آثار ابھی تک باقی ہیں۔ اس زمانہ میں یہ باغ شکوہ و عظمت اور خوشنمائی و رعنائی میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔

اس کا مطبخ بھی بہت شاندار تھا۔ سردار عنایت اللہ خاں اس کے داروغہ مقرر تھے۔ سینکڑوں انسانوں کی پرورش اس کے مطبخ سے ہوتی تھی غرباء کو بھی وہ برابر کھانا تقسیم کرتی رہتی تھی وہ صنعت و حرفت کی بھی بہت قدردان تھی اس نے اپنے اہتمام میں ایک نہایت شاندار اور وسیع خیمہ ابرک کا بنوایا تھا جو بالکل شیشہ کا معلوم ہوتا تھا اور لطف یہ ہے کہ کمزور نہ تھا۔ یہ اس دور کی صناعی کا کامل نمونہ تھا۔

فضائل و اخلاق زیب النساء بیگم شاہجہاں کی پوتی اور اورنگ زیب کی بیٹی تھی جس شان و شکوہ کے ساتھ بھی رہتی کم تھا۔ مگر نہیں اس کی زندگی بہت سادہ اور زاہدانہ زندگی تھی۔ عین اسوقت جبکہ محلات میں زربفت و دیبا و حریر کے کپڑے زیر استعمال تھے اور بیگمات اور شاہزادیاں شاندار اور مغرق لباس استعمال کر رہی تھیں وہ محض سفید اور سوتی کپڑوں میں ملبوس رہتی تھی۔ کانوں میں دو سیدے ہاتھوں میں چار چوڑیاں اور گلے میں موتیوں کی ایک مالا یہ شہنشاہ اورنگ زیب کی فاضلہ روزگار بیٹی کی کل کائنات تھی تاہم وہ اپنی خواصوں کو کبھی مجبور نہ کرتی تھی جانتی تھی کہ سب کا ظرف یکساں نہیں اور جبیر خلاف شرع بھی ہے۔ وہ زرق برق لباس پہنے رہتی تھیں اور وہ انہیں اس عیش میں دیکھکر خوش بھی ہوتی تھی۔ البتہ اس کا دربار بہت پر تکلف بہت پر شکوہ اور بہت آراستہ تھا وہاں ہر قسم کی شان نمایاں تھی۔

سیرت و اخلاق کے اعتبار سے بھی زیب النساء بیگم بہت بلند تھی جود و سخا۔ بذل و عطا۔ سیر چشمی و ہمدردی۔ مروت و تواضع۔ خلق و شیریں بیانی۔ غرباء پروری و شفقت نوازی اور دینداری و مذہبیت میں اپنی

نظیر آپ تھی۔ قصوروں کو معاف کرنے والی۔ کریم النفس۔ خندہ پیشانی نرم طبیعت۔ غصہ کبھی آتا ہی نہیں تھا۔ کبھی کسی کو تکلیف نہیں دی۔ کبھی زندگی بھر کسی سے ناراض نہ ہوئی۔ کسی کی تکلیف دیکھ نہ سکتی تھی۔ سیرت کے اعتبار سے نورجہاں اور زیب النسا بیگم کو خواتین تیموریہ میں جو رتبہ حاصل ہے وہ کسی کو بھی نہیں۔ تلاوت قرآن سے عشق تھا۔ حقیقت میں وہ ایک صوفی منش بیگم تھی۔

قید وبند اور انتقال

شاہی میں فقیری اس نے کی ہے۔ کبھی خدا کو نہ بھولی۔ زہد و عبادت میں برابر مصروف رہی۔ باپ نے اس کی شادی کی بہت سعی کی۔ مگر اس نے گوارا نہ کیا اور ساری زندگی زہد و عبادت اور علم پروری و مسکین نوازی میں گزار دی۔ اسے بھائیوں سے بھی عشق تھا۔ جب شہزادہ محمد اکبر راجپوتوں کے بھرے میں آکر اور ۳۲ ہزار کا لشکر جرار لیکر دہلی کی طرف بڑھا تھے تو حالات نہایت نازک صورت اختیار کر گئے تھے۔ دہلی لشکر نہ ہونے سے دہلی والوں کو بھی سقوط دہلی کا یقین ہو گیا تھا۔ بڑی دقت سے یہ بلا ٹلی اور شہزادہ کے خیمے سے اور کاغذات کے علاوہ زیب النسا کے خطوط بھی گرفتار ہوئے۔ ان میں کوئی بات نہ تھی مگر امرا نے اس فقرے فقرے میں معانی پیدا کئے اور ظاہر کیا کہ دہلی کے حالات سے شہزادہ کو اسی نے مطلع کیا۔ اورنگ زیب کو بھی شبہ ہو گیا۔ چنانچہ جاگیر، سامان اور مال و اسباب سب ضبط ہو کر قلعہ سلیم گڑھ میں نظر بند کر دی گئی اور ساری عظمت خاک میں مل گئی۔ اس قید کا اسے بیحد صدمہ تھا۔ اس نے بڑی تکلیف بھی اٹھائی۔ مگر ایک سال کے بعد رہا ہو گئی اور پھر وہی اقتدار بحال ہو گیا۔ بے گناہی ثابت ہو گئی تھی مگر اس کے بعد اس کا دل بہت ٹوٹ گیا تھا اور وہ عبادت ہی

میں مصروف رہنے لگی تھی۔

آخر وہ (۶۵) برس کی عمر میں معمولی بخار سے فوت ہوگئی اور اپنی وصیت کے مطابق لاہور لیجا کر دفن کی گئی۔

شہزادی حسن و جمال اور نزاکت و رعنائی میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی عرب و ترکستان اور عراق و ایران تک اس کے حسن کا شہرہ تھا۔ بڑے بڑے شہزادوں اور امراء نے شادی کی سعی کی مگر کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ اس کے سراپا میں صد ہزار ادائیں اور نزاکتیں جلوہ گر تھیں۔ مجلات کے اندر حقیقت میں وہ ایک پری نظر آتی تھی اور اس کی سادگی میں ہزار بناؤ تھے۔ بہرکیف زیب النساء بیگم دنیا کی اُن مشاہیر خواتین میں سے ہے جنکا نام قیامت تک زندہ رہیگا۔ وہ علوم و فنون حقائق و معارف اور سیرت و صورت میں عدیم المثال خاتون گذری ہے۔ ایک فاضلہ روزگار اور شعلۂ نور بیگم تھی۔ بڑی درخشاں اور بڑی شاندار اور پاکیزہ زندگی بسر کی اور دنیا میں اپنے کارنامہ ہائے جلیل یادگار چھوڑ گئی۔ لیکن افسوس کہ ایسی نامور اور یگانۂ عصر شہزادی کا مقبرہ مسلمانوں کی بےحسی کی ایک زندہ تصویر بنا ہوا ہے۔

شاہجہاں کی یگانۂ عصر ملکہ

ولادت و عقد ارجمند بانو بیگم آصف جاہ وزیر اعظم جہانگیر کی بیٹی شاہجہاں کی بیوی اور اورنگ زیب کی ماں ہے۔ نور جہاں کی ایما سے اس کی شادی شاہزادہ شاہجہاں کے ساتھ ہوئی۔ دنیا کو نور و محبت کرنے والی پھوپھی نے لاکھوں روپیہ خرچ کردیا اور بڑی خوشیاں منائی۔ شاہجہاں نے حجلۂ عروسی میں پہلی مرتبہ اسکا نورانی چہرہ دیکھا اور اسی وقت سے ہزار جان سے اس پر شیدا ہو گیا اور زندگی بھر

اس کا والہ و شیفتہ بنا رہا۔ شادی کے کچھ ہی روز بعد دربار میں ولیعہدی کے متعلق سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھوپھی کی کوشش اور فطری خواہش یہ تھی کہ اسکا داماد شہزادہ شہریار ولیعہد مقرر کیا جائے۔ باپ اس کے شوہر اور اپنے داماد شاہجہاں کے لئے ساعی تھا۔ ارجمند بانو کی عمر گو ابھی زیادہ نہ تھی مگر وہ سب کچھ سمجھتی تھی اور جانتی تھی کہ پھوپھی پھر بادشاہ بیگم ہے اس کے اثر کے سامنے باپ کی نہ چلیگی۔ اور اُسے بادشاہ بیگم بننا نصیب نہ ہوگا۔ ویسے تو اُسے پھوپھی کی خدا ترسی کی طرف سے پورا اطمینان تھا کہ اس کی فطرت سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی کو نقصان پہنچائے اور اس سازش کے سلسلہ میں اس کے باپ یا شوہر کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچے مگر پھر آئین سلطنت اور اسا تذہ جہانبانی سے گوش آشنا تو ضرور تھی۔ یہ اندیشہ تو تھا کہ کل اگر شہریار فرمانروا ہو گیا تو وہ کیوں شاہجہاں کو زندہ چھوڑے گا۔

ایک حساس اور عقیل خاتون کے لئے یہ غم و اندیشہ بھی کچھ کم روح فرسا اور مسرت سوز نہ تھا مگر ارجمند بانو بیگم کو قدرت نے ایک غنی اور متوکل قلب عطا کیا تھا۔ وہ شوہر کی جان کو اللہ کے سپرد کر کے گونہ مطمئن ہو گئی تھی اور سمجھ لیا تھا کہ وہ اس کی ضرور حفاظت کرے گا۔

پچاس لاکھ روپیہ کی خیرات

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اسی دوران میں جہانگیر کا انتقال ہو گیا اور آصف جہاں نے نور جہاں کی اطلاع سے پیشتر شاہجہاں کو بلا کر سریر آرائے حکومت کر دیا۔ اب ارجمند بانو بیگم کی خوشی و مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا سجدہ میں گر گئی۔ پھر خزانہ میں پہنچکر جتنی اشرفیاں اس وقت موجود تھیں سب برآمد کرالیں اور انہیں کھڑے

کھڑے اپنے محبوب شوہر کے سر پر سے نچھاور کر کے فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیں اور کہا کہ یہ سلامتی جان کا صدقہ ہے۔ دوسرے سال شاہجہان نے آگرہ میں پھر ایک دربار کیا اور امرا و اعیان سلطنت کو بڑے بڑے انعامات تقسیم کیئے۔ اسی سلسلہ میں ارجمند بانو بیگم کو بھی پچاس لاکھ روپیہ ملا۔ ارجمند بانو بیگم نے یہ رقم خطیر وہیں خیرات کر دی۔ پچاس لاکھ کی رقم اور وہ بھی عہد سابق میں آج کے کروڑوں روپیہ کے برابر ہوتی ہے۔ مگر اس دریا دل بیگم نے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ کی اور سب غربا و مساکین کو تقسیم کر دی۔ اس کی فیاضیوں اور سیر چشمیوں کا کوئی حصر و شمار نہ تھا۔ آخر تو نورجہاں کی بھتیجی تھی۔ شاہجہاں سے اسے سولہ لاکھ روپیہ سالانہ ملا کرتا تھا مگر جس وقت اسکا انتقال ہوا ہے اس وقت اس کے خزانہ میں ایک پائی بھی موجود نہ تھی اور ہوتی کہاں سے جس کی بخشش کا یہ عالم ہو کہ وہ پچاس پچاس لاکھ روپیہ کھڑے کھڑے تقسیم کر دیتی ہو اور غربا و مساکین پر بیشمار روپیہ خرچ کرتی رہتی ہو۔ اس کے پاس بھلا روپیہ کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اس کتاب میں ہر قوم ہر زمانہ اور ہر مذہب کی خواتین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر غور سے دیکھنے پر صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس فیاضی و سیر چشمی اور غربا پروری و بیکس نوازی کی شاندار مثالیں مسلم خواتین میں نظر آتی ہیں اس کی نظیر اور کسی قوم میں ہرگز نہیں مل سکتی۔ یہ مسلمانوں کی خدا پرستی کا ثمرہ تھا کہ وہ بیکس نوازی میں اتنے دلیر اور دریا نوال تھے۔

علم و فضل

ارجمند بانو بیگم علوم و فنون میں بھی بہرۂ کامل رکھتی تھی۔ آصف جاہ کو اس سے حد درجہ محبت تھی۔ اس نے اسے نہایت محبت سے پرورش کیا تھا اور علم و فضل میں یکتائے زمانہ بنا دیا تھا۔ شعر و شاعری سے بھی خاص شغف تھا۔ افسوس ہے کہ ہمیں تلاش کے بھی اسکا کوئی شعر تو نہیں مل سکا البتہ اتنا پتہ لگا کہ وہ شعر کہہ لیتی تھی۔

اور اس عہد کے باکمال اور نامور شعراء کے دواوین اس کے زیر مطالعہ رہتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک روز وہ کسی دیوان کا مطالعہ کر رہی تھی تنہا تھی ایک شعر پہ نظر جو پڑی تو اتنا پسند آیا کہ اس پر از خود رفتگی طاری ہو گئی بے خودی کیفیت طاری ہو گئی جھومنے لگی اور شدت تاثر میں اس کی آواز بھی بلند ہو گئی۔ اسی عالم میں شاہجہاں اندر داخل ہوا۔ آواز دی کوئی جواب نہ ملا۔ وہ اندر چلا آیا۔ بیگم پر ایک جذبہ طاری تھا۔ شاہجہاں دیر تک بیگم کی محویت کا نظارہ مشتاق نگاہوں سے کرتا رہا۔ یکایک بیگم کی نظر جو اٹھی تو دیکھا کہ شہنشاہ برابر کھڑا ہوا ہے اور خاموش ہے۔ لرز گئی اور اس غیر متوقع تشریف آوری نے اُسے بدحواس کر دیا۔ گھبرا کر سرو قد کھڑی ہو گئی اور عرض کیا معاف فرمایئے مجھے علم نہ تھا کہ جہاں پناہ کھڑے ہوئے ہیں۔ مجھے ایک شعر کے مطالب و معانی نے بالکل از خود رفتہ بنا رکھا تھا۔

شاہجہاں نے کہا کہ کوئی بات نہیں۔ کئی روز ہو گئے تھے دیکھنے کو دل ترس گیا تھا۔ اس لئے بغیر اطلاع چلا آیا کہ کیا کروں تمہاری محبت نے مجھے بیقرار ہی اسقدر بنا رکھا ہے۔

فضائل و اخلاق اس طنطنہ و طمطراق کے باوجود کہ شہنشاہ کی محبوب ملکہ تھی۔ اس کے اندر غرور و تمکنت نام کو نہ تھی اور بہت مصروف زندگی گزارتی تھی۔ اس کے چند ہی کام تھے شوہر کی دلدہی و خدمت خانگی امور کا اہتمام شہزادوں کی تربیت و تعلیم اور مطالعہ کتب۔ اسکا کوئی لمحہ بھی بیکار نہ گزرتا تھا۔ مذہب کی بہت پابند تھی۔ زندگی میں کبھی ایک وقت کی نماز بھی اس شہنشاہ کی دولہا نیاں بیوی اور بادشاہ و ملکہ کی زندگی زہد و اتقا اور عبادت و خدا ترسی کی زندگی تھی ایک وہ وقت تھا کہ ہمارے شاہ اور ان کی بیگمات بھی مذہب کی پابند ہوتی تھیں اور ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ

ہوتی۔ یا آج یہ حالت ہے کہ غریب سے لیکر امرا تک مذہب سے بے پروا اور صوم وصلوٰۃ سے بے اعتنا ہیں۔ مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہرگز کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کے اقبال و عروج کا وہی عہد تھا جبکہ وہ مذہب کے سخت پابند تھے جب سے انہوں نے مذہب کو چھوڑا اُن کی ترقیوں نے بھی اُن کا ساتھ چھوڑ دیا۔

جب ارجمند بانو بیگم کا آخری وقت آیا تو اس نے شاہجہاں کو بلا کر کہا جہاں پناہ! اللہ کا احسان ہے میں کبھی اس وقت سے غافل نہیں رہی۔ خدا اور موت کو کبھی نہیں بھولی۔ معصیت کار تو ہوں لیکن دنیا سے ایمان سلامت لیکر جا رہی ہوں۔ آپ میری اولاد کا خیال رکھیں۔ شاہجہاں کو ملکہ کے ساتھ محبت نہیں عشق تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور اس کے مرتے ہی دنیا اس کی نگاہوں میں تیرہ و تار ہو گئی۔ پچاس لاکھ کے مصارف سے اس کی یادگار میں اس کا مقبرہ تاج محل کے نام سے تعمیر کیا جسکا دنیا آجتک نظیر پیدا نہ کر سکی۔ اسکا خطاب ممتاز محل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ملکہ انتہائی حسین و خوبرو، عقیل و دانا، و ہوشیار تھی۔ نیکدل، کریم النفس اور فیاض و مخیر تھی۔ نہایت شاندار زندگی بسر کی۔ ساری زندگی پورے عیش و کامرانی میں گذاری اور دنیا میں اپنی نیکنامی کی غیر فانی شہرت چھوڑ کر رہگذائے عالم بقا ہوئی۔

دودمان مغلیہ کی صاحبدل شہزادی

علم و فضل یہ شہرۂ آفاق اور نامور بیگم سنہ ۱۰۲۳ھ میں پیدا ہوئی شاہجہاں نے بیٹی کی ولادت کی مسرت میں روز برابر ضیافت و انعام کا سلسلہ جاری رکھا اور بڑے جشن منائے گئے نہایت ناز و نعم اور لاڈ پیار میں پلی بڑھی اور چار برس کی عمر ہوتے ہی تمام توجہات اپنی اسکی تعلیم پر مرکوز کردیں۔ جسکا نام جہاں آرا بیگم رکھا گیا تھا اور جو والدہ

جہاں آرا تھی۔ جہاں آرا کو آگے چلکر بہت نام پیدا کرنا اور شہرت دوام کا خلعت زیب بر کرنا تھا۔ اس لئے اللہ تعالی نے اسے ذہن بھی رسا عطا کیا تھا۔ ابھی وہ سولہ برس کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ وہ جملہ دینی اور دنیوی علوم کی فاضلہ بن گئی مگر مذہبیات سے اسے فطری لگاؤ تھا۔ اس لئے فقہ و حدیث اور تفسیر و قرآن میں اس نے خصوصاً حاصل کر لیا اور زندگی بھر تفقہ فی الدنیا اور زہد و عبادت میں مصروف رہی۔ بلاکی ذہین تھی طبیعت موزوں پائی تھی۔ عربی اور فارسی پر پورا عبور حاصل تھا۔ اس لئے اس نے شاعری کی طرف جو توجہ کی ہر تو عربی و فارسی شعراء کی زبان سے بیساختہ آفرین نکل گئی۔

تمام علمی اصناف میں اسے درجہ کمال پیدا ہو گیا تھا اور بڑے بڑے ادیب و شعراء اس کی نثر و نظم کی پختگی و رعنائی دیکھکر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ لیکن ملحوظ رہے کہ یہ پریجمال اور حور تمثال شہزادی تصوف و عرفان کی طرف زیادہ رجحان رکھتی تھی اس لئے اس کے کلام میں حسن و عشق کی چاشنی کا حصہ بہت کم ہوتا تھا۔ حمد و نعت زیادہ لکھتی تھی اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ لکھتی تھی۔ درد و سوز کا بھی ایک آتشکدہ اس کے قلب کے اندر روشن تھا اور روشن رہنا چاہیئے تھا کہ عشق ربانی نے اس کے سینہ کو پھونک کر رکھدیا تھا۔

پدری شفقت کا عظیم الشان مظاہرہ

شاہجہاں کے بیٹے بھی سب کے سب بڑے لائق و فائق تھے۔ لیکن پھر بھی شاہجہاں کے نزدیک جو بات جہاں آرا بیگم کی تھی وہ کسی کی نہ تھی۔ ایک تو یہ لیاقت و کاردانی میں کسی سے کم نہ تھی دوسرے دو اور بہنوں کے مرنے کے بعد تنہا یہ ایک ہی لڑکی رہ گئی تھی اس لئے باپ بھائیوں کی محبتوں کا تنہا مرکزی

نقطہ یہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسی محبت شاہجہاں کو اپنی اس فاضلہ روزگار نازنین بیٹی کے ساتھ تھی ایسی محبت بھی کم دیکھی گئی ہے اسے جہاں آرا سے محبت نہیں عشق تھا۔ اور ہر وقت اس پر قربان ہوتا رہتا تھا۔ اور واقعی اس میں خوبیاں اور رعنائیاں بھی ایسی ہی تھیں۔

جس وقت جہاں آرا بیگم جلی ہے اسوقت شاہجہاں کا کرب و اضطراب دیکھنے کے قابل تھا۔ کم از کم شاہی خاندانوں میں تو اس پدرانہ شفقت کی مثالیں بہت ہی کمیاب ہیں۔ اور یہ واقعہ تھا بھی اپنی نوعیت میں بہت دردناک اور غم افروز ۱۰۵۳ھ میں جہاں آرا کی سالگرہ کے دن دہلی کی فضا تبریک و تہنیت کے شادیانوں سے پوری گونج رہی تھی۔ شہر کا شہر دلہن بنا ہوا تھا۔ قلعہ اور محلات کی تزئین و آرائش فردوس بر زمین کا نظارہ پیش کر رہی تھی۔ جابجا مخملیں فرش اس کثرت کے ساتھ بچھے ہوئے تھے کہ کہیں زمین کا انچ برابر حصہ بھی دیکھنے میں نہ آتا تھا۔ دربار کی آراستگی کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف دیبا و حریر کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ جواہرات سے مرصع کرسیاں ہر طرف پڑی ہوئی تھیں۔ چند روز سے متواتر لاکھوں آدمی شاہی مہمانداری کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ہر طرف عنبری شمعیں روشن تھیں اور جہاں آرا ایک جواہر ٹکے ہوئے زرتار فرش پر بیٹھا کر رہین ادا کی جا رہی تھیں۔ ملکی اور فوجی افراد پر کثرت سے مشک و عنبر کی گولیاں پھینکی جا رہی تھیں۔

جس وقت جہاں آرا بیگم مسند زریں پر متمکن کی گئی ہے اسی وقت بیش قیمت موتی اس کے سر پر سے نثار کئے گئے۔ شاہجہاں کی آمد آمد کا جو شور بلند ہوا تو خواصوں کے ساتھ جہاں آرا بیگم بھی وفور محبت میں شمع ہاتھ میں لئے ہوئے باپ کے استقبال کو دوڑی اور ایک بیتابانہ شوق و آرزو کے ساتھ اس نے سب سے پہلے باپ کے قدم چومنے چاہے۔

جہاں آرا کو چشم زخم

اسی سعی میں اسکا دامن شمع کی لو پر جا پڑا۔ آن کی آن میں اس کے تمام کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ اور سینہ و شکم پر زخم ہو گئے۔ خواصیں دوڑ پڑیں اور اس آگ بجھانے ہی کی سعی میں چار خواصیں تو بالکل ہی جل گئیں۔

باپ اور شاہجہاں جیسا باپ تڑپ گیا۔ آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا یہ حالت تھی کہ اتنا بڑا فرمانروا یہ دیکھتے اور سنتے ہی جہاں تھا وہیں سر بہ زانو ہو کر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے یا تو ہر طرف چہل پہل تھی جشن ہائے مسرت کا ایک طوفان برپا تھا یا اس خبر وحشت اثر نے ہر طرف ایک سناٹا طاری کر دیا۔ قلعہ بھر میں کہرام مچ گیا اسی وقت حکیم داؤد اور حکیم مومن جیسے حاذق اور شاہی اطبا بلائے گئے پھر ایک مشہور ایرانی طبیب نے علاج کیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ شاہی اطبا نے جملہ امکانی مساعی کیں اور کامل پانچ ماہ کا عرصہ منقضی ہو گیا۔ مگر زخم نہ اچھے ہونے تھے اور نہ ہوئے۔ ظاہر ہے کہ شاہجہاں جیسے زبردست اور عظیم الشان شاہنشاہ نے معالجہ و تداوی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ہوگا۔ مگر اللہ کو منظور نہ تھا۔ اب شاہجہاں کے کرب و فکر کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر وقت بے چین رہتا تھا اور اس کے علاج سے مایوس ہو چکا تھا۔ ہمہ وقت غمگین و پژمردہ رہتا تھا سب کچھ بھول چکا تھا۔ اس مدت میں صرف دو بار دربار منعقد ہوا۔ یہ عالم تھا کہ اس نے اس دوران میں ایک روز بھی شکم سیر ہو کر کھانا نہ کھایا۔ نہ ہنسا اور نہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ روزانہ جانماز پر بیٹھ کر شب بیداری میں بہ الحاح اس کی صحت کے لئے دعا مانگتا رہتا تھا آخر خود جہاں آرا ہی کے ایک جان نثار غلام عارف نے بڑی محنت سے ایک مرہم تیار کر کے دیا جس کے لگاتے ہی وہ زخم جو خوفناک صورت اختیار کر چکے تھے [illegible] ہونے شروع ہو گئے اور چند روز

ہیں نہ صرف یہ کہ تمام زخم بھر گئے بلکہ بخار وغیرہ کی جو اور شکایات پیدا ہو گئی تھیں وہ بھی دور ہو گئیں۔

سیلاب زر و جواہر کی روانی اب آپ یہ اسلامی شان ملاحظہ فرمایئے کہ اس دوران میں شاہجہاں برابر صدقات دیتا رہا اور وہ بھی اس کثرت سے کہ روپیہ کنکری کر دیا۔ ہزار روپیہ روزانہ شب کو شاہزادی کے سرہانے رکھدیا جاتا تھا جسے دوسری صبح خیرات کر دیا جاتا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ روپیہ تو اس طرح خیرات ہوا۔ ساٹھ ہزار روپیہ اسی وقت جبکہ وہ جلی تھی سر سے اتار کر غربا اور مساکین کو تقسیم کر دیا گیا تھا۔

جب صحت ہوئی ہے تو اس کی خوشی میں لاکھوں روپیہ تقسیم کیا گیا شاہجہاں کی خوشی و شادمانی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ایک عظیم الشان جشن کیا جس میں بکثرت روپیہ انعام و خیرات کے طور پر تقسیم کیا گیا۔ اور یہ کیا دو روز برابر روپیہ کی ایک بارش تھی جو شدت کے ساتھ برستی رہی۔ جس وقت جہاں آرا غسل صحت کر کے شفیق باپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہے تو اسی وقت شاہجہاں نے بیش بہا موتیوں کا ایک طباق بھر کر اس کے سر پر سے نچھاور کیا۔ یہ موتی ایک کروڑ روپے سے کسی طرح کم قیمت کے نہ تھے۔ پھر فرط محبت سے اس کی پیشانی کو چوما اور شفقت کے ساتھ اپنے برابر بٹھالیا۔ اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ پھر اسی وقت جہاں آرا کو سونے سے تلوایا اور اسے فقرا و ضعفا کو تقسیم کر دیا۔ تاریخ منتخب اللباب میں لکھا ہے کہ جہاں آرا بیگم کی سالگرہ اور صحت کی خوشی کے مواقع پر شاہجہاں نے جو جشن مسرت کئے ان میں (۸۸) لاکھ روپیہ تو صرف خزانہ عامرہ سے خرچ ہوئے ان میں جواہرات اور موتیوں کی قیمت کا کوئی حصر و شمار نہیں۔ پھر اس روپیہ میں وہ روپیہ بھی شامل نہیں جو ارجمند بانو بیگم اور شاہجہاں اور شاہزادوں نے صرف خاص سے ان مواقع پر خرچ کیا۔

غلام حارث کو جس کے مرہم نے صدہا دوسرے مرہموں کو اپنے سامنے ہیچ کر کے رکھ دیا تھا طلائی ساز و سامان سے ایک آراستہ گھوڑا اور ایک خلعت فاخرہ عطا ہونے کے علاوہ وہ تمام سونا بھی دیدیا گیا جس سے اسے تلوایا گیا تھا۔ حکیم داؤد ایرانی کو بھی علاج کے سلسلہ میں ایک آراستہ ہاتھی طلائی ساز و سامان کے ساتھ۔ ایک گھوڑ (۵۰۰) تولہ سونا اور منصب دو ہزاری عطا ہوا۔ حکیم موسیٰ کو ۴۰۰ ہزار سالانہ ملتے تھے اسے ہزاری منصب ملا

کروڑوں روپیہ کی خیرات

اس زمانہ میں بادشاہ بیگم نے بھی غسل صحت کیا تھا۔ جب یہ بیگم سلام کے لئے حاضر خدمت ہوئی تو شاہجہاں نے اس کے سر پر سے بھی ایک لاکھ روپے کے جواہرات و موتی اتار کر صدقے میں دیئے اور دیگر بیگمات نے بھی طلائی و نقرئی پھول نچھاور کئے۔ جس وقت شاہجہاں دربار سے اٹھا ہے تو اس نے پانچ لاکھ روپیہ کی موتیوں کی مالا اس کے گلے میں ڈالدی۔ آجکل کے حساب سے شاہجہاں نے شاہزادی کے علاج اور صحت کی خوشی میں جو کچھ خرچ کیا وہ کسی طرح ایک ارب روپیہ سے کم نہیں۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ شاہجہاں کی دولت کا کوئی حد و شمار نہیں تھا۔ دہلی والوں کی دولت کا کیا حال ہوگا جس شہر کے غرباء کو صحت سال کے اندر اندر ایک ارب مل جائے اس کے امراء کی کیا حالت ہوگی۔ امریکہ آج کروڑ پتیوں کا ملک کہلاتا ہے مگر وہاں نادار اور غریب بھی بکثرت موجود ہیں مگر ہندوستان کے اندر عہد اسلامی میں کوئی غریب ہی نہ تھا اور بیشمار کروڑ پتی موجود تھے مسلمانوں کی دولت کبھی یکجا جمع نہیں ہوئی بلکہ وہ کسی نہ کسی صورت میں برابر تقسیم ہوتی رہی۔ یہ چیز آپ کو مسلمانوں کے سوا اور کہیں نظر نہ آئیگی یہاں زکوٰۃ تو رہی ایک طرف صدقات و خیرات ہی کے بہانے کروڑوں روپیہ عوام میں تقسیم ہوتا رہا ہے۔

مسلمان اللہ کی راہ میں جتنا زیادہ خرچ کرتے تھے اللہ انہیں اتنا ہی زیادہ دیتا تھا۔ آج کی طرح اس عہد میں حیوانیت و بہیمیت نہ تھی کہ اپنے مفاد کے سامنے دوسروں کے راحت و رنج کی پرواہ ہی نہ کی جائے اس وقت شاہ و گدا سب خدا ترس تھے۔

صرف اس خرچ اور گھر باری ہی سے آپ جہاں آرا کے ساتھ شاہجہاں کی محبت کا اندازہ نہ لگائیے۔ وہ ہر اعتبار سے اس کے ساتھ محبت کرتا تھا جو بات محلات میں اس کی تھی وہ اور کسی کی نہ تھی۔ جہاں کسی کی سفارش کارگر نہ ہوتی تھی وہاں جہاں آرا بیگم کی ضرور چل جاتی تھی۔ زندگی بھر اس نے کبھی شہزادی کی کوئی سفارش رد نہیں کی۔

جہاں آرا کی محبت کے مظاہر عجیبہ

بندرگاہ سورت کا ایک با اختیار افسر محمد امین اس لئے گرفتار ہو کر شاہجہاں کے دربار میں آیا کہ اس نے اپنے ظلم و ستم سے رعایا کو مبتلائے مصائب بنا رکھا تھا اور شکایت کی سرکاری تحقیقات پر اس کا ظلم ثابت ہو گیا تھا۔ شاہجہاں نے اس کے قتل کا حکم صادر کر کے اُسے جیلخانہ بھیج دیا اس کے اعزا و اقربا نے اس کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو یہ لوگ جہاں آرا بیگم کے دربار میں پہنچے۔ بندرگاہ سورت جہاں آرا بیگم کی جاگیر تھی اس لئے وہ لوگ بہ آسانی اس تک پہنچ گئے اور انہوں نے تملق و خوشامد کر کے شاہزادی سے ایک سفارشی خط شاہجہاں کے نام حاصل کر ہی لیا۔ شاہجہاں محمد امین کے قصور کی اہمیت و خوفناکی کو خوب سمجھتا تھا مگر وہ اپنی پیاری بیٹی کی سفارش کو مسترد کر کے اس کی دلشکنی کو بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اسی وقت اس کی سزائے قتل کو سزائے قید سے مبدل کر دیا اور جہاں آرا سے جا کر کہا: "بیٹی اب تم اپنی نیکدلی سے سفارشوں میں احتیاط

مستعد ہوگئی ہو کہ جرائم کی نوعیت پر بھی غور نہیں کرتیں۔ مجھے تو ضرورت نہ ہوگا کہ میں تمہاری کسی سفارش کو مسترد کردوں مگر تم بھی تو سفارش کرنے سے پہلے غور کر لیا کرو۔ یہ محمد امین اتنا ظالم اور خدا نا ترس ہو کہ اس نے اللہ کے بندوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا اور اتنا ظلم کیا تھا کہ رعایا مجبور ہوگئی تھی۔ کہ وہ اس کے مطالبات جس طرح ہوسکے پورے کرے انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بچے نصرانیوں تک کے ہاتھ فروخت کئے۔ ایسے شخص کو چھوڑنے اور معاف کرنے سے یہی نہیں کہ رعایا پر ظلم ہوگا۔ بدنامی ہوگی بلکہ خود بھی ناراض ہوگا۔

جہاں آرا بیگم کو اپنی غلطی کے تسلیم و اعتراف میں کبھی کبھی کوئی عذر نہ ہوتا تھا۔ اس نے اسی وقت اس پر اپنی طرف سے معذرت کر دی

اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ شاہجہاں کو جہاں آرا سے کسقدر محبت تھی اور وہ اس کی ناجائز اور ناروا سفارش کو بھی رد نہ کرتا تھا۔

شاہزادہ کی سفارش

اسی طرح ایک دفعہ شاہجہاں شاہزادہ اورنگ زیب سے سخت ناراض ہوگیا۔ بڑے بڑے با اقتدار وزراء اور امراء تک نے سفارشیں کیں مگر اس کے پرکاہ جتنی بھی پرواہ نہ کی۔ مجبور اور پریشان ہو کر شاہزادہ اور بیگمات نے شاہزادی کو بھیجا۔ اس نے باپ سے جا کر بھائی کی سفارش کی۔ اڑ گئی اب شاہجہاں موم تھا۔ نہ صرف یہ کہ اس کا قصور معاف کر دیا بلکہ پنجہزاری منصب بھی عطا کر دیا اور اسی وقت دس ہزار سوار اس کے سپرد کر کے اسے اس کی جاگیر میں بھیج دیا۔

اورنگ زیب بھی بڑا احسان پذیر اور حق شناس فرمانروا گذرا ہے۔ وہ بہن کے اس احسان کو جیتے جی نہ بھولا اور شاہجہاں کے

...... مرنے کے بعد بھی اس نے اس کی قدر و منزلت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ باپ سے اُسے بھی ایسی ہی محبت تھی جب اورنگ زیب نے شاہجہاں کو قلعہ آگرہ میں نظر بند کیا ہے تو جہاں آرا بیگم نے یہ ہرگز گوارا نہ کیا کہ باپ وہاں تنہا رہے۔ وہ باپ ہی کے پاس آگرہ میں رہی اور سات برس جب تک کہ وہ زندہ رہا اس نے ایک روز کے لئے بھی اسے تنہا چھوڑ کر دلی آنا نہ چاہا۔ واقعی جیسی محبت ان باپ بیٹیوں میں تھی ایسی محبت دنیا میں کم دیکھی گئی ہے۔

جہاں آرا بیگم یہی نہیں کہ ایک فاضلۂ روزگار اور یگانۂ عصر شہزادی تھی اور بیرونی ممالک تک اس کی شہرت کا آوازہ پہنچ گیا تھا بلکہ وہ انتہا درجہ کی غربا پرور، شرفا نواز اور بیکس دوست بھی تھی اُسے زندگی میں باپ سے لاکھوں روپیہ سالانہ ملتا تھا اور وہ یہ تمام کی تمام رقوم غریبوں، دردمندوں، مصیبت زدوں اور بیکسوں میں تقسیم کرتی رہی

درباری امرا تک اس کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے تھے مشرقی ممالک میں ہر جگہ اس کی عزت و شہرت تھی۔ اتنی عقیل و فرزانہ بھی تھی کہ بڑے بڑے پیچیدہ اور نازک معاملات کو آن کی آن میں حل کر کے رکھ دیتی تھی۔ سیاسیات اور ملکی معاملات کو بھی خوب سمجھتی تھی۔ یہی وجہ تو تھی کہ شاہجہاں جو کام کرتا تھا اپنی اس عقیل اور لاڈلی بیٹی سے مشورہ ضرور لے لیتا تھا۔ اُسے امرا بھی جانتے اور سمجھتے تھے۔ زر و جواہر میں لوٹتی اور کھیلتی رہتی تھی۔ ماں باپ اور بھائی سب اس پر قربان تھے شاہجہاں بھی...... اسیر اپنی جان نچھاور کرتا رہا اور اس کے بعد اورنگ زیب بھی اس کے کہنے پر عمل کرتا رہا۔ مگر سعادت دیکھئے کہ اس لاڈ پیار اس ناز و نعم اور اس عشق و محبت نے اس کے

اندر ذرہ برابر غرور و تمکنت بھی پیدا نہ ہونے دی۔ جتنا اقتدار بڑھتا گیا
ہی اس کی منکسر المزاجی اور خاکساری سرعت کے ساتھ ترقی پذیر ہوتی گئی
وہ درحقیقت راہ طریقت کی راہرو تھی۔ تصوف

تصوف و عرفان

کی چاشنی نے اسے از خود رفتہ بنا رکھا تھا۔ زہد و
عبادت میں زندگی بسر کرتی تھی۔ اور اسی لئے اس نے شادی کی طرف
توجہ نہ کی۔ وہ خاندان چشتیہ میں باقاعدہ مرید ہو چکی تھی۔ جب اس نے
بزرگان دین اور اولیائے کرام کے حالات کا مطالعہ کیا۔ بے مثل عالم
تھی۔ تصوف کی حقیقت پر غور کیا تو اس کے دل کی دنیا ہی بدل گئی
اس نے انتہائی سعی کی کہ کسی طرح سے درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء
میں قبر کے لئے وہ جگہ مل جائے جہاں اب وہ دفن ہے اور حضرت
نظام الدین اولیاء اور حضرت امیر خسرو کے مابین خالی جگہ میں کسے
مدفون ہونے کی سعادت حاصل ہو۔ یہ جگہ بہت متبرک تھی اور یہاں
کسی کی اور علی الخصوص کسی رکن خاندان شاہی کی قبر کا بننا من
قبیل غیر ممکنات تھا۔ وہ شاہزادی تھی ملک اس کے باپ بھائی کا
تھا۔ چاہتی اور ذرا آنکھیں دکھاتی تو پھر کسی کی مجال نہ تھی۔ جو کوئی
انکار کر سکتا لیکن یہ صورت گستاخانہ اور باعث وبال و عتاب تھی۔ وہ
بہ رضامندی اسے حاصل کرنا چاہتی تھی اور اس پر کوئی ہرگز راضی
نہ ہوتا تھا۔ آخر اس نے اپنی زندگی بھر کا اندوختہ لیکر اور تمام مال و متاع فروخت کر کے تین
کرور روپیہ کی رقم درگاہ کے مجاوروں اور خادموں اور متولیوں کے
سامنے ڈال دی۔ انہیں مالا مال کر دیا۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی کہ بادشاہوں
کی نیت میں بھی انقلاب پیدا کر سکتی تھی۔ تو پھر خدام کیسے آخر رضامند
ہو گئے اور جہاں آرا کو یہ جگہ مل گئی اور وہ وہیں مدفون ہوئی۔
اسے بزرگان چشت سے اعتقاد دلی بہت تھا اور اس لیے

اپنی زندگی ہی میں مجھ بھی بنوا لیا تھا۔
باطنی تعلیم مرید ہوتے ہی اس نے راہ سلوک کے مراحل طے کرنے شروع کر دئے کہ وہ محض نام اور برکت کے لئے مرید نہ ہوئی تھی بلکہ مریدی سے اسکا وہی مقصد تھا جو ہر مرید کا ہونا چاہئیے کہ وہ "صاحب الیمین" کی ذیل سے نکلکر "اولئک المقربون" کے زمرے میں شامل ہو جائے "تقرب الی اللہ" حاصل کرے روحانیت کی دنیا میں پرواز کرے اور دل کی آنکھ سے وہ دیکھے جس کے دیکھنے کے بعد ہفت اقلیم کی شاہی اور اس کی تمام زینتوں اور آرائشوں کے دیکھنے کی بھی پھر کوئی آرزو کسی کو باقی نہیں رہتی اور جس کی محض ایک جھلک میں وہ سرشاریاں ہیں جنپر صد لاکھ دنیوی عیش کامرانیاں اور صد ہزار لطف و لذت یابیاں بہ آسانی قربان کی جاسکتی ہیں۔ اس کا سینہ پہلے ہی سے صاف تھا۔ اس کے قلب میں کوئی تاریکی نہ تھی۔ تیل بتی سب کچھ موجود تھا صرف کسی روشن کرنے اور چراغ کو جلا دینے والے کی ضرورت تھی وہ مل گیا۔ چراغ روشن ہو گیا۔ اور جہاں آرا بیگم اس چراغ کی ضیا بار روشنی میں "تماشائے دو عالم" کرنے لگی۔
لطائف وسلطان الاذکار منازل جلد جلد طے کر کے وہ کلمہ پر پہنچی اور وہاں سے بڑھ کر "فنائیت" کے بلند مقامات طے کرنے شروع کر دئے "پروازیں" شروع ہو گئیں۔ مشاہدے ہونے لگے۔ حجابات اُٹھتے چلے گئے۔ اس راہ کی ترقی و عروج کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے تو اس عہد کے بزرگ جانتے ہوں گے یا خود جہاں آرا بیگم واقف ہوگی کہ اس نے کس حد تک روحانیت میں ترقی کی اور اسکا مقام کیا تھا۔ مگر ضرور ہے کہ اس نے ترقی کی اور اچھی ترقی کی۔ شوق دل میں ہو اور انسان محنت کرے اور شیخ کامل نصیب ہو جائے تو فضل الہیٰ سے انسان

کیا کچھ نہیں کرسکتا جہاں آرا بیگم کو سب چیزیں حاصل تھیں اس نے محنتیں بھی کیں اور تصوف میں ایک رتبہ حاصل کر لیا۔ وہ بڑی پر شکوہ شہزادی تھی۔ مگر بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ وہ صوفی اور فقیر بھی تھا۔

جوار فقرا میں مزار

اور یہ فقر و تصوف کچھ ایسی ہی لذیذ و سرشار شے ہے کہ شاہزادی کو عہد شاہجہانی کے ہر یار نعائم میں بھی وہ لطف نہ آیا تھا جو اس فقر و عرفان میں نصیب ہوا۔ اس کے لوح مزار پر یہ شعر آج بھی کندہ ہے:

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

"مجھ غریب" کی قبر پوشی کے لئے سبزہ ہے اور گھاس کے سوا اور کسی چیز اور شے کی ضرورت نہیں کہ یہی بہت کافی ہے "غریب"، اور شاہجہاں کی پروردہ نعم بیٹی جس نے اپنی قبر کے جگہ کے لئے اتنی بڑی اور خطیر رقم خرچ کر دی جتنی کہ آج تک دنیا میں خرچ کرنے کا کوئی تصور بھی نہ کرسکا اگر وہی "غریب" ہوسکتی ہے تو پھر قیامت تک کسی کو امیر کہلانے کا کوئی حق ہی نہیں پہنچتا مگر ——— یہ اب کسی کو کیا معلوم کہ اس نے روحانی دنیا میں قدم رکھ کر کیا دیکھ لیا تھا اور کس دولت پر اس کی نظر پڑ گئی تھی کہ اسے اپنی ہستی بالکل ہیچ نظر آنے لگی۔ اس نے مونس الارواح کے نام سے ایک معرکہ آرا کتاب بھی لکھی ہے جو تصوف میں بڑی بلند مرتبہ چیز ہے۔ بہر کیف جہاں آرا دنیا کی اُن مشاہیر خواتین میں بھی ممتاز درجہ کی حامل ہے جنھوں نے دنیا میں ناموری پیدا کی۔ وہ وا ایک مستجمع الصفات خاتون تھی جسے ابدی شہرت حاصل ہے۔

مہ جمال دروپدی

سوئمبر کا دلچسپ منظر دروپدی شمالی ہند کے ایک راجہ کی ماہ پیکر بیٹی تھی جو حسن و جمال اور نازنینی و ناز آفرینی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی اور جسم نازنین سے ہر وقت خوشبو کی لپٹیں نکلتی رہتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جس وقت اس کے سوئمبر کا اعلان ہوا ہے تو ملک بھر کے راجہ اور راجکمار اسے حاصل کرنے کی آرزو میں امنڈ آئے۔ سوئمبر کا منظر بھی بہت شاندار تھا۔ باجوں کی سُریلی آوازوں سے ساری فضا گونج رہی تھی۔ گلاب اور کیوڑے کے فوارے چھوٹ رہے تھے اور زیبائش و آرائش میں پوری سلیقگی کے ساتھ کام لیا گیا تھا عین وقت پر راجکماری دروپدی ایک پر تکلف اور مرصع لباس پہنے دست نازنین میں طلائی ہار لئے ایک ادائے مستانہ کے ساتھ آئی اور ایک تخت پر بیٹھ گئی رعب حسن سے سب کے سر جھک گئے اور انہوں نے اس کے حسن کی تعریف شروع کی جسکا دروپدی نے بتبسم قلب سے شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد اعلان ہوا کہ اس چکر کھاتی ہوئی مچھلی کی آنکھ میں جو تیر مار دیگا وہ دروپدی کا شوہر بنے گا۔ بہت سے راجکماروں نے قسمت آزمائی کی مگر کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔

اب کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی اور ہر طرف ایک یاس آمیز سکوت طاری تھا۔ اتنے میں ایک نوجوان برہمن ارجن آگے بڑھا اور اس نے پہلے ہی تیر میں مچھلی کی آنکھ چھید دی۔ ادھر ایک تڑاقے کی آواز پیدا ہوئی اور ادھر تالیوں کی آواز سے ساری فضا گونج اُٹھی۔ دروپدی نے ایک برق پاش تبسم کے ساتھ اس کے گلے میں ہار ڈالدیا۔

دریودھن کا جوا - ارجن مہاراجہ پانڈے فرمانروائے ہستناپور

کا بیٹا تھا۔ کل پانچ بھائی تھے۔ یودھشٹر، بھیم، ارجن، نکل اور سہدیو۔ دریودھن کے باپ دھرتراشٹ نے اپنے ان بھتیجوں کا علاقہ بھی چھین لیا تھا اور چونکہ وہ نابینا تھا اس لئے اس کی طرف سے دریودھن ہی حکومت کر رہا تھا اور یہ پانچوں شہزادے جو تخت کے حقیقی وارث تھے ادھر ادھر گھومتے پھر رہے تھے۔ جب دروپدی کے باپ راجہ دروپد کو یہ معلوم ہوا کہ ارجن شہزادہ ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور اس کی امداد سے یہ پانچوں شہزادے ہستناپور کے علاقے کے نصف حصہ پر قابض ہو گئے۔

اب دروپدی رانی تھی اور اس کی زندگی بڑے عیش کے ساتھ گذر رہی تھی۔ اس کے چار بچے بھی پیدا ہوئے۔ یودھشٹر تخت و تاج کا مالک تھا اور چاروں بھائی اس کے دست و بازو۔ دریودھن فطری طور پر کینہ پرور اور بدباطن شخص تھا اور یدھشٹر کی ہر دلعزیزی اسے انگاروں پر لٹا رہی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں جوا کھیلنا کوئی معیوب امر نہ تھا۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے تفریح کے لئے جوا کھیلا کرتے تھے یدھشٹر کو جوے میں کمال حاصل تھا اور ہستناپور کے ایک مکان میں جو سو ستونوں پر قائم تھا امراء اور رؤسا جوا کھیلا کرتے تھے۔ دریودھن نے پانسوں میں خفیہ طور پر سیسہ پلا دیا اور یدھشٹر کو جوے کی دعوت دی۔ اس عہد میں جوئے اور جنگ سے انکار بڑی بزدلی سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے انکار نہ کیا جا سکا اور جوا شروع ہو گیا۔

یدھشٹر کی ہار

قسمت میں گردش تھی یدھشٹر برابر ہارتا گیا۔ خزانہ محلات، فوج اور ملک سب ہار بیٹھا۔ ہر چیز اس کے قبضے سے نکل چکی تھی۔ دروپدی نہایت حسین تھی اور دریودھن خوب سمجھتا تھا کہ یہ بھی ایک گنج گرانمایہ سے کم نہیں۔ بولا اب کیا ارادہ ہے۔ دروپدی کو بھی داؤ پر لگا دو۔ سب تماشائی یہ سنکر سناٹے

میں آ گئے مگر یدھشٹر نے یہ سمجھ کر کہ شاید اسی کی قسمت سے جیت جاؤں اسے داؤ پر لگا دیا اور ہار گیا۔ اب تو دریودھن کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس نے فوراً نخوت میں حکم دیا کہ دروپدی کو گھسیٹتے ہوئے لے آؤ۔ میری کنیزوں کے ساتھ رکھو اور جھاڑو دینے کی خدمت اس کے سپرد کرو۔ دروپدی کو پہلے تو یقین نہ آیا کہ یہ حکم دیا گیا ہوگا۔ دو دفعہ اس نے آنے سے انکار کر دیا۔ تیسری بار دوشاسن اسے گھسیٹتا ہوا دربار میں لے آیا اور عین دربار میں اس کی قیمتی ساری کھینچ کر اسے برہنہ کرنا چاہا جس سے اس کا سر و سینہ و بازو عریاں ہو گئے۔ قریب تھا کہ وہ دربار ہی میں برہنہ کر دی جائے کہ ایک طرف تو ودر ترش رو چیختا ہوا دربار میں آیا اور دوسری طرف بھیشم پتامہ نے آنکھیں دکھائیں۔ دربار بھر میں ایک کھلبلی مچ گئی اور شدید جوش پیدا ہو گیا۔ آخر یہ فیصلہ قرار پایا کہ دروپدی ان کے حوالے کر دی جائے اور یہ بارہ برس تک جلاوطنی کی زندگی بسر کریں۔

بیکسانہ جلاوطنی اس جلاوطنی میں دروپدی ان شہزادوں کے ساتھ رہی اس نے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں مگر اُف نہ کی بلکہ الٹا انہیں ہی سمجھاتی اور تسکین دیتی رہی۔ اس کے لئے سب سے بڑی مسرت ارجن کی رفاقت تھی۔ ایک مرتبہ دروپدی جنگل میں تنہا بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک جنگلی سردار کی نظر اس پر پڑ گئی۔ ہزار جان سے عاشق ہو گیا اور راون کی طرح اسے اٹھا لے گیا۔ پانڈوں نے کچھ عرصہ بعد بڑی سعی و جہد سے اسے چھڑایا۔ بن باس کے بارہ برس ختم ہونے پر نصف راج کے لئے مطالبہ کیا گیا۔ مگر دریودھن نے صاف کہہ دیا کہ میں تو سوئی کے ناکے کی برابر بھی زمین نہ دوں گا۔

آخر دریودھن (کوروں) اور یدھشٹر (پانڈوں) میں تھانیسر کے میدان میں ایک خوفناک جنگ ہوئی جو مہابھارت کے نام سے مشہور ہے اور جس میں ہندوستان بھر کے قریب تمام راجے مہاراجے

شریک تھے۔ حضرت کرشن جی نے پانڈوں کا ساتھ دیا کہ یہ حق پر تھا اور عملاً انہی کی شمولیت اس جنگ کی کامیابی کا باعث بن گئی۔ یدھشٹر بڑے شان و شکوہ کے ساتھ سریر آرائے حکومت ہوا۔ وقت تھا کہ اب دروپدی عیش و سرور کی زندگی بسر کرتی مگر چونکہ دروپدی کے گرو ہی کے بیٹے اسوتھاما نے دریودھن کی خوشنودی کے لئے دروپدی کے لڑکوں کے سر دھڑ سے کاٹ لئے تھے اس لئے اس کی تمام مسرتیں فنا ہو چکی تھیں۔ پانڈو بھی اس لئے رنجیدہ تھے کہ ان کے تمام دوست احباب اعزا و اقارب اس جنگ عظیم کا ایندھن بن گئے تھے اور لاکھوں انسانوں کا خون بہہ گیا تھا چنانچہ ہند و روایت کے مطابق یہ اتنے دل شکستہ ہوئے کہ کچھ سال سلطنت کرنے کے بعد و فور غم میں ہمالیہ پر چلے گئے۔ جہاں سب کے سب برف میں گل کر فنا ہو گئے۔ دروپدی نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ کے رواج کثرت بعولی کی بناء پر دروپدی پانچوں پانڈوں کی بیوی تھی۔ بہرکیف حقیقت کچھ ہو دروپدی عہد قدیم کی ایک مایہ ناز فاضلہ، نہایت پاک طینت، انتہا درجہ کی وفا کیش و منتظم اور ایک عدیم المثل حسینہ تھی۔ اور اسے ایک تقدس کا درجہ حاصل تھا۔ شاہی خزانہ کا حساب کتاب اور ہاتھی گھوڑوں کا انتظام آخر تک اسی کے سپرد رہا اور اس نے اس خدمت کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔

نازنینانِ ہند

وفا پرست دمینتی

نل اور دمینتی کا عشق یہ رانی ملک برار کے ایک زبردست و...

طاقتور راجہ بھیم کی ناز پروردہ بیٹی تھی۔ اور حسن و رعنائی اور جمال و زیبائی میں دور دور تک مشہور تھی۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں اس کی خوبصورتی اور سکا قرا جرائی کا چرچا نہ ہو۔ وہ محل میں بالکل پری معلوم ہوتی تھی۔ سو نازک اندام اور گل رخسار کنیزیں ہر وقت اس کی خدمت میں رہتی تھیں اور یہ چاند ان ستاروں میں پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا رہتا تھا۔ دیکھ لینا تو اور چیز ہے سینکڑوں اچھے مہاراجے اس کے نادیدہ ہی عاشق بن گئے تھے۔ جن میں نشادھ دیش کے راجہ ویرسین کے راجکمار نل کی تو یہ حالت تھی کہ وہ شبانہ روز اسی کے فراق میں گھلتا رہتا تھا جس کی انتہا یہ تھی کہ اس کی صحت بگڑنے لگی اور عشق نے جنون کی صورت اختیار کر لی۔ ممکن نہ تھا کہ نل کے قلب میں جو آگ بھڑک رہی تھی اس کی کوئی چنگاری اُڑ کر دمینتی کے نازک دل تک نہ پہنچتی۔ پہنچی اور اس کا سینہ بھی جہنم زار محبت ہو گیا۔ پہلے تو اس پر اداسی چھائی اور پھر بیمار پڑ گئی۔

اس زمانہ میں پیغام کے ذریعہ براہ راست شادی کا کوئی رواج نہ تھا عرب کے رسوم کی طرح یہاں عشاق کی شادی غیر ممکن تو تھی مگر بالکل ممکن بھی نہ تھی اس لئے کہ یہاں کامیابی اُسی کی ہوتی تھی جو سوئمبر کی شرائط کو پورا کرے یہی وجہ تھی کہ نل اور دمینتی دونوں اپنی جگہ کچھ پر امید نہ تھے۔ بھیم کو بیٹی کے عشق کا حال جو معلوم ہوا تو وہ تڑپ گیا اور سوئمبر کا اعلان کر دیا۔

رانا اور رانی میں انتہائی محبت

اسے دمینتی کی قسمت کہئے یا راجہ بھیم کی پدرانہ محبت کہ اس نے کوئی شرط انتخاب معین نہ کی اور معاملہ صرف دمینتی کے انتخاب پر چھوڑ دیا۔ قریب قریب تمام راجکمار یہ سنتے ہی نا امید ہو چکے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ دمینتی نل کے سوا اور کسی کو ہرگز منتخب نہیں کر سکتی اور یہی ہوا۔ تاہم آرزو انہیں کھینچ کر بیرا لے ہی آئی جہاں بکثرت

بانکے ترچھے راجہ شوقِ دیدار و انتخاب میں موجود تھے۔ دمینتی ایک محشر خیز ادا کے ساتھ سبھا میں آئی۔ قیامت خرامی کے ساتھ ایک چکر لگایا۔ اور پھر نظریں نیچی کئے ہوئے نل کے گلے میں ہار ڈال دیا۔ دوسرے روز بیاہ ہو گیا۔ نل باپ کی جگہ راجہ ہو گیا۔ اور یہ دونوں عاشق و معشوق ایک عرصہ تک شمع و پروانے رہے۔ دن عید تھا اور رات شبِ برات۔ دو بچے بھی پیدا ہو گئے اور چلنے پھرنے لگے۔ لیکن یہ پُر عیش زندگی دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ نل ہر اعتبار سے نہایت لائق تھا۔ مگر قمار بازی کا عیب اس میں شدت کے ساتھ موجود تھا۔ نل دمینتی کے نشۂ عشق میں سب کچھ بھول بیٹھا تھا مگر ایک روز اس کے دوست نما دشمن لشکر نے اُسے جوا کھیلنے پر آمادہ کر لیا اور چند لمحوں میں راج پاٹ سب ہار گیا۔ لشکر کو دمینتی کے عشق نے اس پر آمادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس نے آخر میں بہت زور دیا کہ دمینتی کو داؤ پر کیوں نہیں لگا دیتے۔ مگر اس نے بدمشکل کی طرح اپنی پران پیاری پر داؤں لگانا گوارا نہ کیا اور سب کچھ چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔

دمینتی کی وفاشعاری

دمینتی کو نل اور دوسرے لوگوں نے بہت سمجھایا مگر اس نے صاف جواب دیدیا۔

موت تک ساتھ رہنے کی قسم کھانے والی عورت مصیبت
کے وقت شوہر کو نہیں چھوڑ سکتی

چنانچہ دونوں نے اپنا شاہی لباس اُتار کر اور ایک ایک ساری پہن کر شہر سے نکل گئے۔ نل برابر دمینتی کو اپنے باپ کے گھر جانے کی ترغیب دیتا رہا مگر وہ برابر یہی کہتی رہی کہ میں تکلیف میں تم سے جدا نہ ہونگی تمہیں تسکین دیتی رہوں گی اور تمہاری خدمت کیا کرونگی۔ تیسرے روز دونوں جنگل میں ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا دمینتی کو نیند آ گئی۔ نل نے سوچا کہ یہ گل اندام کب تک میرے

ساتھ تکلیف اٹھاتی رہیگی اور اب میں ہوں بھی کس قابل۔ اسے چھوڑ کر چلدوں آپ شہر واپس ہوکر اپنے باپ کے یہاں چلی جائے گی اور عیش کریگی چنانچہ اس نے اس نے اس کے چاند سے چہرے پر ایک نظر ڈالی کچھ آنسو بہائے اور اپنے سینہ پر صبر کی سل رکھکر ایک طرف کو نکل گیا۔

صبح اٹھکر دمینتی نے نل کو نہ پایا تو بیقرار ہوگئی غش پر غش آنے لگے جنگل بھر میں روتی اور نل کو پکارتی پھرتی تھی۔ اس نے عزم کرلیا کہ نل کو ڈھونڈھ نکالونگی یا اس کی تلاش میں جان دیدوں گی۔ اُسے ایک جگہ ایک خدا رسیدہ فقیر ملا جس نے بشارت دی کہ نل تجھے ملیگا ضرور مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب ملیگا۔ دمینتی کوہ و بیابان میں پکارتی اور تلاش کرتی ایک قافلہ میں پہنچی جس نے اُسے راجہ سوباہو کے پاس پہنچانے کا وعدہ کیا۔ مگر رات کو ہاتھیوں نے قافلہ پر حملہ کردیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ مصیبت اسی پاگل عورت کے نحوست سے آئی ہے اسے کل ہمیں کاٹ کر دفن کردو۔ دمینتی نے بھی یہ کہیں سُن لیا اور وہ رات کی تاریکی میں بھاگ کھڑی ہوئی۔

دمینتی کے مصائب

ایک جگہ ایک اژدہے نے اُسے پکڑا۔ جسے ایک بھیل نے دوڑ کر مار لیا۔ مگر وہ بھی اس کے زہر سے نہ بچا۔ دمینتی روئی کہ میں کتنی منحوس ہوں جس کے پاس جاتی ہوں اسی پر مصیبت آتی ہے چلتے چلتے وہ سوباہو کے راج میں پہنچی۔ اس کی ماں نے دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کا لباس تار تار۔ بال پریشان جسم گرد آلود ہے۔ مگر چہرہ آفتاب کی طرح چمک رہا ہے۔ اُس نے اسے بلوا لیا۔ اس کی داستان درد سنکر بہت متاثر ہوئی اور اپنے پاس رکھ لیا۔ مگر اسے فراق نل میں کہاں چین تھا رفتہ رفتہ اسکے باپ کو خبر لگی اور اسے بلا لیا۔ جہاں اس کے بچے پہلے ہی پہنچ چکے تھے اب دمینتی نے جا بجا جاسوس بھیجے اور پوری سرگرمی سے تلاش شروع کردی۔ نل آخر راجہ تھا۔ تمام فنون سے واقف تھا وہ پھرتا پھراتا

اجودھیا نگر پہنچا۔ رتھ بانی کی ملازمت کر لی اور جلد امتیازی حیثیت حاصل کر لی۔ یہاں اس نے ان چالاکیوں سے بھی پوری واقفیت حاصل کر لی جو ہوشیار قمار باز کیا کرتے ہیں۔ عہد قدیم میں قمار بازی عام تھی اور راجپوت تو برابر زور شور کے ساتھ کھیلتے تھے اور اسے دھرم کا جزو سمجھتے تھے۔ چنانچہ منوسمرتی وغیرہ شاستروں میں اس کے تذکرے موجود ہیں۔ اس مذموم رواج کی بدولت اس زمانہ میں بڑے بڑے لوگوں پر بڑے بڑے مصائب آتے رہتے تھے۔ نل اور یدھشتر جوئے میں تباہ ہوئے اور دمینتی اور دروپدی پر جو حوادث گذرے وہ جوئے ہی کا ثمرۂ تلخ تھے۔ دمینتی کو جاسوسوں نے پتہ دیا کہ اجودھیا میں نل موجود ہے۔ اصلیت تو کھلتی نہیں مگر وہ معلوم نل ہی ہوتا ہے۔ کوئی پتہ نہیں دیتا۔

دمینتی کی تلاش و بیقراری دمینتی نے یہ سنکر مہاراجہ اجودھیا کو لکھا کہ نل چونکہ مرگیا ہے اس لئے میں دوسرا سوئمبر کرنے والی ہوں اور آپ فلاں تاریخ کو تشریف لائیں۔ وہ جانتی تھی کہ وہ شخص واقعی نل ہے تو یہ اطلاع پاکر تڑپ اٹھے گا اور ضرور یہاں آئیگا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ جب راجہ نے نل سے کہا کہ دمینتی کا دوسرا سوئمبر ہونے والا ہے وقت کم رہ گیا ہے اور میں مدت سے اسکا آرزومند و دیوانہ ہوں۔ اس لئے جتنی جلد تم مجھے وہاں پہنچا سکتے ہو پہنچا دو۔ یہ سنتے ہی نل بیقرار ہوگیا اور دل میں کہنے لگا کہ مصیبت میں کب کوئی کسی کا شریک ہوتا ہے۔ دمینتی مجھے بھول ہی گئی۔ ممکن ہے اسکا دل اور کسی پر آگیا ہو۔ دمینتی مہاراجہ اودھ کی بیٹی تھی۔ راجہ اجودھیا وہاں پہنچا تو وہ یہ دیکھکر حیران ہوا کہ سوئمبر کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ دمینتی نے راجہ اجودھیا کے رتھ بان کی حرکات و سکنات پر ہمہ وقت نظر رکھنے کے لئے ہوشیار لونڈیاں مقرر کر دیں اور ہدایت کر دی کہ پتہ لگاؤ کہ

کہ واقعی یہی نل ہے یا کوئی اور ہے۔ دم دم کی خبریں اس تک پہنچتی رہتیں۔
لونڈیاں رتھ بان سے برابر ادھر ادھر کی باتیں کرتیں نل کی بیوفائی کا قصہ چھیڑتیں مگر وہ راہ پر نہ آتا۔ آخر دمینتی نے پریشان ہو کر حکم دیا کہ "میرے بچوں کو اس کے پاس لے جاؤ اور اس کے سامنے ان کی تعریف کرو۔ یہ تیر نشانہ پر بیٹھا۔ نل نے انہیں دیکھتے ہی گود میں لیا پیار کیا اور فرط تاثر سے اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لونڈیاں تو لگی ہوئی تھیں ہی انہوں نے فوراً سوال کر دیا کہ آپ آبدیدہ کیوں ہوئے۔

عیش و عشرت کا زمانہ

نل نے کہا کوئی بات نہیں انہیں دیکھکر مجھے اپنے بچے یاد آ گئے جن سے میں مدت سے جدا ہوں
اب دمینتی کو یقین ہو گیا اور وہ اپنی ماں سے اجازت لیکر نل سے ملنے کو آئی نل سوئمبر کے اعلان پر جلا ہوا تھا اس نے اس کی طرف بالکل توجہ دی اور اب بھی یہ ظاہر نہ کیا کہ میں نل ہوں مگر دمینتی کو یقین ہو چکا تھا۔ اسکا دل بھر آیا اور اس نے اپنے آنسوؤں سے یقین دلایا کہ یہ سب کچھ تلاش شوہر کی ایک سعی تھی اور بس! یہ سنکر نل کی قوت ضبط نے بھی جواب دیدیا اور دونوں وہیں گلے مل لئے۔ کچھ روز بعد نل ایک کافی جمعیت کے ساتھ برار پہنچا اور پشکر سے کہا کہ میرے پاس پھر کافی دولت جمع ہو گئی ہے اور پھر تم سے جوا کھیلنے کے لئے آیا ہوں۔ اس مرتبہ نل نے پشکر سے اپنا تاج و تخت پھر جیت لیا۔ کیونکہ اب وہ قمار بازی میں اجودھیا سے کمال پیدا کر کے آیا تھا اس کے بعد دمینتی کی زندگی پورے عیش کی زندگی تھی۔
بہرکیف دمینتی عہد قدیم کی ایک عدیم المثال اور ماہ پیکر حسینہ اور رانی گذری ہے۔ جس کے حسن و جمال کی شہرت صدیوں تک گنبد افلاک میں گونج پیدا کرتی رہی ہے۔

نیکدل چندرکانتا

مہاراجہ بنارس پر ہیسٹنگز کا عتاب

چندریکا نتا ایک نہایت حسین و جمال اور باکمال دیوی تھی جو اواخر اٹھارویں صدی عیسوی میں بنارس میں پیدا ہوئی اسکا باپ دیوشرما سنسکرت کا مشہور عالم تھا اور ماں ساوتری بھی بہت نیک اور پارسا عورت تھی۔ ماں باپ کی توجہ سے وہ بہت جلد علوم سنسکرت کی ماہر ہوگئی اس کے بعد اس کی شادی ایک نوجوان دولتمند پنڈت بال شاستری کے ساتھ ہوگئی اور دونوں میں نہایت اخلاص و محبت کے ساتھ بسر ہونے لگی۔ چندریکا نتا کے گھر میں ایک مختصر دواخانہ تھا اور وہ غربا کو مفت دوائیں تقسیم کرتی رہتی تھی جس کی وجہ سے لوگ اُسے دیوی پکارنے لگے تھے۔ چندریکا نتا کا عیش زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل نے بنارس کی دولت کا حال سنکر راجہ چیت سنگھ فرمانروائے بنارس سے دولت حاصل کرنی چاہی۔ اور ایک بہانہ پیدا کر کے پہلے بائیس لاکھ اور پھر پانچ لاکھ روپیہ اینٹھ لیا یہ روپیہ پا کر زیادہ ستانی کی ہوس اور بڑھی اور پھر پچاس لاکھ کا مطالبہ کر کے بنارس آ دھمکا غریب کے پاس اتنا روپیہ کہاں تھا کچھ ہوا اُسے تو روپیہ کی ضرورت تھی۔ اس نے ایک طرف تو راجہ پر الزام لگایا کہ تم ہمارے دشمنوں سے مکاتبت کرتے ہو اور دوسری طرف اس کے بھتیجے سے چالیس لاکھ روپیہ میں فیصلہ کر کے اُسے دیوانی اور فوجداری کے اختیارات عطا کر دیئے۔ راجہ قید کر دیا گیا۔ جہاں سے کسی طرح بھاگ کر اس نے گوالیار میں پناہ لی۔

گنگا گوبند سنگھ کے مظالم

گورنر جنرل کی طرف سے ایک شخص گنگا گوبند سنگھ نے جسے بہت رسوخ

حاصل ہوگیا تھا۔ لوگوں سے روپیہ وصول کرنے کی تدابیر کیں۔ اس ظالم نے ہیسٹنگز کا تنور حرص پر کرنے کے لئے جاگیرداروں اور روساء پر روپیہ کے لئے ظلم شروع کئے۔ بہت سے قید ہوگئے اور اس طرح ایک بنارس سے لاکھوں روپیہ ہیسٹنگز کے پاس پہنچ گیا۔ اسی سلسلہ میں چندر کانتا کا شوہر بھی جو جاگیردار تھا قید کر کے کلکتہ بھیجدیا گیا اور اسکا سب کچھ لٹ گیا اب چندر کانتا کی یہ حالت تھی کہ دن میں ایک مرتبہ سوکھی روٹی کھا لیتی اور پتھر پر لیٹ کر سو جاتی۔ ایک صبح اُس نے اپنے خسر سے کہا کہ میں کلکتہ جاؤں گی اور اپنے سوامی کو چھڑاؤں گی۔ بھولی نادان تو کیا کر سکتی ہے گورنر جنرل کے رسوخ کے معاملہ میں تیری کیا چل سکتی ہے۔ مگر نہ مانی۔ پیادہ پا بکمل کھڑی ہوئی۔ گونا گوں مصائب اُٹھاتی چلی جارہی تھی کہ راستے میں ایک شیر نظر آیا جس کے پیچھے ایک شکاری تھا۔ شیر کو تو اس نے مار دیا مگر چندر کانتا کا حسن دیکھکر دیوانہ ہوگیا اور زبردستی اس کی عصمت خراب کرنی چاہی اس نے بلک کر دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول کی اور وہ بھی صاعقہ برق کی نذر ہوگیا۔

چندر کانتا کی شوہر پرستی چندر کانتا جوش میں رات دن سفر کرتی بڑھی چلی جارہی تھی کہ رستہ میں ایک مندر میں ٹھہری جو ایک عیاش راجہ کا علاقہ تھا۔ اسے مہیارہ سمجھکر ایک عورت فریب سے لے گئی۔ ہمدردی سے ایک کوٹھی میں ٹھہرایا وہ سونے کو لیٹی ہی تھی کہ راجہ نمودار ہوا اور بولا سندری واقعی حسن وجمال میں تو اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ یہ قیمتی ہار تیرے گلے میں ڈالتا ہوں۔ آج سے تو میری رانی ہے۔ بولی راجن مجھے تنہا سمجھکر ہاتھ نہ لگانا وہ ایشور میرے ساتھ ہے جس نے سیتا اور دروپدی دمینتی کی آبرو بچائی۔ راجہ نے کہا اچھا کچھ دن آرام کر لو۔ کوٹھی کو مقفل کرادیا مگر وہ ایک درخت پر چڑھ کر کسی طرح کوٹھے پر پہنچی اور وہاں سے کود کر اتوں

رات نکل گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنے حسن کو اپنا دشمن سمجھ کر خوب مٹی مل لی اور بری گت بنا کر دو ماہ میں کلکتہ پہنچ گئی۔ جہاں اس نے ایک مندر میں رہ کر تقریر کرنی اور لوگوں کو تعلیم دینی شروع کر دی۔ سنسکرت کی فاضلہ تھی۔ شہرہ ہو گیا اور اس کے پاس ہجوم رہنے لگا۔ اتفاق کی بات تھی کہ وارن ہیسٹنگز کے ایک معزز درباری کی بیوی شدید بیمار ہوئی۔ ناامیدی ہو گئی۔ اس کے علاج سے اسے بالکل صحت ہو گئی۔ وہ بولا۔ اب آپ کوئی خدمت ہمارے سپرد کریں۔ چندر کانتا سے ضبط نہ ہو سکا۔ آبدیدہ ہو کر سارا قصہ کہہ سنایا۔ اس نے کہا گو بند سنگھ واقعی ایک جہانسوز آدمی ہے۔ اس نے گھر کے گھر تباہ کر دیئے۔ خیر میں کوشش کرونگا۔

شوہر کی رہائی

مختصر یہ کہ اس درباری کی سعی سے بال شاستری رہا ہو گیا اور بتایا گیا کہ وہ ایک یوگن کی تحریک سے رہا ہوا ہے۔ وہ از راہ احسانمندی چندر کانتا کے درشن کو آیا اور بچشم پُرنم پوچھا دیوی آپ کون ہیں۔ چندر بیساختہ پاؤں پر گر پڑی اور بولی کہ "میں ہوں آپ کی داسی چندر کانتا" یہ عجیب موثر نظارہ تھا۔ دونوں بیتابی و از خود رفتگی کے ساتھ گلے ملے ہوئے تھے۔ درباری بھی پریم اور محبت کے اس شاندار سین کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا۔ دونوں کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور پھر سواری کا انتظام کر کے بنارس بھجوا دیا۔

بال شاستری کو کچھ روز بعد اپنی جاگیر مل گئی۔ اور دونوں عیش و آسائش کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ چندر کانتا جیسی وفاکیش بیویاں واقعی دنیا میں کم پیدا ہوتی ہیں۔ وہ حد درجہ حسین۔ حد درجہ خلیق حد درجہ عالم اور حد درجہ وفادار تھی۔ جس نے رنج و راحت میں شوہر کے ساتھ یکساں محبت کی۔

پاکدامن بملا

تعلیم و تربیت

قدیم زمانہ میں گجرات میں ایک راجہ جیسنگھ حکومت کرتا تھا۔ جو نہایت لائق ذی علم اور حقائق پرور راجہ تھا۔ جس کی بہن بملا حسن شیریں ادائی اور علم وفضل میں کمال رکھتی تھی۔ اُسے بہت سے پیام آئے مگر کوئی نگاہوں میں نہ جنچا۔ بملا جب اپنی شادی کا ذکر سنتی اپنی بھاوج سے کہتی کہ بھائی کا دل مجھ سے پھر گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجھے اپنے گھر سے نکالنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ اس پر دونوں ہنسنے لگتیں۔

ایک مرتبہ راجہ ملتان اس کے یہاں آکر مقیم ہوا جس کے ساتھ اس کا بیٹا سرپال بھی تھا۔ جو دلیری و خوبصورتی۔ دانائی و تدبیر اور شمشیر زنی میں مشہور تھا۔ راجہ اور رانی دونوں کے قلب میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ بملا کی شادی سرپال سے کردی جائے۔ اس لئے تجویز ہوئی کہ سرپال جنگل جاکر رانیوں کے سامنے شیر کا شکار کرے۔ تاکہ بملا کے قلب میں اس کی شجاعت و بانکپن دیکھکر اس کی طرف رغبت پیدا ہو۔ چنانچہ تمام رانیاں اور راجکماریاں ایک محفوظ اور بلند مچان پر بٹھا دی گئیں اور راجہ۔ سرپال اور درباری شیر کے شکار کو روانہ ہوئے جو قریب ہی ایک دریا کے کنارے سوتا ہوا مل گیا۔ راجہ کے تیر سے شیر گرجا ہاتھی کی طرف آیا اس نے بھالے سے اُسے زخمی کیا۔ مگر اس نے اسے ہودہ سے گھسیٹ کر نیچے گرا لیا۔ بڑا خطرناک اور نازک وقت تھا۔ سرپال یہ دیکھکر تڑپ گیا۔ فوراً تیر مارا اور ساتھ ہی بھالا لیکر اس پر جھپٹا۔ اور وہیں ٹھنڈا کردیا۔

حسین بملا کا عشق

بملا سرپال کی چستی و مستعدی اور شجاعت کمال دیکھکر اس پر ہزار جان سے عاشق

ہو گئی۔ بھاوج دل کا بھید پا گئی اور اسی وقت اس نے چٹکی لی کہ کہو بہن دل کی کیا حالت ہے۔ یہ جوان تو بیقرار کر گیا ہوگا۔ بملا مسکرا کر خاموش ہو رہی مہینہ دو مہینہ بعد دونوں کی شادی ہو گئی۔ دونوں میں انتہائی اور عاشقانہ محبت تھی۔ جب سرپال باپ کی جگہ تخت نشین ہوا تو بملا ہی اس کی سب سے بڑی مشیر کار تھی۔ حالات تبدیل ہو گئے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے جے نگر پر یورش کی۔ سرپال اپنے خسر کی طرف سے بڑی جرات کے ساتھ لڑا۔ مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ سارا لشکر کٹ گیا۔ رانیاں دشمنوں کے ہاتھ میں پڑنے کے خیال سے جنگل میں روپوش کر دی گئیں۔ حریف راجہ کرن کو پتہ چل گیا۔ اس کے قلب میں بملا کے عشق کی آگ مدت سے شدت کے ساتھ بھڑک رہی تھی۔ فوراً آ پہنچا اور قبل اس کے کہ وہ تلوار ہاتھ میں لے یا ہیرے کی انگوٹھی چوس کر جان دے اس نے گرفتار کر لیا اور محل میں لے گیا۔ اس نے بیحد سعی کی مگر بملا لعن طعن کے ساتھ یہی کہتی رہی کہ پرائی استری پر نظر نہ کر۔ میں جس کی ہو چکی اس کی ہو چکی مجھے لاکھ ترغیب دے میں ہرگز نہ مانونگی۔

عفت و عصمت

کرن نے اپنی تمام مساعی میں خود کو ناکام پا کر سرپال کے انتقال کا اعلان کیا۔ جسے سنکر رانی بملا بہت روئی اور اس نے ستی ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ اب کرن نے چاہا کہ زبردستی اس عدیم المثال حسینہ سے اپنے ارمان نکالے مگر اس نے ڈانٹ کر کہا کہ پاپی تو جانتا ہے کہ سیتا کو بری نگاہ سے دیکھنے سے راون تباہ ہو گیا۔ اور دروپدی کی بے عزتی نے کوروں کو فنا کر دیا۔ میں مجبور ہوں میرے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں نازک ہوں جو چاہے کر لے۔ مگر یاد رکھ تیری سلطنت کو میری آہ ستیاناس کر دیگی۔ یہ سنتے ہی کرن لرز گیا۔ ستی کا سامان ہوا عین اس وقت کہ رانی ستی پر پہنچی ہوئی تھی

سرپال گھوڑا دوڑائے پہنچا اور اسے گھسیٹ اور گھوڑے پر بٹھا ایڑ لگا کر نظروں سے غائب ہوگیا۔ کرن دیکھتا رہ گیا۔ کچھ مدت بعد سرپال اپنی سعی جرات سے پھر اپنے راج پر قابض ہوگیا اور پھر عیش و آرام کا زمانہ شروع ہوگیا۔ لیکن بملا تھوڑے ہی عرصہ زندہ رہ کر مرگئی۔ بملا کی لیاقت و دانائی حسن و جمال اور وفاداری و جرات کی دھوم صدیوں تک مچی رہی اور آج بھی ہندو اسکا نام عزت سے لیتے ہیں۔ اور واقعی وہ عزت کے قابل بھی ہے۔

شریف دیوی کے شریفانہ کارنامے

خاندانی حالات اس کافرماجرا اور گل اندام نازنین کا نام بھگوتی تھا۔ راجہ مراج کی بیٹی تھی جس نے تمام علوم و فنون میں اسے ماہر اور باکمال بنا دیا تھا اور چونکہ تھی نہایت حسین و مہ طلعت اس لئے اس عہد کے ایک زبردست اور مقتدر مہاراجہ سوہین راجہ جے راج پر زور ڈالنا شروع کیا کہ وہ بھگوتی کو اس کے نہایت بدمزاج غصہ ور سیاہ فام اور کریہہ منظر بیٹے ناگراج کے ساتھ اس کے ساتھ شادی کردے۔ جے راج میں نہ اس سے لڑنے مقابلہ کرنے اور جواب صاف دینے کی طاقت تھی اور نہ وہ اپنی چاندسی بیٹی کو ایک دیو سیرت اور کندۂ ناتراش کے آغوش میں دے سکتا تھا۔ مگر حالات نے اسے مجبور کر دیا اور اس نے آنسوؤں کے سیلاب میں بیٹی کی شادی ناگراج کے ساتھ کردی۔

شادی ہونے کو تو ہوگئی اور بھگوتی سسرال میں آ بھی گئی مگر اب سوہین اور اس کی رانی بھگوتی کا جمال جہاں آرا دیکھ کر خود اس شادی پر بہت نادم ہوئے اور ان کا دل نہ چاہا کہ وہ اسے ناگراج کی خلوت میں بھیجیں۔ خیال تھا کہ یہ نازنین اندھیرے میں اس کی صورت دیکھ کر کہیں سہم نہ جائے یہ تو یہ وہ اس کے سامنے ناگراج کا ذکر بھی نہ کرتے تھے۔ بھگوتی متحیر تھی کہ یہ کیسی شادی ہے کہ اب تک

اُسے اپنے پتی کی صورت بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔

شرافت کا مظاہرہ

اُسے جب معلوم ہوا کہ اُسے ناگراج سے عمداً اور بوجوہ علیحدہ رکھا جا رہا ہے تو اس نے اپنی ساس سے کہا کہ آپ کوئی پرواہ نہ کریں بیفکر رہیں مجھے کسی امر کا بھی کوئی خیال نہیں۔ رانی نے اپنی مہ جبین بہو کو پیار کر کے کہا۔ بیٹی میرا ناگراج تیرے قابل نہیں اس کی صورت و سیرت دونوں بری ہیں۔ بھگوتی نے ساس کے پاؤں چھو کر کہا آپ کیا فرماتی ہیں۔ وہ آپ کے نزدیک برے ہوں گے۔ میرے لئے تو پوجا کے قابل ہیں۔ بھلا میں اُن سے کسی خوف و نفرت کا اظہار کر سکتی ہوں۔ آپ سایہ کو جسم سے علیحدہ نہیں کہہ سکتیں مجبور ہو کر انہوں نے بھگوتی کو اس کے شوہر کے پاس بھیج دیا۔ اس نے جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ ناگراج بُرا ضرور ہے مگر ایسا نہیں کہ اصلاح کے قابل نہ ہو۔ لوگ اس سے دل ہی دل میں نفرت کرتے ہیں اُسے برا بتلاتے ہیں اس لئے وہ ساری دنیا سے بیزار ہو گیا حتیٰ کہ اس سے ملنے میں بھی اُسے جھجک پیدا ہوتی ہے۔ اُسے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ بہت بدصورت ہے اور اُس سے کوئی محبت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس نے اس سے محبت و ہمدردی شروع کی اس کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ اتنا متاثر ہوا کہ اب اس کی جنت بھگوتی ہی تھی۔ ساری بدمزاجیاں فنا ہو گئیں۔

ایک روز اس نے پوچھا بھگوتی! سب مجھ سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں تو کیوں نہیں ڈرتی۔ بولی خوب! میں آپ سے نفرت کر کے جاؤں گی کہاں آپ تو میرے دیوتا ہیں جنہوں نے آپ کے جوہروں کو نہیں پرکھا۔ وہ آپ سے نفرت کر سکتے ہیں۔ میں تو ان سے واقف ہو گئی ہوں۔ اسکا اتنا اثر پڑا کہ ناگراج نے جھک کر بے ساختہ قدم چوم لئے اور بولا دیوی! کیوں مجھے دوزخ میں ڈھکیل رہی ہو۔ میں تو کسی قابل بھی نہیں۔ بھگوتی

نے کہا یہ تو کوئی میرے دل سے پوچھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ناگ راج وہ ناگراج ہی نہ رہا اور سب حیران رہ گئے۔

حیرت انگیز انقلاب

سورسین دوسرے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاہتا تھا مگر اس انقلاب کو دیکھکر اس نے بھی ارادہ بدلدیا۔ اور آخر اسے تخت پر بٹھا کر خود جنگل میں مصروف ریاضت ہو گیا۔ ناگراج نے بھگوتی کے مشورہ سے اس لیاقت و دانائی سے راج کیا کہ دھوم مچگئی۔ اسکا بھائی اپنی محرومی پر جلا بیٹھا تھا مگر بھگوتی اس سے اور دوسرے بھائیوں سے اسدرجہ محبت کا سلوک کرتی تھی کہ وہ عداوت بھول گئے۔ بھگوتی ناگراج پر برابر اثر ڈال رہی تھی اور اُسے اس تواتر و تسلسل سے اچھا اور نیک بتا رہی تھی کہ اس نے عمداً نیک بننے اور نیک ہونے کی سعی شروع کردی اور وہ بہت جلد ایک دھرماتما اور پاکباز انسان راجہ بنگیا۔ نہ صرف خاندان والے حیران تھے بلکہ راج بھر میں اس انقلاب پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا جا رہا تھا اور سب بھگوتی کی تعریف میں رطب اللساں تھے۔ یہ بھی ایک اصولی بات ہے کہ صورت پر خیالات کا اثر بہت گہرا پڑتا ہے۔ بروں کی صورت روز بروز بری اور مکروہ ہوتی چلی جاتی ہے اور بدصورت آدمی جب نیکیاں اختیار کرلیتا ہے خوش مزاج بنجاتا ہے ہنسی خوشی میں رہتا ہے تو اسکا چہرہ روز بروز شگفتہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ دل و دماغ کے بعد ناگ راج کی صورت بھی بدلنے لگی اور اس کی خوفناکی فنا ہو گئی۔

شریفانہ اخلاق کا کرشمہ مظاہرہ

راجہ ناگراج بھگوتی کو ساتھ لے کر وادی گوداوری کی سیر کو گیا اس کے بھائی نے موقع پا کر علم بغاوت بلند کردیا۔ راجہ واپس لوٹا تو پایہ تخت کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ناگراج عزم کئے ہوئے تھا کہ بھائی کو اس شیطنت کا پورا مزہ چکھائیگا۔ جب دونوں بھائی دونوں طرف

سے گھوڑوں پر سوار مقابلے کو بڑھے تو لشکر والے یہ دیکھکر ششدر رہ گئے کہ ایک مہ جمال نازنین گھوڑے پر سوار ایک طرف سے عجلت کے ساتھ نکلی اور دونوں کے درمیان آکر کھڑی ہو گئی۔ بولی پہلے میرا خاتمہ کر لو پھر لڑنا میں دو بھائیوں کو جنہوں نے ایک پیٹ میں پاؤں پھیلائے ہیں لڑتے نہیں دیکھ سکتی۔ دونوں کے ہاتھ رک گئے۔ بھگوتی نے دیور سے کہا۔ بھائی تجھے راج کی آرزو ہے تو سمجھ لو کہ رعایا کبھی اسے گوارا نہ کریگی تمہیں چین نہ ملیگا اور نہ اس جنگ میں تمہاری کامیابی کی کوئی توقع ہے سمجھو تو بھائی کا راج بھی تمہارا ہی راج ہے۔ جاؤ تلوار کسی نیک کام میں صرف کرو۔ پھر شوہر کی طرف مخاطب ہو کر بولی! پران پتی! لعنت ہے اس راج پر جو بھائی کے خون کے بدلہ میں حاصل ہو۔ بھائی قوت بازو ہے بڑی نعمت ہے۔ وہ تمہاری اولاد کی برابر ہے غلطی کی ہے تو معاف کر دو ان الفاظ میں جادو کا اثر تھا دونوں اپنے اپنے خیموں میں واپس چلے گئے بھگوتی برابر دونوں سے ملتی رہی۔

اس کے ایما سے صلح کے لئے پہلے ناگراج بڑھا۔ بھگوتی دیور سے بولی اٹھو اور میرے کہنے سے صلح کر لو۔ تم میری اولاد کی برابر ہو۔ جبتک میں زندہ ہوں تم نہ تکلیف میں رہ سکتے ہو اور نہ جدا ہو سکتے ہو۔ اس پر چاروں بھائیوں نے ناگراج کے قدم چھوئے اور بولے آپ ہمارے باپ ہیں یہ تلوار حاضر ہے۔ ہم نمکحرام ہیں ہماری گردن مار دیجئے۔ ناگراج نے محبت سے انہیں گلے لگا لیا اور کہا تم میرے قوت بازو ہو۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ بھگوتی بولی یہ نہیں میری تجویز ہے کہ ان چاروں بھائیوں کو چار بڑے بڑے صوبوں کا ویسرائے بنا دیجئے اور کوئی اندیشہ نہ کیجئے۔ میں ذمہ داری کرتی ہوں کہ اب یہ آپکے قوت بازو ہی رہیں گے۔ دیکھی آپنے عورت کی قوت اور نیکی جس خاندان کی

عورتیں نیک ہوتی ہیں اس خاندان میں کبھی جنگ ہو ہی نہیں سکتی۔ اتفاق و یک جہتی کی کلید درحقیقت عورت کے ہاتھ میں ہے۔ اس معیار پر بھگوتی پوری اترتی ہے۔ اللہ نے اس نیکدل دیوی کو حسن ظاہری و باطنی سے پوری طرح بہرہ مند کیا تھا۔

فداکار بیوی

خاندانی حالات ستیاوتی راما نند سوامی کے لڑکے پرمانند کی بیوی تھی جسے ضلع مالدہ میں ایک بڑی جاگیر ملی ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی عیش و آسائش کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ یکایک بنگال میں شدید قحط پڑ گیا اور تمام فصلیں ماری گئیں۔ لوگ پریشان تھے کہ سرکار کی طرف سے مالگذاری کا تقاضا شروع ہوا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا عہد تھا جس کی طرف سے ایک نہایت ظالم و سنگدل شخص دیوی سنگھ مالگذاری وصول کرنے کے منصب پر مامور تھا۔ اس نے وصولی زر کے سلسلہ میں رعایا پر سخت سے سخت ظلم کئے۔ گھر در اور زیور بکوالئے۔ عورتوں تک کو اپنے سامنے برہنہ کر کے کوڑے لگوائے۔ اور جس طرح بنا روپیہ وصول کیا۔ راما نند نے دیوی سنگھ کے ہاتھ سے بے آبرو ہونے کے خوف کی بنا پر رانی بھوانی سے پچاس ہزار روپیہ قرض لے کر پورے تین سال کا لگان ادا کر دیا۔ اس زمانہ میں کسی کی فریاد کم سنی جاتی تھی۔ بالخصوص جہاں سرکاری فائدہ کا سوال ہو۔ دیوی سنگھ نے راما نند سے اتنی اور رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے اپنی بیچارگی ظاہر کی جس پر ظالم دیوی سنگھ نے اسکا گھر بار لٹوا لیا۔ پرمانند نے باپ سے کہا کہ آپ نکھور چلے جائیے۔ میں یہاں

تنہا ہی افتاد کا مقابلہ کرتا رہوں گا۔ راما نند اپنی بیوی بیٹی اور بہو کو لئے ہوئے چلا جا رہا تھا کہ سپاہیوں نے رستہ ہی میں اسے گھیر لیا۔ پرما نند بھی خبر پاکر جا پہنچا۔ اس نے اپنے باپ کی تکلیف اور ماں بہن بیوی کی بے عزتی جو دیکھی تو غصہ سے بیتاب ہو گیا اور چھڑی لیکر دیوی سنگھ پر حملہ کر دیا۔ جسے سپاہیوں نے روک کر گرفتار کر لیا۔ اور دیوی سنگھ کے حکم سے اُسے نہایت سنگدلی کے ساتھ مارنا شروع کیا۔

آخر اسے رنگپور کے جیلخانے بھیجدیا گیا۔ ستیہ وتی کے

جنگل میں قیام

قلب میں تو شعلے بھڑک رہے تھے وہ اپنے شوہر کو رہا کرانے کی سعی کے سلسلہ میں رنگپور جو گئی تو دیوی سنگھ اس کے حسن و جمال کو دیکھکر دیوانہ ہو گیا۔ اور اپنے آدمی اس کے پیچھے لگا دئے راما نند نے مجبور ہوکر تمام عورتوں کو دیناج پور کے جنگلی دیہات میں بھیجدیا۔ اور جب معلوم ہوا کہ دیوی سنگھ کے سپاہی ادھر بھی لے اُڑانے کی تاک میں لگے ہوئے ہیں تو اس نے کہا بیٹی تیرا حسن وجمال تیرا دشمن بنا ہوا ہے تو کچھ مدت کے لئے بنارس چلی جا۔

ستیہ وتی بولی اب مجھے زندگی کی کوئی آرزو نہیں کہ کیا امید ہے کہ میرا پیارا شوہر دیوی سنگھ کے ظلم سے زندہ رہا ہوگا۔ آپ کے پاس تو مجھے پھر ڈھارس ہے آپ قید ہوئے تو میں بھی آپ کا ساتھ دوں گی راما نند نے کہا بیٹی دیوی سنگھ بڑا بدچلن ہے۔ اس نے بڑے بڑے گھرانوں کی عورتوں کو عزت خراب کر دی ہے۔ مجھے صرف اسی کا خوف ہے اور کوئی اندیشہ نہیں۔ وہ بری طرح تیرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ ستیا وتی رونے لگی مگر پھر اس نے سوچا کہ میرے ساتھ رہنے میں راما نند کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا اس لئے اس نے ایک بوڑھی عورت اور ایک ضعیف مرد کو ساتھ لیکر دور جنگل میں جاکر اور وہاں ایک جھونپڑی ڈالکر اور بھیس بدل کر زندگی

بسر کرنے لگی۔

کلکتہ کا سفر دیوی سنگھ کو ستیہ وتی کے اس طرح غائب ہونے کا سخت قلق ہوا اور اس نے رامانند کو گرفتار کرا لیا۔ ستیہ وتی نے سوچا کہ اب بیکار بیٹھنے کا وقت نہیں۔ کام کرنے کا موقعہ ہے اس لئے مردانہ بھیس بدلا۔ نانک نام رکھا اور رام سنگھ جیلر کے یہاں جا کر ملازم ہو گئی اس نے اپنی خدمت سے سب کو اپنا لیا اور رام سنگھ کی بیوی بھی اس سے محبت کرنے لگی اور اب وہ کبھی کبھی جیل خانے میں بھی کام کو جانے لگی۔ جہاں وہ اشاروں اشاروں میں راماننд سے باتیں کر لیتی تھی۔ آخر ایک روز شب کے وقت کسی ترکیب کام سے جیلخانے میں جا کر اور سب انتظام کر کے راماننд کو نکال لائی۔ سب نے بھبوت ملا سادھوؤں کا روپ بنایا اور سب کے سب نکل کھڑے ہوئے کسی کو کوئی پتہ نہ چلا۔

اس کے بعد ستیہ وتی نے سب کو ایک جگہ چھوڑ کر پھر ایک یتیم لڑکے کا بھیس بدلا اور جوگیانہ لباس میں مانگتی کھاتی کلکتہ پہنچی۔ یہاں پہلے اس نے ایک ذی رسوخ شخص رام کرشن کی نوکری کی مگر اسے کام کا آدمی نہ سمجھ کر اٹھی گنگا گوبند سنگھ کے یہاں گئی جس نے بنارس میں بال شاستری کا گھر اجاڑا تھا اور جو وارن ہیسٹنگز کا ایک منظور نظر اور ظالم منصب دار تھا اور اس کے مکان کے قریب سادھو بن کر بیٹھ گئی۔ نہ بولتی تھی اور نہ کھاتی تھی۔

تدبیر و عمل کا کرشمہ اتنا شہرہ ہو گیا۔ ایک روز گوبند سنگھ نے برہمنوں کی دعوت کی۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ اور برہمن کھائیں اور ایک برہمن درخت کے نیچے بھوکا پیاسا بیٹھا رہے۔ سب برہمن اسے ملانے اور لینے آئے مگر وہ نہ بولا اور نہ اس نے کسی طرف توجہ کی۔ آخر خود گنگا گوبند سنگھ اس کے پاس آیا اور کہا مجھے بتائیے تو کہ یہ واقعہ کیا ہے کہ آپ یوں جان جوکھوں میں ڈالے ہوئے ہیں اور نہ کھاتے ہیں۔

اور نپیتے ہیں۔ میرے لائق جو خدمت ہو بیان کیجئے۔ پہلی مرتبہ سادھو نے کہا۔ پہلے وعدہ کیجئے کہ کوئی بھی کام ہو آپ اُسے ضرور پورا کر دیں گے۔ اس نے وعدہ کیا تو ستیہ وتی نے بچشم پرنم کہا کہ میرا ایک رشتہ دار دیوی سنگھ کے ظلم کا شکار ہو کر قید ہو گیا ہے۔ اگر ایک برہمن کی زندگی منظور ہے تو اس کی رہائی کی کوئی ترکیب کیجئے۔ بولا اچھا آپ کھانا کھائیے میں سب انتظام کر دونگا چنانچہ کئی روز کی سعی کے بعد پرانند قید خانے سے رہا ہو گیا۔ اس نے باہر آتے ہی پوچھا کہ مجھے کس طرح آزادی نصیب ہوئی اس پر اس کے سامنے ستیہ وتی پیش کی گئی جو ایک گورے چٹے اور بھبوت ملے سادھو کے بھیس میں تھی۔

عاشق و معشوق کی ملاقات کا موثر نظارہ

پرانند بیک نظر اُسے نہ پہچان سکا اُس نے ازراہ احسانمندی اس کے قدم لینے چاہے تو ستیہ وتی جھٹ اس کے پاؤں پر گری اور بولی۔ پران ناتھ یہ کیا کرتے ہو میں آپ کی بد قسمت کنیز ستیہ وتی ہوں دونوں گلے ملے اور دیر تک روتے رہے۔ ملحوظ رہے کہ اس قید کے زمانہ کو پورے سات برس گذر چکے تھے۔ لوگوں نے سنا۔ رام کشن رئیس کو معلوم ہوا تو وہ انگشت بدنداں رہ گئے کہ یہ عورت کس رتبہ و شان کی عورت ہے اور اپنے شوہر سے کتنی گہری محبت رکھتی ہے جو ستیہ وتی کے مصائب و مساعی کی داستان سنتا اور پھر اس کی نزاکت و رعنائی دیکھتا متحیر رہ جاتا اور کہتا واقعی یہ دیوی ہے اس کے بعد وہ شوہر کو لیکر رنگپور کے جنگل میں پہنچی جہاں اس کی ساس نند اور سسر ایک مندر میں مقیم تھے سب لے ملکر خوشی کے آنسو بہائے اور ستیہ وتی کو دعائیں دیں۔ اس کے بعد پھر ان کا زمانہ پھرا اور عیش و آرام سے زندگی بسر ہونے لگی ستیہ وتی نے نہ صرف یہ کہ ایک بدمعاش افسر سے اپنی آبرو بچائی بلکہ اپنی ہمت و

تدبیر سے اپنے شوہر اور عزیزوں کے مصائب بھی ختم کر دیئے اور جانیں بھی بچائیں۔ واقعی وفاداری اور شوہر پرستی ہندو عورت کا حصہ ہے اور ستیہ وتی جیسی ماہ پیکر اور باہمت خواتین ہر قوم کے لئے باعث صد فخر و ناز ثابت ہو سکتی ہیں۔

اجودھیا کی سندری

خاندانی حالات وجیا اجودھیا کی ایک نہایت حسین و جمیل و نیک وش اور پاکباز نازنین تھی۔ مذہبی تعلیم میں اسے تبحر حاصل تھا۔ روزانہ مندر کو جاتی اور پوجا پاٹ کر کے واپس آتی۔ اس کے سینہ میں ایک دردمند دل تھا۔ وہ کسی کی مصیبت دیکھ نہ سکتی تھی۔ غربا کی امداد بڑی سیر چشمی کے ساتھ کرتی تھی۔ ہر کہہ و مہ سے محبت و اخلاق سے پیش آتی تھی اسی وجہ سے لوگ اسے "لکشمی" کے نام سے پکارنے لگے تھے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت کچھ دے رکھا تھا۔ دروازے پر ہاتھی جھومتے رہتے تھے۔ بڑی زمینداری تھی ہزارہا روپے ماہوار کی آمدنی تھی۔ گھر میں دولت کے انبار لگے ہوئے تھے اور اسکا شوہر شہر کا رئیس اعظم سمجھا جاتا تھا۔ جسکا نام سورسین تھا۔

وجیا کی صحبت نے سورسین کو بھی اتنا متاثر کر دیا تھا کہ وہ برابر مندر میں جاتا اور عقیدت کے ساتھ پوجا کیا کرتا تھا۔ دولتمندوں کو بگاڑنے کیلئے اکثر لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ برے اور خود غرض لوگ اس کے گرد بھی جمع ہو گئے جنہوں نے اسے "مے و معشوق" کے کھیل میں لگا دیا گھر میں ماہ پیکر بیوی موجود تھی۔ مگر سورسین اس کی ظاہری و باطنی خوبیوں کے اعتراف کے باوجود بھی خواہشات نفسانی کی تکمیل

کے لیے اِدھر اُدھر بھٹکتا اور شراب کباب میں دھڑلے سے روپیہ خرچ کرتا۔ اس نے مندر جانا بھی چھوڑ دیا۔ وجیا نے بہت سمجھایا نہ مانا تو خاموش ہو رہی۔

بیوی کے درشن کی آشا

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک قلیل وقفہ مدت میں خاک سی اُڑ گئی اور تمام زمینداری اور دولت برباد ہو کر رہ گئی۔ سب کچھ تھا مگر اب تک سوسین وجیا کا ادب و لحاظ کرتا تھا۔ وہ اسے موقعہ ہی نہ دیتی تھی کہ یہ اس پر کسی امر پر ناراض ہو۔ مگر رفتہ رفتہ اس کے مزاج میں چڑچڑاپن بھی پیدا ہونے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ گھر کا زیور اور برتن بھی فروخت ہو گئے اور وہ نشے کی حالت میں بیوی کو بھی سب و شتم کرنے لگا۔ شراب پی کر گھر میں اودھم مچاتا، غریب وجیا تنہائی میں رو کر خاموش ہو جاتی۔ وجیا اس حالت میں بھی گھر کا بھرم قائم کئے ہوئے تھی۔ سوسین نشے میں نہ ہوتا تو وہ اپنے دوستوں سے بھی اپنی بیوی کے حسن و جمال، پوجا اور اپاسنا اور نیکی و خدمت گزاری کی تعریف کرتا۔ ایک روز اُنہوں نے کہا کہ آج ذرا ہمیں بھی تو اپنی بیوی کے درشن کرادو۔ اس نے منظور کر لیا۔ وجیا نے سُنا تو گھبرائی اور ڈری کہ خدا خیر کرے دعوت کا حکم دیدیا اور کہہ دیا کہ میرے دوست میرے گھر میں آج جمع ہوں گے۔ گھر میں کچھ بھی نہ رہا تھا۔ ناک میں ایک نتھ رہ گئی تھی اسی کو رہن رکھ کر وجیا نے دعوت کا سامان کیا۔

جس گھر میں کبھی کئی نوکر ہوتے تھے وہاں اب سب کچھ کرنے والی تنہا وجیا ہی تھی۔ وہ خود ہی کھانے پکانے میں مصروف تھی۔ اور سوسین تھوڑی تھوڑی دیر بعد تاکید کر جاتا تھا۔

. . . .

فضائل اخلاق

آخری مرتبہ جو اس نے آکر جلدی کی تو وہ بولی بس تھوڑی دیر اور رہ گئی ہے۔ اس پر اس نے جھنجھلا کر نشے میں اس زور سے ایک لات رسید کی کہ اسکا سر دیوار میں جا کر لگا۔ اور مغز سے خون بہنے لگا لیکن نشے کے باعث لات کے ساتھ وہ بھی گرا۔ وفا کیش وجیا اپنی چوٹ بھولکر عجلت کے ساتھ اٹھی اور شوہر کو سنبھالنے لگی۔ کہ کہیں چوٹ تو نہیں آگئی۔ اسی اثنا میں سورسین کی نظر وجیا کے زخم پر پڑ گئی۔ خون بہ رہا تھا۔ ساری خون سے تر ہو گئی تھی۔ یہ دیکھکر اسکا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ اور سوچا کہ میں نے سخت غلطی کی۔ پٹی باندھنے لگا۔ وجیا بولی آپ میری فکر نہ کریں میں اچھی ہوں لیکن آپکے تو چوٹ نہیں آئی۔ سورسین ہاتھ جوڑکر کھڑا ہو گیا اور کہا سندری معاف کر میں نشہ میں تھا۔ پھر پاؤں پر گرنے لگا۔ وجیا گھبرا کر پیچھے ہٹی اور بولی "ناتھ یہ کیا غضب کر رہے ہو تم میرے دیوتا ہو۔ میں تمہارے پاؤں پر گروں یا تم مجھے کانٹوں میں نہ گھسیٹو۔ بات ہی کیا ہے۔ میں تو تمہاری کنیز اور بندی ہوں تمہیں پورا اختیار ہے خواہ مجھے پیار کرو یا سزا دو۔ میں نے کب شکایت کی۔ میری کب یہ جرات ہے کہ آپ کا شکوہ کروں۔

شوہر کی اصلاح

سورسین بہت شرمندہ ہوا اور کہا کہ اب میں شراب نہ پیوں گا۔

دوستوں میں گیا تو انہوں نے پھر پلا دی اور کھانا کھانے کے بعد بولے۔ ذرا درشن تو کرا دیجئے۔ وجیا حکم کی بندی دل نہ چاہتا تھا کہ سامنے جائے مگر گئی۔ وہ بدمعاش دوست بولے بھلا میلی ساری میں بھی درشن ہوا کرتے ہیں۔ سورسین نے حکم دیدیا کہ اچھے کپڑے پہن کر آؤ۔ وجیا شریف و نیکدل خاتون روتی ہوئی گئی اور سجا سجایا

ایک جوڑا پہن کر سامنے آئی۔ گھونگھٹ پڑا ہوا تھا جسے سوہن سین نے خود اٹھا دیا۔ یہ معلوم ہوا کہ بادلوں سے چاند نکل آیا۔ سب دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ ان میں سے ایک شخص رتن سین وجیا پر ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ تھا روپیہ والا گھر میں روزانہ آنے جانے لگا اور اس نے اس کی نیکی و خاموشی سے فائدہ اٹھا کر علانیہ کہہ دیا کہ سندری! میں تیرا دیوانہ ہوں۔ سوہن سین کے پاس کیا رکھا ہے۔ اب وہ ایک مفلس ہے میں تجھے عیش کرا سکتا ہوں۔ مجھ سے تعلق قائم کر اور عیش کے ساتھ زندگی بسر کر۔ اس نے رونے کے سوا کوئی جواب نہ دیا۔ آخر ایک روز اس نے اسے گھر میں تنہا پا کر اس کی عصمت زبردستی خراب کرنا چاہی اور ایک جداگانہ کمرے میں جا پکڑ لیا۔ وہ گل اندام نازنین اس تنومند انسان صورت حیوان کا کیا مقابلہ کر سکتی تھی۔ مگر اللہ نے مدد کی۔ وہ پوری قوت سے مقابلہ کر رہی تھی کہ یکایک کچھ عورتیں آ گئیں اور یہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔

دن پھر گئے وہ جانتی تھی کہ شوہر میرا قدر داں تو ہے مگر نشہ میں بدمست رہتا ہے۔ دوستوں کے زیر اثر ہے۔ اس لئے اس نے اس سے کچھ نہ کہا اور چوکنی رہنے لگی۔ مگر اس پر اس واقعہ کا اتنا گہرا اثر پڑا تھا کہ وہ بیمار پڑ گئی اور اس بیماری میں بھی شوہر کی خدمت برابر کرتی رہی۔ مفلسی اور بیماری دوگونہ عذاب اور اس پر بے آبروئی کی ندامت، شوہر کے بگڑنے کا غم۔ فاقے ہونے لگے اور وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ وہ تو اس کی شاگرد عورتوں اور لڑکیوں نے سنبھال لیا ورنہ سوہن سین بھی فاقوں کی نذر ہو گیا ہوتا۔ ایک روز وہ سرہانے بیٹھا رو رہا تھا۔ بیوی کے بچنے کی بھی امید نہ تھی۔ دفعۃً اس نے آنکھیں کھول دیں اور بولی ناتھ میں جوگی تھی نہیں میرے لیے حسرت نہ کر۔ اس کے بعد اس نے رتن سین کا واقعہ بیان کر کے کہا کہ غصہ کی ضرورت نہیں اس سے عبرت

حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس نے توبہ کر لی۔ وجیا بھی اتفاق سے بچ گئی۔ بسور سین بالکل بدل گیا تھا۔ اس نے وجیا کے مشورے سے ایک بہت چھوٹی دکان قرض لیکر رکھ لی۔ اللہ نے برکت دی اور کچھ دنوں میں حالت سنبھل گئی وہ دولتمندی تو نصیب نہ ہوئی۔ مگر اتنا ضرور ہوا کہ دونوں آرام و عیش سے زندگی بسر کرنے لگے۔

راون کی نیک نفس بہو

دانائی و فراست سولوچنا اندرجیت میگھ ناد کی نہایت محبوب بیوی تھی۔ جو راون فرمانروائے سیلون کا لڑکا تھا۔ سولوچنا حسن و جمال نیکی و پاکبازی اور شرافت و حلم میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ شوہر کی تو کنیز تھی ہی ساس نندوں کی بھی اسقدر خدمت کرتی تھی کہ سب اس پر قربان تھیں۔ یہ سولوچنا ہی تھی جس نے راون کے سیتا کو اڑا لانے کی خبر سنکر بہت رنجیدہ ہوئی تھی۔ اور اپنے شوہر سے صاف الفاظ میں کہدیا تھا کہ سیتا گو بے انتہا حسین و ماہ پیکر ہے مگر سنتی ہوں کہ بہت پاکباز اور نیک طینت ہے! میرے نزدیک تو ایسی عورت کو اس طرح اڑا کر لے آنا شدید ظلم اور بہت پاپ ہے۔ میں آپکے سامنے اپنے خسر پر کوئی اعتراض نہیں کرتی۔ مگر یہ کہتی ہوں کہ اب مجھے خاندان کی خیر نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ آپ کسی عقلمند بزرگ کو اس امر پر آمادہ کریں کہ وہ راون کو سمجھا کر سیتا کو واپس کرادے۔ شوہر نے بیوی کے مشورہ پر اظہار مسرت کیا اور کہا سولوچنا تو سچ کہتی ہے اور مجھے بھی یہی خوف ہے۔ مگر میں مجبور ہوں کہ میں راون کا بیٹا بھی ہوں اور رعایا سے بھی ہوں۔ میرے ہر مخالف فعل کا اثر رعیت و راج پر برا پڑے گا۔ تجھے علم نہیں کہ میری ماں

بھی منت و سماجت سے بہت کچھ سمجھا چکی ہے اور درباریوں نے بھی سمجھایا ہے۔ اقتضائے سیاست تو یہ ہے کہ باپ اور راجہ کی ہر غلطی میں ساتھ دیا جائے اس لیئے مجھے تو یہی کرنا پڑے گا۔

لنکا پر حملہ

سولوچنا نے جو کہا تھا وہی ہوا۔ شری رامچندر جی ایک عظیم الشان فوج لیکر سیلون پر چڑھ آئے۔ سخت اور خوفناک جنگ ہوئی جس میں راون کے کئی لڑکے مارے گئے اور کنبھ کرن بھی قتل ہو گیا۔ اب اندرجیت کی باری تھی۔ یہ بہت بہادر اور شیر دل تھا۔ نہ صرف سیلون بلکہ ہندوستان میں بھی اس کی شجاعت و جانبازی کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے دلیر اور جواں مرد اسکا نام سُنکر لرز اُٹھتے تھے۔ وہ شری رامچندر جی کی فوج سے لڑا اور اس جرات و جلادت کے ساتھ لڑا کہ حریف بھی عش عش کرنے لگا۔ مگر راون کا وقت آ چکا تھا۔ اندرجیت کی موت تھی۔ اس کی شجاعت و دلیری کچھ کام نہ آئی اور شری لچھمن جی کے ہاتھ سے عین میدان جنگ میں قتل ہو گیا۔ راون سمجھتا تھا کہ اندرجیت کا مقابلہ کوئی نہ کر سکیگا۔ ورنہ اس شجاعت اور آن بان کا کوئی بہادر شری رامچندر جی کی فوج میں موجود ہے اس کے ہاتھ پر ضرور فتح ہوگی اس کے ہاتھ پر ضرور فتح ہوگی۔ اس کے قتل ہوتے ہی اسکا دل ٹوٹ گیا۔ ہمت شکست ہو گئی اور پانسہ پلٹ گیا۔ اب میدان جنگ پر راون کا نہیں بلکہ حریف کا قبضہ تھا۔

سلوچنا راون کے دربار میں

سولوچنا اپنے رنگ محل میں اپنی سکھی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہنسی خوشی کے ساتھ باتیں کر رہی تھی اُسے کچھ وہم تو ضرور تھا مگر جانتی تھی کہ اس کا پتی بڑا دلیر و شجاع ہے وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ وہ اپنی ساتھنوں سے کہنے لگی آج میرا ناتھ میدان جنگ میں اپنی شجاعت و جواں مردی کا اظہار

کر رہا ہوگا کہ عین اسی وقت اُسے اندرجیت کے قتل کی خبر لگی۔ اس کی امیدوں کا آفتاب غروب ہوگیا وہ ہنڈولے سے یکلخت زمین پر گری اور گرتے ہی بیہوش ہوگئی۔ اور اس صدمے کو برداشت نہ کرسکی۔ کچھ دیر بعد ہوش جو آیا تو اس نے بیقراری کے ساتھ گریہ وزاری شروع کردی۔

تمام محل میں کہرام مچ گیا۔ ہر طرف ایک شور و فغاں بلند ہوا۔ کچھ دیر بعد سولوچنا ہیجانِ غم میں اُٹھی اور راون کے دربار میں پہنچی اور اپنے خسر کے پاؤں چھوکر بولی۔ مہاراج! آج وہ دن ہے کہ میرا سہاگ لٹ گیا میرا دولہا قتل ہوگیا میرا ناز اُٹھانے والا مارا گیا۔ میری آرزوؤں کا چراغ گل ہوگیا۔ اب آپ مجھے اجازت دیں تو میں بھی دنیا چھوڑنے اور اپنے سرتاج کے پاس جانے کی [illegible] تیاری شروع کردوں۔

شری رامچندر جی سے گفتگو

راون خود ایک تصویرِ اندوہ و غم بنا بیٹھا تھا بہو کی فریاد و شیون نے اسے اور بیتاب کردیا۔ بولا تو نہ گھبرا میں ابھی دشمن سے اندرجیت کا انتقام لیتا ہوں۔ سولوچنا بہت ہوشمند اور ذی عقل عورت تھی۔ سمجھتی تھی کہ جب اندرجیت جیسا جواں مرد کچھ نہ کرسکا تو راون کیا تیر مار سکیگا۔ سیتا کی آہ اور پرائی شہزادی پر یورش سیلون کو برباد کرکے رہیگی۔ اُسے راون کے ان الفاظ سے ذرہ برابر بھی تسلی نہ ہوئی۔ ساس سے بولی۔ وقت ہے کہ تو خود شری رامچندر جی کے پاس جا اور ان سے اپنے سرتاج کا سر مانگ لے۔ مجھے امید ہے کہ وہ کبھی مجھے مایوس نہ کریں گے۔ راون خاموش تھا۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ سولوچنا خاموشی کے ساتھ شری رامچندر جی کے خیمے کی طرف روانہ ہوئی اور ان کے سامنے جاکر آنسو بہانے لگی۔ انہوں نے اس ماتمی کو روتے دیکھ کر کہا بیٹی! بتاؤ کون ہے؟ اور اس طرح رونے کی وجہ کیا ہے؟ جو آرزو ہو بلا تامل بیان کریں اسے پورا کرنے کی کوشش کرونگا۔ اور مجھے [illegible] نہ جانیئے گا۔

سلوچنا نے کہا کوئی آرزو نہیں۔ کچھ نہیں چاہتی۔ ایک لٹی ہوئی بیوہ دنیا میں کونسی آرزو رکھ سکتی ہے۔ البتہ اتنا عرض ہے کہ آپ میرے پتی اندرجیت کا سر مجھے عنایت کر دیں تاکہ میں اسے اپنے آغوش میں لیکر اس پاپی اور معصیت آلود دنیا سے جلد سے جلد چلے جانے کی تیاری کروں۔

حسین دیوی چتا کے شعلوں میں

شری رامچندر جی نے سلوچنا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ دعائیں دیں اور اُن کے اشارہ پر آن کی آن میں اندرجیت کا سر اس کے سامنے آگیا جسے دیکھکر سلوچنا کچھ اس بیقراری و بیتابی کے ساتھ روئی کہ دیکھنے والوں کے کلیجے پھٹنے لگے۔ اور سب کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ اس کے بعد وہ شوہر کے سر سے لپٹ گئی اور اُسے اپنے آغوش میں لیئے ہوئے سمندر کے ساحل تک آئی۔ وہیں چتا تیار کیگئی وہ سر کو لیئے ہوئے بڑھی اور چتا پر جا بیٹھی۔ اتنے میں آگ کے شعلے بلند ہوئے اور ہر طرف سے لپک لپک کر سلوچنا کی طرف بڑھنے لگے۔

پہلے پہل سلوچنا کے کپڑوں میں آگ لگی۔ پھر اس کے کیس جلنے لگے اور کچھ دیر بعد اس کے جسم نازنین کے ہر حصہ سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ ایک ہجوم سامنے کھڑا یہ اندوہناک منظر دیکھ رہا تھا۔ سلوچنا پورے استقلال کے ساتھ شعلوں کے درمیان بیٹھی تھی۔ اس کے چہرۂ زیبا پر ایک تبسم تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ایک روحانی سکون محسوس کر رہی ہے۔ دیکھتے دیکھتے وہ خاک کا ایک ڈھیر تھی۔ راون جتنا سخت تھا سلوچنا اتنا ہی نرم و خلیق تھی۔ شوہر کی خدمت وہ باندیوں کی طرح کرتی تھی کبھی اس نے کسی باندی اور نوکر کو اپنے سامنے اندرجیت کی خدمت نہ کرنے دی۔ راون کے تمام خاندان میں سلوچنا سے زیادہ ماہ پیکر

اور عقیں کوئی راجکماری نہ تھی۔

راجہ دھار کی ناز آفرینی

انتظام ولیاقت یہ رانی اپنی دانائی و فراست، شجاعت وہمت اور حسن وجمال میں مشہور تھی اور اسکا استقلال دیکھکر بڑے بڑے جوانمرد متحیر رہجاتے تھے۔ آنند راؤ راجہ دہار کی محبوب نازنین بیوی تھی۔ جسے اس کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ وہ اس کے بغیر چند ساعت بھی نہ رہ سکتا تھا اور نہ اس کے بغیر مشورہ کوئی کام کرتا تھا۔ زندگی عیش کے ساتھ بسر ہورہی تھی کہ راجہ کی اچانک موت نے اس مہجبین رانی کا سارا عیش حیات خاک میں ملا دیا۔ اب اسے زندگی میں کوئی لطف محسوس نہ ہوتا تھا مگر مجبوراً بنظر مصلحت اُسے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینی پڑی اور اس خوبی وخوش سلیقگی کے ساتھ انتظام کیا کہ اردگرد کے راجاؤں کو حسد پیدا ہوگیا اور وہ ریاست کو ہضم کرجانے کے خواب دیکھنے لگے۔ رانی حاملہ تھی اس وقت تو وہ انتظام ریاست وزیر کے سپرد کرکے ایک گاؤں میں چلی گئی مگر جب اس کے لڑکا پیدا ہوا تو اس کی ہمت تازہ ہوگئی۔

راجہ ہلکر نے دہار وار پر قبضہ جمانے کی یہ تدبیر سوچی کہ ایک معمولی سردار مراری راؤ کو سردست وارث تخت وتاج قرار دے کر حکومت سپرد کردی جائے چنانچہ اس کے ایماسے ادہر تو اس نے قلعہ پر حملہ کیا اور ادہر رعایا میں مشہور ہوگیا کہ گدی کا وارث پیدا ہوگیا ہے اب ملکر اور مراری راؤ نے رانی اور اس کے نومولود بیٹے کو ٹھکانے لگانے کے لئے یہ کیا کہ رانی کو اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا اور کہلا بھیجا کہ ہم قبضہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ قیام انتظام کے لئے بڑھے تھے۔ آپ بلا خوف

تشریف لے آئیں۔

رانی کے ساتھ فریب

رانی دھوکہ کھا کر چل پڑی مگر وہ ابھی قلعہ میں پہنچنے بھی نہ پائی تھی کہ اسے رستے ہی میں روک کر شہر کے اندر ایک محل میں رہنے پر مجبور کیا گیا جس کے ارد گرد شدید پہرہ لگا دیا گیا اور آگ لگا کر دونوں کو خاکستر بنانے کی تدابیر زور شور کے ساتھ شروع ہو گئیں۔ رانی کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ وہ اندوہ و غم کے بارے دبی ہوئی تھی مگر اس نے اس وقت اس نے اپنے اوسان قائم رکھے اور دشمنوں کی سازش کا علم ہوتے ہی اس نے اپنی ایک معتمد کنیز کے ہاتھ راجکمار کو بہ تبدیل ہیئت قلعہ دار کے پاس بھیج دیا کہ وہ اسے تا حکم ثانی اپنی حفاظت میں رکھے۔ یہ کام اس خوبی سے ہوا کہ پہرہ داروں کو شبہ ہوا اور نہ کسی کو کانوں کان خبر ہوئی۔ کنیز بچہ کو بیہوش کر کے مردانہ لباس پہنا کر اور اپنے کپڑوں میں چھپا کر لے گئی۔ قلعہ دار تو وفادار تھا ہی وہاں بچہ بحفاظت رہنے لگا۔ جب راجکمار وہاں بحفاظت پہنچ گیا تو رانی نے مراری لال کو لکھا کہ ظالم اب میں تجھے اپنی طرف سے پیغام دیتی ہوں کہ جو تیرے دل میں آئے کر گزر کہ گدی کا وارث بحفاظت قلعہ میں پہنچ گیا۔ تنہا میری جان رہ گئی ہے تو شوہر کے بعد اب اس کی قیمت ہی کیا ہے۔ مراری لال یہ خط پڑھ کر سناٹے میں آ گیا

رانی کی دانائی

اس نے پھر بہتیری تدابیر کیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور نہ عقیل رانی پھر اس کے داؤ میں آئی۔ اس نے چاروں طرف امداد کے لئے لکھ رکھا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ بڑودہ کی فوج امداد کو آ گئی لیکن اس کے آنے سے پیشتر صورت حالات نے اور پلٹا کھایا وہ یہ کہ مراری راؤ نے سوچا کہ رانی ابھی نوجوان بھی ہے اور انتہائی حسین بھی اس پر شادی کے لئے ڈورے ڈال کر مطلب پورا کیا جائے۔ یہ خیال اس پر اتنا غالب ہوا کہ اس نے زبردستی اس کی عصمت دری کا ارادہ کر لیا۔

اور جا ہا کہ ایک مکان میں گھسکر رانی سے وصل کے مزے لوٹے۔ رانی کو پتہ چل گیا خیال کیا کہ قید میں کچھ نہ کر سکوں گی۔ اس لئے وہ مردانہ لباس پہنکر نوکروں کی صورت میں گھر سے نکل گئی اور کچھ فاصلہ پر پہنچکر گھوڑے پر سوار ہو بڑودہ کی فوج میں جا ملی۔ مراری راؤ کو شکست دیکر جلاوطن کیا۔ مگر راجکمار کا انتقال ہو گیا۔ اب پھر اسی مصیبت کا سامنا تھا۔ رانی نے جھٹ اپنے بھانجہ کو متبنیٰ بنا کر گدی کا وارث بنا دیا اور خود راج کرنے لگی۔ اور جب دیکھا کہ دشمن اب بھی کمین پن میں لگے ہوئے ہیں تو اس نے انگریزوں کی سیادت میں حکومت شروع کر دی اور عرصہ تک نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے لگی۔ اس رانی کا نام مینا تھا۔ راجپوتانہ کی تاریخ میں اس کا نام آج بھی بحروف جلی لکھا ہوا ہے۔

بوندی کی گل اندام رانی

یہ رانی اپنے عہد کی ایک کافر ادا اور گل اندام عدیم المثال حسن و جمال رانی تھی جس کے عالم آشوب حسن کی بدولت گھر کے اندر خون کے فوارے بلند ہوئے اور کئی قیمتی اور عزیز جانیں خاک میں ملگئیں۔ رانی جتنی حسین و پر جمال تھی اتنی نیک، عفیفہ، غیر تمند اور غربا پرور بھی تھی۔ فرمانروائے بوندی راجہ اجیت سنگھ کی مایۂ ناز بیوی راجہ جے پور کی لاڈلی بیٹی تھی راجہ کو رانی کے ساتھ والہانہ عشق تھا اور دونوں شمع و پروانہ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایک کو دوسرے کے بغیر چین ہی نہ آتا تھا۔ اس کا نام تھا درگا! درگا کی چھوٹی بہن کی شادی راجہ امر سنگھ کے ساتھ ہونے لگی۔ تو اسی سلسلہ میں اس نے محسوس کیا کہ بوندی کی عورتیں پر جمال ہیں۔ اس نے جوش شباب میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ درگا کا حسن ایک قیامت خیز حسن ہے یہ سنتے ہی امر سنگھ کے قلب میں عشق

کے شعلے بلند ہو گئے اور اس نے درگا کو دیکھنے اور اس کے پاس جانے کا عزم کر لیا۔ لوگوں نے سمجھایا بھی کہ یہ سعی عبث ہے۔ تمہاری بیوی بھی آخر اسی کی بہن ہے حسن و ادا میں کم نہیں وہ بیاہی ہوئی ہے مگر اس کے سر پر تو عشق کا بھوت سوار تھا ایک نہ سنی۔ درگا کے خیمے کی طرف چلدیا۔ کنیزان شاہی کو روپیہ کا لالچ دیکر اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ اسے درگا کو ایک نظر دکھا دیں جو بہن کی شادی کے سلسلہ میں اپنے شوہر سے اجازت لے کر جے پور آئی ہوئی تھی۔ انہوں نے اشارہ سے بتا دیا کہ وہ سامنے جو بیٹھی ہے اور جسکا چہرہ گلاب کے پھول سے زیادہ شگفتہ ہے وہی درگا ہے جس کے حسن و جمال کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ درگا کے رخ زیبا پر رام سنگھ کی نظر جو پڑی تو ہوش و حواس جاتے رہے۔

دست سیمیں میں پستول

یہ تو اسے علم ہی ہو گیا تھا کہ اس کی سالی ہے اور اپنی بہت سی مہ پارہ خواصوں کے ساتھ شادی میں شرکت کے لئے آئی ہے وہ بے دھڑک اندر چلا گیا اور از خود رفتگی میں اس نے درگا کا ساعد سیمیں ہاتھ میں لے لیا۔ کوئی بات نہ تھی۔ درگا نے جو دیکھا تو رام سنگھ کی آنکھوں سے مستی کے شرارے نکلتے نظر آئے پھر کیا تھا آگ بگولا ہو گئی اور جھلا کے بولی مردود! تونے یہ کیا حرکت کی غیر عورت کا ہاتھ بدنیتی کے ساتھ پکڑا اور تونے میری نہیں بلکہ لونڈی راج کی توہین کی۔ اچھا تجھے اس کی پوری سزا دیکر رہونگی۔ وہ پستول سے اسے وہیں ٹھنڈا کر دینا چاہتی تھی کہ اس کی ماں اس کے قدموں پر گر پڑی اور بولی بیٹی ایشور کے لئے معاف کر دے۔ تیرا چھوٹا بہنوئی ہے نادان ہے کم عمر ہے۔ اس کی جان تو جائے گی ہی تیری بہن کا سہاگ بھی لٹ جائیگا۔ محل کی اور رانیوں نے بھی سمجھایا۔

درگا بولی! خیر میں تو آپ کے کہنے سے اسے معاف کئے دیتی

ہوں۔ مگر میرا شوہر اس سے ضرور میری اس بے عزتی کا بدلہ لیگا۔ دوسرے میں اب اس ہاتھ سے شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی جسے غیر مرد نے چھوا ہے یہ کہا اور کٹار لیکر اسی وقت اپنا نازک اور خوبصورت ہاتھ کاٹ ڈالا۔

غیرت حسن کے کرشمہائے خونیں اس کے بعد وہ وفور جوش میں اٹھی اور گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے محافظ دستہ کے ساتھ بوندی چلی گئی۔ اجیت سنگھ کو درگا کی ایک لمحہ کی جدائی بھی گوارا نہ تھی۔ وہ بہت بیقرار تھا۔ اسی ہیجان میں وہ شکار کے بہانے جے پور کے راستے پڑ لیا تھا۔ اسی اثناء میں اسے درگا مل گئی۔ بہت خوش ہوا مگر خون آلود ہاتھ دیکھکر بیقرار ہوگیا اور یکایک چلا اٹھا۔

محبوب شوہر نے خود اپنے ہاتھ سے خون دھویا۔ سارا واقعہ سنا۔ اب رانی کا جوش کچھ ٹھنڈا ہوا اور وہ بیہوش ہوکر گر پڑی۔ اجیت سنگھ نے اسے ہوش میں لاکر وہیں چھوڑا اور اسی شکاری جمعیت کے ساتھ جوش غضب سے دیوانہ ہوکر جے پور کی طرف چلا۔ ادھر سے امر سنگھ اپنی دلہن کو لئے ہوئے مستانہ خرامی سے چلا آرہا تھا۔ اجیت سنگھ نے اسے متنبہ کرکے بھالے سے حملہ کیا اور اس کے گھوڑے سے گرتے ہی اسکا ہاتھ کاٹ کر صاف نکل آیا۔ دلہن نے جو دیکھا کہ وہ شوہر کا منہ دیکھنے سے پہلے بیوہ ہوگئی تو وہ بیہوش ہوگئی اور وہیں چتا میں بیٹھکر شعلوں میں ڈوب گئی۔ غیرت حسن کا یہ کتنا خوفناک، مگر شاندار نظارہ ہے جس کے اندر متعدد سبق ہائے عبرت پنہاں ہیں

شیر دل رانی موہنی

حسن و جمال اور علم و فضل یہ رانی نہایت وفا کیش، شجاع، نیک دل اور کافر ماجرا رانی تھی اس کی شادی بیرم دیو کے ساتھ ہوئی تھی جو ایک بلند بخت راجہ تھا۔ چونکہ رانی حسن و

ورعنائی کے علاوہ وہ عقل و سیرت میں بھی ممتاز تھی۔ اس لئے راجہ کو اس سے بہت محبت تھی۔ اتنی محبت کہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھکر جیتے تھے اور باہم عاشقانہ محبت رکھتے تھے۔ رانی علم و فضل میں بھی یکتا تھی۔ فیاض بھی تھی۔ رعیت کی تکلیف دیکھ نہ سکتی تھی اور غربا کو برابر روپیہ تقسیم کرتی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ بیخوف اور جری اتنی تھی کہ باور نہ ہوتا تھا کہ اس گل اندام نازنین کے سینے میں اتنا مضبوط دل ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک جنگلی بھینسا شہر میں گھس آیا۔ وہ سپہر کا وقت تھا۔ بہت سے آدمی مجروح ہو گئے۔ راجہ نے اس کا تعاقب کیا اور تلوار کے دو چار ہاتھ میں اسے ٹھنڈا کر دیا۔ راجہ کو بے حد مسرور پاکر مہ جمال رانی مسکرائی اور کہا مہاراج! آپ ایک معمولی بھینسے کو مار کر اتنے خوش ہو رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے یہاں کی تو عورتیں ایک ہاتھ میں ان کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔

راجہ کی بے پروائی راجہ کو انتہائی محبت کے باوجود یہ تعریض سخت ناگوار ہوئی اور بولا اب تو جب تک تمہارے وطن پہنچکر جنگلی بھینسے کو مار نہ لونگا۔ تمہارے محل میں قدم نہ رکھونگا۔ رانی کو بہت محبت تھی وہ راجہ کے یہ الفاظ سنکر بہت رنجیدہ ہوئی اور خاموش کی خاموش رہ گئی۔ اُسے خیال بھی نہ تھا کہ راجہ ناراض ہو جائیگا چند روز کے بعد راجہ نے رانی کے امتحان کے لئے ایک بڑا قوی بھینسا منگوا کر محل کے ایک احاطہ میں چھڑوا دیا اور رانی کو بلا کر کہا یہاں اے استری اب اپنی ہمت کے جوہر دکھا۔ رانی جس کا نام موہنی تھا بولی ناتھ میں تو ایک ضعیف الخلقت عورت ہوں۔ بھلا میں کیا امتحان شجاعت دے سکتی ہوں۔ راجہ مسکرا کر خاموش ہو رہا۔ پھر بولا اچھا اپنے تم وطن جاکر کوئی مضبوط پنجرہ تیار کروانا [illegible] آکر [illegible] دیتی

بہادری دکھاؤں گا۔

موہنی اپنے وطن رامپور گئی اور ایک طاقتور جنگلی بھینسا تیار کیا۔ دسہرہ کے روز وہ اور راجہ بھی یہ تماشا دیکھنے کو مجتمع ہو گئے۔ راجہ رامپور نے اور طرفہ یہ کیا کہ مست بھینسے کے پیچھے ایک شیر بھی کٹہرے سے چھڑوا دیا۔ موہنی پریشان ہو گئی کہ مہیا داکوئی اور صورت پیش آ جائے۔ راجہ کے ہوش رامپور کے بھینسے ہی کو دیکھ کر بجا نہ رہے تھے کہ شیر کی آواز سنکر تو وہ دم بخود رہ گیا۔ ابھی وہ بھینسے پر وار کر کے بہ دشواری اسے مغلوب کر چکا تھا کہ شیر تڑپ کر اس کی طرف آیا۔ موہنی نے پیچھے جھپٹ کر بھالا شیر کے منہ میں گھسیڑا اور دوسرے ہاتھ سے تلوار سونت کر اسے وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ راجہ کے لئے واقعی نازک صورت پیدا ہو چلی تھی۔ اس کی جان خطرے میں تھی۔ وہ موہنی کی جرات سے تو بہت خوش ہوا مگر اسکا یہ خیال قائم ہو گیا کہ راجہ رامپور نے دیدہ و دانستہ اسے مروانے کی سعی کی تھی۔ لیکن بعد کو اس کا یہ خیال دور ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں ایدر میں واپس آئے اور مدت تک عیش و نشاط کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اور راجہ زندگی بھر موہنی کی جرات کا معترف رہا۔

راجہ سیلا کی مدبر و بہادر بیٹی

حسن و جمال اور علم و فضل

یہ رانی علم و فضل، شجاعت و بسالت، سمجھ بوجھ و بیباکی، ہمت و استقلال اور حسن و جمال میں ایک امتیازی شان رکھتی تھی وہ بھی لپوسے راجکمار کی ناز آفریں بیوی اور فرمانروائے سیلا راجہ کیسر سنگھ کی لاڈلی بیٹی تھی سندر بائی نام تھا۔ ایک روز یہ اپنے پر فضا اور وسیع باغ میں اپنی سہیلیوں

کے ساتھ مصروف تفریح تھی جس کے دوران میں اس نے تنہائی یا گانا بھی شروع کردیا عین اسی وقت راجکمار رنبھی پور کنور بیر سنگھ کہیں سے تھکا ہوا ادھر آنکلا اور گانے کی دلکش آواز سنکر وہیں درختوں کی آڑ میں چھپ رہا۔ اس کے بعد اس نے ان پریزادوں کی نجی گفتگو بھی سنی۔ سب تعلیاں مار رہی تھیں کہ ہم شادی کے بعد یہ کریں گی وہ کریں گی کہ سندربائی نے مسکرا کر کہا کہ میں تو کنور بیر سنگھ کے ساتھ شادی کرونگی۔ اور اپنی قوت کار سے اس پر ثابت کردونگی کہ عورتیں کسی امر میں صنف مذکور سے کم نہیں اور اس طرح اسے مغلوب کرکے اپنا بنالونگی۔ یہ محض ایک تفریحی گفتگو تھی مگر وقت کی بات ہے کہ اس تفریح نے آگے چلکر نازک صورت اختیار کرلی۔ کنور بیر سنگھ نے اسے ایک نگاہ دیکھا اور اس کے حسن وجمال کا معترف ہوکر اپنے راج میں گیا اور پیغام بھیجکر سندر دیوی سے شادی کرلی۔ لیکن اس کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ کنور اس کی طرف بالکل متوجہ ہی نہیں ہوتا۔

ایک روز سندر دیوی مندر گئی ہوئی تھی اور یہ دعا مانگ رہی تھی کہ ایشور میرے پتی کو خوش و خورم رکھ۔ کنور بیر سنگھ بیتاب ہوگیا۔ محبت تو اسے تھی ہی صرف آزمائش کے لئے الگ الگ رہتا تھا۔ بولا سندری تمہاری وہ قوت کار اب کہاں خفتہ ہے جس کی شیخی میلا کے باغ میں بگھار رہی تھیں۔ سندر دیوی بولی "پران پیارے آپ بھی پرائیویٹ اور تفریحی باتوں کا خیال کرتے ہیں۔ میں پھر ایک کمزور و ضعیف عورت ہوں" بیر سنگھ یہ کہکر چلا گیا اب تو اسی وقت محل میں قدم رکھوں گا جب تم اپنی قوت کا ثبوت بہم پہنچا دوگی شہر کا شکار۔ سندر دیوی آخر راجپوتنی تھی۔ وہ پریشان ہوئی

مگر پھر ایک عزم صمیم کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنے باپ کو خفیہ لکھکر ایک صبا رفتار گھوڑا اور زرہ بکتر منگوایا۔ اپنے محل تک سرنگ کھدوائی اور مردانہ بھیس بدلکر اُسی روز محل سے نکل گئی اور بہ تبدیل ہیئت اپنے خسر کے دربار میں پہنچکر ملازمت کی درخواست دی اور عرض کیا کہ میں ایک راجہ کا بیٹا ہوں اور وہاں سے ملول ہو کر دربار میں ملازمت کے لئے آیا ہوں۔ آپ مجھے رکھ لیجئے۔ میری چند روزہ خدمات آپ کو میری قابلیت کا معترف بنا دیں گی۔ راجہ نے اسے راجکمار بیر سنگھ ہی کے ساتھ رہنے اور چند ضروری خدمات انجام دینے پر مامور کیا۔ کمال یہ تھا کہ ہر وقت کا ملنا جلنا تھا مگر سندر دیوی نے ایسی سج دھج بنا رکھی تھی کہ راجکمار اسے بالکل نہ پہچان سکا۔ اسی دوران میں ونبھی پور کے قریب ایک شیر نے اپنا مسکن بنا لیا جس کی حالت یہ تھی کہ کسی کے قابو میں نہ آتا تھا اور رعیت پریشان تھی۔ راجکمار نے سندر دیوی سے مشورہ کیا جو اب رتن سین بنا ہوا تھا۔ بولا آپ اندیشہ نہ کریں میں آج ہی اُسے ٹھنڈا کر دونگا۔ چنانچہ اسی شب کو رتن سین نے تلوار سے شیر کا کام تمام کر دیا اور اسے اٹھوا کر اپنے پاس رکھ کر سو گیا۔ راجکمار کو یقین نہ تھا کہ ایسا خوفناک درندہ رتن سین کیا شکار کر سکتا ہے۔ وہ علی الصباح ہی رتن سین کے پاس پہنچا۔ اُسے خبر ہو لگی تو افشائے راز کے خوف سے دوسرے کمرے میں جا کر بعجلت لباس تبدیل کیا اور آ کر سلام کیا۔ اب تو رتن سین کی دلیری کی دھاک بیٹھ گئی۔ لوگ اسے عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور راجہ نے بھی اسے بہت کچھ انعام دیا۔

کچھ دن بعد راجہ رتن سین میدان جنگ میں بہادرانہ معرکہ سر کیا ساتھ لیا تنہا کو کیا۔ دور نکل گیا دن لگ گئے راجکمار بیمار ہو گیا۔ موقعہ دیکھ کر ایک راجہ

نے حملہ کر دیا۔ اور راجکمار قید کرکے علیحدہ ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ رتن سین یہ سنکر تڑپ گیا اور اجازت مقابلہ چاہی۔ راجہ نے کہا شکار میں یہاں فوج ہی کہاں ہے۔ رتن سین بولا گھبرائیے نہیں میں راجہ سیلا سے مدد لاتا ہوں۔ چنانچہ چیدہ جوان اپنے باپ سے لیکر سرنگ کی راہ قلعہ میں پہنچ گیا۔ راجہ متحیر تھا کہ یہ سرنگ کہاں سے پیدا ہوگئی اور یہ جوان کسقدر بہادر ہے۔ رتن سین نے تین طرف سے حملہ کرکے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور بیر سنگھ کے پاس جاکر اپنے ہاتھ سے اس کی بیڑیاں کاٹیں۔ راجکمار بیحد مسرور و ممنون ہوا۔ اور دشمنوں کو پوری شکست دی۔ اس کے بعد اس نے اولین فرصت میں گرد و نواح کے زمینداروں اور کاشتکاروں کی ایک فوج تیار کر لی اور انہیں ایک سردار کی ماتحتی میں کچھ دور علیحدہ ٹھہرا کر حکم دیا کہ فلاں وقت تم بے تحاشا حملہ کر دینا۔ کھلے میدان میں لڑائی ہو رہی تھی گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ رتن سین مغلوب نظر آتا تھا کہ عین اُسی وقت دوسرا لشکر آن پڑا۔ دشمن حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ راجہ اور راجکمار دونوں متعجب تھے کہ یہ دوسرا لشکر کہاں سے عین وقت پر آ گیا کہ رتن سین نے دست بستہ عرض کی کہ یہ لشکر بھی حضور ہی کا تھا جسے میں نے علیحدہ موقعہ کا منتظر بنا کر ٹھہرا کر دیا تھا۔ راجہ اور راجکمار رتن سین کی بہادری اور ہمدردی کی تعریف ہی کر رہے تھے کہ رتن سین نے کہا مہاراج اب تو مجھ سے خوش ہو گئے ہوں گے۔ اور پھر غائب ہو گیا۔ راجکمار نے قید سے چھوٹنے پر جو زریں دستہ کٹار اسے دی تھی وہی ساتھ تھی۔

ہمت و حوصلہ کی شان

تلاش جو شروع ہوئی تو کسی نے کہدیا کہ اس سے زیادہ کچھ علم نہیں کہ اُسے سندر دیوی کے محل تک دیکھا گیا ہے۔

یہ سنتے ہی راجکمار آگ بگولا ہو گیا اور سمجھا رتن کی یہ جاں نثاریاں سرنگ کا نمودار ہونا۔ سندر دیوی کا غائب رہنا سب ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ رتن سندر دیوی کا عاشق ہے اور سب کچھ اسی جوشِ عشق میں کیا گیا ہے اور اب بھی وہ محل میں اپنی معشوقہ کے پاس گیا ہوگا۔ وہ برہنہ شمشیر لیئے ہوئے محل میں گیا اور ڈانٹ کر کہا۔ بتا او ڈائن کہ رتن کہاں ہے۔ بولی۔ راجکمار کسے دریافت فرما رہے ہیں۔ فرمایا وہی جو میرا دوست نما دشمن تھا۔ جلد بتا ورنہ ابھی سر اُڑا دونگا۔ بولی جس نے آپ کی جان بچائی کیا اُسکا صلہ یہی ہے۔ راجکمار نے کہا بحث بند کر جلد بول ورنہ ابھی ذبح کیئے دیتا ہوں۔ آخر میں سندر دیوی نے کہا کہ یہ سر تو آپ ہی کا ہے اُتار لیجیئے۔ لیکن میں اس کام کے لیئے آپ کو ایک اور کٹار دیتی ہوں۔ وہ تیز نہیں ہے اور ایک پاپی کا گلا اسی سے کٹنا چاہیئے اور ذرا میری صورت بھی غور سے دیکھیئے کہ کہیں رتن سیں کا چہرہ یہی تو نہیں۔ کٹار دیکھکر چہرہ جو دیکھا تو فرطِ مسرت سے راجکمار "میری محسنہ میری سندری" کہتا ہوا گرا اور بیہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے پر سندر دیوی مسکرائی اور بولی اب تو عقل میں آ گیا "استری میں "قوت نسکار" کا تجربہ ہوا۔ اسی واقع والی بات سچی ثابت ہوئی۔ ناتھ! اگر میری جگہ اور کوئی مرد ہوتا تو اس وقت نہ آپ ہوتے اور نہ آپ کا راج۔ یہ آپ کی داسی ہی تھی جس نے اپنی قوت نسکار سے نہ صرف اپنی سچائی واضح کی بلکہ راج کو بھی بچایا۔ اپنی مردانگی دیکھیئے کہ آپ پھر میرا ہی گلا کاٹنے چلے تھے۔ راجکمار کی آنکھوں میں اشکہائے مسرت تھے اور زبان پر ندامت! راجہ اور پرجا سب یہ داستان سنکر سندر دیوی کی عقل و ہمت پر عش عش کر رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سندر دیوی جتنی عدیم المثال حسینہ اور فاضلہ روزگار تھی وہ

اتنی ہی دلیر و عقیل بھی تھی۔ پھر یہ کتنی دلربا شان ہے کہ اپنے شوہر کے سامنے ایسی شیر دل دیوی عجز و انکساری کا اظہار کرتی ہے۔ اس زمانہ کی کوئی عورت ہوتی تو شوہر کیا دنیا بھر کو اپنے مقابلہ میں حقیر سمجھتی۔

جھجھار سنگھ کی ماہ پیکر و جری محبوبہ

ابتدائی حالات تاریخ شاہد ہے اور جہانگیر خود اپنی توزک میں لکھتا ہے کہ اس نے ابوالفضل کو نر سنگھ سے قتل کرایا۔ اس صلہ میں جہانگیر نے اسے ایک نہایت شاداب اور زرخیز پرگنہ "قلعہ آونڈ" اسے بخشدیا تھا اور اس کی عزت بڑھا دی تھی۔ لیکن تھا پست فطرت اس احسان و نوازش کا بدلہ اس نے یہ دیا کہ اس نے غارتگرانہ سلب و نہب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ متعدد شاہی پرگنوں پر تصرف جما لیا اور ایک خطرناک صورت اختیار کر لی۔ جہانگیر کو اس کی اس احسان ناشناسی اور عدوانہ کمینگی پر اسدرجہ غصہ آیا کہ وہ خود ایک عظیم فوج لیکر اسے سزا دینے کے لئے چلا۔ لیکن اس کی علالت نے اسے شہنشاہ کے دست آہنی سے بچا دیا۔ پھر جہانگیر کے انتقال کے بعد جب شہنشاہ شاہجہاں تخت نشین ہوا اور پورا امن قائم ہو گیا تو اس نے اس کی سرکوبی کرنی چاہی اس مرتبہ اس کی موت کے ساتھ اس کی تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔ اسکا بیٹا جھجھار سنگھ دربار میں عزت و رسوخ کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ پھر بھی تھا تو نر سنگھ ہی کا لڑکا باپ کے مرنے کی خبر سنتے ہی یہ راتوں رات آگرہ سے بھاگ کر اپنے علاقہ میں پہنچ گیا۔ اور پدری روایات کے مطابق زور شور کے ساتھ عمل شروع کر دیا۔ یہ دربار میں رہ کر شاہی قوت کا اندازہ کر چکا تھا اس لئے اس نے ہندیلے کو ہستانی سلسلہ کو دشوار گذار سمجھکر اپنا مرکز بنا لیا۔

ججھار پر شاہی افواج کی یورش شاہجہاں نے اس شورش کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کی یہ تدبیر کی کہ اسے چاروں طرف سے گھیر کر وہیں اسکا گلا گھونٹ دیا جائے۔ چنانچہ ایک طرف سے خان روہیلہ۔ دوسری طرف خانخاناں اور مہابت خاں اور تیسری طرف خود شاہجہاں اس کی طرف بڑھے اور قلعہ ویرچ پر قبضہ کرکے شاہی افواج نے پہاڑی بلندیوں پر چڑھنا شروع کیا۔ عین اسی وقت دروں سے ججھار کی فوجیں نکلکر شاہی فوج پر ٹوٹ پڑیں بہت نقصان ہوا مگر علاقہ فتح ہو گیا۔ ججھار بچکر نکل گیا اور مجبور ہو کر اس نے منت کے ساتھ معافی چاہی شاہجہاں نے تمام مقبوضہ پرگنے نکال لئے۔ (۱۵) لاکھ روپیہ اور چالیس ہاتھی تاوان جنگ میں وصول کئے اور قصور معاف کر کے چار ہزار سوار اس کی ماتحتی میں دئے اور اُسے اس کی جاگیر میں ہی بھیجدیا۔ کچھ مدت تک یہ وفادار رہا۔ دکن میں شاہی فوج کے ساتھ اس نے کارہائے نمایاں کئے اور اسکا اعتبار بڑھ گیا۔ اس کے بعد پھر اس کی رگ شیطنت پھڑکی دکن سے چھپکر بھاگا۔ اپنے علاقہ میں واپس آیا اور نہ صرف یہ کہ شاہی تعلقہ دار بھیم نرائن کو فریب کاری سے قتل کر دیا بلکہ تمام شاہی خزانہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

پست فطرتی کا شرمناک مظاہرہ شاہی افواج کے سر پر پہنچنے سے پھر اس نے گھبرا کر معافی مانگ لی اس کی کمینگی دیکھئے اور پھر شاہجہاں کی بلند اخلاقی کہ اس نے اسے پھر معاف کر دیا اور صرف اسی بیس لاکھ کے وصول کرنے پر اکتفا کر لی جو اس نے شاہی خزانہ سے لوٹ لیا تھا اور اِدھر اُدھر سے وصول کیا تھا جب معافی کا پروانہ اس کے پاس پہنچا تو روپیہ دینے سے صاف انکار کر دیا اور پھر باغی ہو گیا کہ اب فوجیں تو واپس ہی

ہی ہوگئیں تھیں۔ اب شاہجہاں کے غصہ کی کوئی حد نہ تھی۔ اس نے شاہزادہ اورنگ زیب کو اس کی سرکوبی و استیصال کے لئے مامور کیا۔ ججھار سنگھ کے پاس دولت بھی بہت زیادہ تھی ایسے فوجی جوان بھی تھے جو کوہستانی راستوں سے بخوبی واقف تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ علاقہ کا علاقہ خاردار درختوں سے گنجان جنگلوں اور پرپیچ اور دشوار گذار راستوں سے معمور تھا اور کوئی بیرونی فوج اس علاقے میں خود کو خطرے میں ڈالے بغیر آگے نہ بڑھ سکتی تھی۔ کیونکہ قدم قدم پر اس امر کا خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں حریف کسی درّے کسی گوشے اور کسی جنگل سے نکلکر اچانک حملہ نہ کردے اور ایسا ہوتا بھی رہا تھا۔

شہزادہ اورنگ زیب نے سب سے پہلے یہ کیا کہ ہزارہا بیلداروں کو ساتھ لیا جو برابر جنگل صاف کرتے، درختوں کو کاٹتے اور پتھروں کو راستہ سے ہٹاتے چلے جاتے تھے اور پیچھے پیچھے فوج شاہی کا ایک سیلاب عظیم بڑھتا چلا آرہا تھا۔ اورنگ زیب بڑا مستقل مزاج اور ہمت کا دھنی تھا وہ تمام دشوار گذار راستوں کو صاف اور طے کرتا ہوا قلعہ آوندر کے نیچے پہنچ ہی گیا اور قلعہ کا محاصرہ کرلیا جس پر ججھار اپنے پانچ ہزار سپاہیوں کو لئے ہوئے موجود تھا جو فصیل شہر سے تیروں کا مینہہ برسا رہے تھے۔

پاربتی کی عدیم المثال دلیری

موقعہ سخت نازک تھا ججھار بھاگ گیا ہوتا مگر اس کی پرچھائیں اور شیر دل بیوی پاربتی تمام ہتھیار اپنے جسم نازنین پر سجائے اس کے برابر کھڑی فوج کی ہمت بڑھا رہی تھی اور نئی نئی تدابیر عمل سوچتی تھی ایک روز یہ ایک ہزار جوانوں کو لیکر بڑھی اور دروازہ قلعہ کی آڑ میں

کھڑی ہو کر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ آپ سنکر حیران رہجائینگے کہ پاربتی جیسی نازنین تین روز تک علی الاتصال محاصر فوج پر تیر اور گولیاں برساتی رہی اور اسی اثنا میں اس نے اپنے شوہر کو شبخون مارنے کا مشورہ دیدیا۔ شبخون سے فوج قتل ہونے لگی اور نگ زیب فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ نقصان تو واقعی بہت پہنچ گیا مگر اس نے یکبارگی یورش کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ جھجھار اور پاربتی دونوں خزانہ سمیت دھاموتی کے قلعہ میں پہنچ گئے وہاں پاربتی نے اس شدت کے ساتھ مدافعت کی کہ شاہی فوج نے مجبور ہو کر کمندیں ڈالدیں فصیل پر چڑھ گئے۔ دروازہ کو آگ لگادی۔ رات کا وقت تھا۔ قلعہ کے اندر گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اتفاق کی بات تھی کہ جھجھار کسی طرح نکل گیا۔ باقی عورتیں بچے اور مرد سب گرفتار ہو گئے۔ مال واسباب لوٹ کر قلعہ کو بارود سے اُڑا دیا گیا۔ قریب ہی جھاڑیوں سے چھپے ہوئے چار بڑے بڑے کنوئیں زر و سیم سے لبریز ملے۔ غور کیجئے کہ اس زمانہ میں کتنی دولت تھی کہ ایک پرگنہ بھی تموّل سے مالا مال تھا۔

پاربتی کی شجاعت و بسالت کا حیرت انگیز نظارہ

شہزادہ اورنگ زیب جھجھار کے تعاقب میں برابر بڑھا چلا گیا۔ کوئی دو ہفتہ کے بعد ایک جگہ مقابلہ ہو گیا۔ زور شور کی لڑائی ہوئی۔ اس جنگ کی قاید پاربتی تھی جس نے پانچ گھنٹہ متواتر تلوار چلائی بڑھ بڑھ کر حملے کئے اور اس جانبازی اور جرات کے ساتھ لڑتی رہی کہ اورنگ زیب کے منہ سے بھی آفرین نکل گئی۔ سپہ کمال یہ تھا کہ جوش شجاعت میں تنہا آگے نکل نکل آتی تھی اور فوج میں گھس گھس کر حملے کرتی تھی۔ جھجھار اور اسکا بیٹا بکرماجیت بھی لڑ رہا تھا۔

پاربتی نے تو قدم پیچھے ہٹانا ننگ سمجھا۔ وہ لڑتی ہی رہی

مگر جھجھار اور بکرماجیت دونوں صرف اس بہادر رانی بلکہ تمام زر و جواہر اور عورتوں کو وہیں چھوڑ اور سر پر پاؤں رکھکر بھاگ گئے۔ شیر دل رانی نے آواز بھی دی کہ بہادر میدان نہیں چھوڑا کرتے۔ مگر ان بزدلوں نے ایک نہ سنی۔ ان کے بھاگتے ہی دل شکستہ فوج بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ پاربتی تنہا رہ گئی اور گرفتار ہو گئی۔ دوسرے تیسرے دن جھجھار اور بکرماجیت بھی متعاقب فوجوں کے ہاتھ قتل ہو گئے اور جب ان کے سر اورنگ زیب کے سامنے پیش ہوئے تو وہ بہت خوش ہوا اور بڑے کروفر سے آگرہ پہنچا اور جہاں دونوں بہ تشہیر کے سبب قلعہ کے دروازہ پر آویزاں کر دیئے گئے۔

پاربتی کا اسلام

رانی پاربتی جب گرفتار ہو گئی تو ہر جگہ اسکی شجاعت و دلیری کی تعریف ہونے لگی۔ واقعی اگر اسوقت رانی کے مقابلہ پر کوئی اور فوج اور کوئی اور سپہ سالار ہوتا تو اس سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل تھا۔ سب سے زیادہ نقصان رانی ہی نے پہنچایا اگر رانی مقابلہ پر نہ آگئی ہوتی تو اورنگ زیب پہلے حملہ میں جھجھار کو تباہ کر کے رکھ دیتا۔ چونکہ پاربتی محض ایک پرگنہ اور پہاڑی علاقہ کی رانی تھی اس لیئے اس کی جرات اور جمال کو اتنی شہرت نصیب نہیں ہوئی جتنی کہ ہونی چاہیئے تھی۔ پھر بھی تاریخ کے اندر اسکا نام زریں حروف میں مرقوم ہے۔ شاہجہاں نے بھی اس کی ہمت و بسالت کی بہت تعریف کی۔ تمام اسیروں کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا جو مسلمانوں کا ایک طرہ امتیازی رہا ہے۔ ہاں قتل کے سوا انکی اور کوئی سزا ہو ہی نہ سکتی تھی۔ اس سلوک سے متاثر ہو کر تمام اسیر مسلمان ہو گئے اور پاربتی شاہی حرم میں اعزاز داخل کر لی گئی۔

زہد و عبادت رانی پاربتی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ کبھی میدان کارزار سے پیٹھ موڑ کر نہیں بھاگی۔ ہر جنگ اور ہر معرکہ میں اپنے شوہر کے دوش بدوش رہی اور اس جرأت و جلادت کے ساتھ لڑی کہ ہر طرف اس کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ جھجھار بھی اس کی بہادری پر نثار تھا۔ جس وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اور اپنے صندلین جسم پر اسلحہ آراستہ کر کے میدان میں آتی تھی تو اس کی فوج میں ایک برقی روح دوڑ جاتی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پاربتی ایک مستجمع الصفات نازنین تھی۔ نہایت خلیق و خوش مزاج طبیعت میں بہت انکسار تھا۔ غربا کا بہت خیال کرتی تھی۔ کسی کا دل دکھانا گوارا نہ تھا۔ زندگی بھر شوہر کی پرستار رہی۔ دونوں میں محبت نہیں عشق تھا۔ حسن و رعنائی کا یہ عالم تھا کہ اس عہد میں وہ عدیم النظیر خیال کی جاتی تھی مسلمان ہوئی ہے تو زہد و عبادت اور اتقاء و دینداری میں طاق نکلی۔ تاریخ شاہد ہے کہ بندیلہ کی یہ رانی حرم شاہی میں آکر بھی ممتاز رہی۔ ہر کہ و مہ اس سے محبت کرتا تھا اور یہ بھی کسی کو شکوہ کا موقع نہ دیتی تھی۔ پوری زندگی عیش و کامرانی میں گذری اور یہ نازنین تاریخ میں اپنا نام کر گئی۔

جہانگیر کی گل اندام رانی

اخلاقی مرتبہ جودھا بائی شہنشاہ جہانگیر کی محبوب بیوی اور جودھپور کے راجہ دوسے سنگھ کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اول تو جودھپور کی راجکماری کو ویسے ہی لائق۔ بہادر، تعلیم یافتہ اور حسین ہونا چاہیئے تھا کہ یہ ریاست ہمیشہ ممتاز و سربلند رہی ہے پھر بھی اسے ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ باپ نے اس کی ذہانت و طباعی کا اندازہ کر کے اسے پوری تعلیم دی اور فنون سپہ گری میں بھی طاق کر دیا۔ یہ اس کی حسن تربیت اور اعلیٰ تعلیم ہی کا اثر تھا کہ اسکا اخلاقی مرتبہ بہت بلند ہو گیا تھا۔ نہایت خلیق

اور منکسر المزاج تھی اور نام و نمود سے دلی نفرت تھی۔ نہایت فہیم صائب الرائے
بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھی۔ اس کی زبان سے ایسے لطیف اور معنی خیز فقرے
نکلتے تھے کہ محل والیاں سب پھڑک اٹھتی تھیں۔ اس سے اکثر نور جہاں بیگم
کے ساتھ بھی بحثیں ہوا کرتی تھیں جنہیں جہانگیر خود بھی بہت دلچسپی لیا کرتا تھا۔
بعض اوقات تو وہ ایسی لطیف تعریضیں کر جاتی تھی کہ نور جہاں جیسی فاضلہ کو
جواب بن نہ پڑتا تھا اور خاموش ہوتے ہی بن پڑتی تھی۔

حسن جہاں اور گلعذاری کا فرماجرائی میں بھی بے ہمتا تھی۔ اس کے حسن
شباب کا دور دور تک شہرہ ہو چکا تھا اور ہر راجکمار کو اس کی آرزو تھی۔

حسن جہاں

چونکہ باپ کی لاڈلی تھی اور بہت ذہین و عقیل تھی اس لئے
اس نے اُسے پوری آزادی دے رکھی تھی جس عمر میں
خاص طور پر نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے اس عمر میں یہ بالکل آزاد تھی جہاں
چاہتی چلی جاتی اور جس جگہ دل چاہتا بیٹھتی کوئی پابندی اور کوئی
روک ٹوک نہ تھی راجہ اسے حد سے زیادہ چاہتا اور اس کی دلجوئی کرتا تھا
اس نے شادی کا اختیار بھی اسے ہی دے دیا تھا۔ جو پیغام آتا وہ اسے اس کے
پاس بھیج دیتا۔ بہت سے پیغام آئے مگر اس نے کسی کو منظور نہیں کیا۔ اور
سب کو برابر انکار کرتی رہی۔

جس وقت جودھا بائی تازی گھوڑے پر سوار تمام اسلحہ جسم نازنین
پر سجائے ہوئے باہر نکلتی تو ساری فضا منور ہو جاتی۔ گھوڑے پر سوار
ہونے میں اسے کمال حاصل تھا شمشیر زنی اور تیر افگنی میں جواب نہ رکھتی
تھی۔ نہایت جری اور شجاع رانی تھی۔ جب موقع ملا ہے وہ مردانہ وار
معرکہ کارزار میں آئی ہے اور پوری دلیری و جرات کے ساتھ لڑی ہے
جہانگیر راجپوتانہ کی طرف مہم لیکر گیا ہے تو اسی ماہ پیکر دوشیزہ نے اس
کے حملوں کو روکا اور اس سے مقابلہ کیا ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر

بارہا میدان میں آئی اور لڑی لیکن مغلیہ سطوت سے عہدہ برآ ہونا اُسکے قابو کی بات نہ تھی جب تک اس سے ہو سکا وہ حملوں کو روکتی رہی۔ لیکن آخر میں جودھپور فتح ہو گیا۔

جودھا بائی محل شاہی میں

لیکن جودھپور کی یہ مغلوبیت و شکست بھی اس کے عروج کا باعث بنگئی راجہ نے اکبر کی اطاعت کر کے سیادت قبول کر لی۔ خراج دینا منظور کیا اور اظہار وفا و عقیدت کے طور پر اپنی عدیم المثال نازنین اور مہ جمال و لائق بیٹی کو نذر میں پیش کیا۔ آگرہ آیا۔ دربار میں گیا اور تخت شاہی کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر عرض کی کہ میں اپنی جان سے زیادہ محبوب بیٹی اور راج کے انمول ہیرے کو جہانگیر کے عقد میں دیتا ہوں ایک طرف تو جودھا بائی ملکۂ عالم بنی اور دوسری طرف اس کے باپ کو کھوئی ہوئی ریاست مل گئی۔ رانی کے حسن و لیاقت نے جہانگیر کو اپنا عاشق بنالیا۔ حرم سرا میں اسی کا طوطی بولنے لگا۔ اور نور جہاں بیگم کے آنے تک اس کی محبوب ترین ملکہ جودھا بائی ہی رہی۔ نور جہاں کے آنے کے بعد یہ تو ضرور ہوا کہ وہ جہانگیر کی مرکز نظر بن گئی۔ لیکن اُس سے جودھا بائی کی عظمت و مرتبت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ اتنی قابل و حسین تھی کہ اس کے بعد بھی جہانگیر نہ صرف یہ کہ اس کی محبت کرتا رہا بلکہ اس کی عزت و منزلت کا بھی اس نے پورا پورا خیال کیا۔ اس کے اقتدار میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ وہ نور جہاں کی پوری حریف بنی رہی۔ نور جہاں کو بھی اس کی تہذیب و قابلیت کا پورا اعتراف تھا۔ جودھا بائی کی تمام زندگی عیش میں گذری اور اس انقلاب و حوادث سے اُسے کوئی واسطہ نہ پڑا۔

اورنگ زیب کی ہندو رانی

حسن و جمال اور شجاعت و بسالت بائی اودیپوری۔ مہاراجہ اودیپور کی بیٹی اور شہنشاہ اورنگ زیب کی ملکہ تھی۔ چونکہ راجپوتوں کے ایک ممتاز اور مایہ ناز خاندان کی ایک شمع جہاں افروز تھی اور شرافت و اخلاق، علم و فضل، شجاعت و بسالت اور حسن و شباب میں یگانہ روزگار تھی اس لئے قریب قریب تمام ہندوستانی راجکماروں کے پیغام اسے پہنچ گئے۔ لیکن اس نے کسی ایک کو بھی اپنے قابل نہ سمجھا اور پچیس برس کی عمر تک یہ کلی اپنی خوشبوؤں سے آپ ہی مست و سرشار رہی۔ فنون سپہگری میں بھی یگانہ تھی۔ اتنی نازک آفرین اور گل اندام دوشیزہ کہ اس کے رخساروں کو چاندنی میلا کرتی تھی میدانِ جنگ میں گھوڑے پر سوار ہو کر اور اسلحہ جسم پر سجا کر آتی اور مردوں کے دوش بدوش لڑتی اور اپنے برق جمال اور شمشیر زنی سے دنیا کو متحیر بناتی۔ شہنشاہ اورنگ زیب کی مصروفیات سے فائدہ اٹھا کر راجپوتانہ کے رجواڑوں نے سرکشی کا اظہار جو شروع کیا تو وہ ان کے سروں پر برق دبا کی طرح جا پڑا۔ اجمیر میں باغیوں کو ایک خطرناک جنگ میں شکست دی اور وہاں سے جے پور، جودھپور اور دیگر رجواڑوں کو دباتا ہوا اودے پور کی طرف چلا۔ لیکن مہاراجہ نے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اطاعت کا اقرار کر لیا۔

اودے پور پر شاہی یلغار اودے پور کا راجہ گو نہ غرور و نخوت میں ڈوبا ہوا تھا اور سلطنت کے فرمانوں کو خاطر میں کم لاتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اس کی زندگی آزادانہ ہو اور ہندوستان کے رجواڑوں میں اس کی ایک امتیازی حیثیت قائم رہے اس نے

اس نے اسوقت تو شہنشاہ کو سر پر دیکھکر خراج دینا منظور کر لیا مگر ایک قلیل وقفہ مدت ہی کے بعد اس نے ایک عظیم الشان فوج مقابلہ کے لئے فراہم کر کے بغاوت کا علم بلند کر دیا اور یہ بھول گیا کہ وہ بغاوت کس کے مقابلے میں کر رہا ہے۔ اورنگ زیب یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور وہ پوری قوت کے ساتھ سیلاب بنکر اس کی طرف بڑھا۔ اورنگ زیب نے شہزادہ محمد اکبر کو اس کی سرکوبی کے لئے مامور کیا اور دوسری طرف محمد معظم اور محمد اعظم کو فرمان لکھدئے کہ وہ بھی اپنی قہار فوجیں لیکر فوراً اسطرف روانہ ہوں۔ مہاراجہ یہ سیلاب امنڈتا دیکھکر سراسیمہ ہو گیا اور راؤدے پور کو آپ ہی اجاڑ کر کوہستانی دروں میں اہل و عیال سمیت جا گھسا۔ شہزادہ معظم بھی اس اثناء میں اجین پہنچ چکا تھا۔ اورنگ زیب نے تو اسے حکم بھیجا کہ تالاب نا ساگر کی طرف بڑھ کر اپنی تمام فوجیں ان کے علاقے میں پھیلا دے۔ محمد اعظم کو گھوم کر دوسری طرف سے راستہ گھیر لینے کا فرمان بھیجا۔ اور محمد اکبر کو ہدایت کی کہ وہ دروں گھاٹیوں اور کوہستانی سلسلوں میں دلیرانہ گھسکر مہاراجہ اور اس کے زن و فرزند کو زندہ گرفتار کرے۔

دینداری واتقاء

ہر طرف سے خود کو محصور پا کر رانا پچاس ہزار سوار لیکر محمد اعظم پر حملہ آور ہوا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں سب کے سب راجپوت کٹ گئے۔ سامنے سے محمد اکبر نے دروں میں گھسکر رانا اور اس کے تمام اہل و عیال کو زندہ گرفتار کر لیا اور تمام علاقے پر شاہی تسلط قائم ہو گیا۔ جو اسیران شاہی دربار میں پیش ہوئے ان ہی میں بائی اودے پوری بھی تھی۔ شہنشاہ اس کی دانائی و شجاعت کی داستانیں سن چکا تھا۔ اس کی دوشیزگی و بیچارگی پر ترس آ گیا اور اس کے مسلمان ہونے پر اس کے ساتھ شادی کر کے اسے ملکہ بنا دیا اور اس کی اتنی دلجوئی کی کہ اس کے دل سے اپنی شکست

کا داغ دیا گیا۔ کام بخش اسی کے بطن سے پیدا ہوا۔ محل میں اس کی بڑی عزت تھی۔ رانی نے ملکہ بنکر عربی و فارسی میں بھی کمال پیدا کیا اور دینداری و اتقاء اور دانائی و لیاقت کا شاندار مظاہرہ کیا۔

مرہٹہ رانی

حسن و شجاعت رانی تلسی بائی حسن و سپہگری دونوں میں کمال رکھتی تھی اور بڑی دلیر اور شجاع نازنین تھی۔ مرہٹہ قوم کو اس کی قیادت پر ناز تھا عہد عالمگیری میں برہانپور اس کے شوہر سے نکل گیا۔ شوہر مر گیا لیکن رانی کے دل سے برہانپور کی یاد نہ گئی۔ اس نے فرزندان اورنگزیب کی جنگ تخت نشینی کے دوران میں اپنی قوت کو منظم کیا اور شاہ عالم کے عہد میں ۱۲ ہزار سوار اور بیشمار پیدل سپاہ ساتھ لیکر برہانپور کی طرف روانہ ہو گئی اور امیر احمد خاں صوبیدار سے گیارہ لاکھ چوتھ کا مطالبہ کیا اور بصورت انکار جنگ کی دھمکی دی صوبیدار کے پاس اسوقت فوج نہ تھی لیکن اسلامی شجاعت کا یہ کتنا شاندار مظاہرہ تھا کہ امیر احمد خاں نے اپنی صرف آٹھ سو جوانوں کی فوج سے ایسا پرجوش حملہ کیا کہ مرہٹوں کے قدم اکھڑ گئے۔ دور تک تعاقب ہوا مگر افسوس ہے کہ بہادر امیر احمد خاں زخموں سے چور تھا تھک کر ایک درخت کے نیچے جو بیٹھا تو پھر نہ اٹھا اور وہیں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ رانی سمجھتی تھی کہ امیر احمد خاں کیا چیز تھا اسے جو اس کے انتقال کی خبر ملی تو بپھر کر لوٹ پڑی۔ اب اسے روکنے والا کون تھا۔ برہانپور پر قبضہ کر کے سلب و نہب و قتل و غارتگری کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ خوب لوٹا۔ اور بڑے بڑے معززین کو بہیمانہ طریق پر ذلیل کیا جس سے ایک کہرام مچ گیا۔

میدان جنگ میں دلیرانہ اقدام اس وقت شاہ عالم ایک مہم میں مصروف تھا۔ امیر احمد خاں کی شہ

نہ ہوتے ہوئے
رانی نے نہایت
پاس فوج بکثرت تھی۔ اُن
طاری ہوگیا اور وہ لئے ملک کی حد
پنجاب بھر میں رانی کی شجاعت و قابلیت
غلامی کی لعنت سے بچ گیا۔

انگریزوں سے مقابلہ

۱۷۹۶ء میں وہ راجہ ناہن کی وجہ
فرنگر نے گئی۔ تین ماہ کے بعد
لوٹی۔ ۱۷۹۸ء میں ایک اور آفت آئی اور انگریزوں
فوج نے پنجاب کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ہانسی حصار پر
انگریزوں کا سپہ سالار ایک بہادر انگریز جارج ٹامس تھا۔ ہزار
توپیں اور آٹھ رجمنٹ تھیں۔ ٹامس نے بڑھ کر جیند کا محاصرہ
کر دو کے تمام سکھ سرداروں نے مقابلہ کیا مگر سب کو شکست ہوئی۔
اُسی وقت صاحب کنور پہنچ گئی اور اس نے انگریزوں کو اتنا دبایا کہ وہ دوسرے
راستے سے جہلم کی طرف نکل گئے۔
سکھوں نے تعاقب کیا مگر سخت شکست کھائی کیونکہ صاحب کنور اُنکے
ساتھ نہ تھی۔ سکھ مجبور ہو گئے اور اب انہیں پھر انگریزوں سے مصالحت کرنی پڑی۔
صرف انگریزوں کے مقابلہ میں رانی کوئی کار نمایاں نہ کر سکی مگر اسکا رعب ضرور
بیٹھ گیا۔ اور کم از کم پٹیالہ اس وقت اُن کے فطری تسلط سے ضرور محفوظ رہ گیا۔
دوسرے ابھی رانی کو اتنا موقعہ بھی نہ ملا تھا کہ وہ اپنی فوج کو انگریزوں سے
لڑنے کے قابل بنا سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ رانی نے سکھوں کی ذلت خیز مصالحت کو گوارا
کر لیا۔ اور وہ ٹامس کو شکست نہ دے سکی۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی توپوں کا مقابلہ

…ر وحشت ہو رہے تھے

…را نی کے اقتدار کے سامنے

…ران ہی۔ رانی پر تو ان کا کوئی قابو

…ے کان بھرنے شروع کر دیے۔ چنانچہ

…مہری اختیار کی اور پھر اس سے بدسلوکی کرنے

…پچی کہ اس نے صاحب کنور پر علانیہ الزامات عاید کرنے

…میں سخت ترین الزام یہ تھا کہ رانی کو چند سرداروں سے

اور اس کا وجود ریاست کے لئے شدید خطرات کا باعث بن گیا

…ہوئی نگاہ دیکھ کر اپنی جاگیر میں چلی آئی اور ایک قلعہ تیار

…میں رہنے لگی۔ راجہ نے حکم دیا کہ تمہارا تنہا رہنا بدنامی کا باعث ہے

لہٰذا اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔ رانی نے اس حکم کی کوئی پرواہ نہ کی تو راجہ

…س کی سرزنش کے لئے روانہ ہوا۔ مجبور ہو کر رانی پٹیالہ جانے پر رضامند ہو گئی

لیکن راستہ میں ایک سکھ سردار نے کہا کہ پٹیالہ جانا مناسب نہیں کہ راجہ کی نیت

صاف نہیں اس لئے وہ بھاگ کر بھیران میں جا چھپی راجہ نے تعاقب کیا اور اس

وعدہ کر لیا کہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا جائیگا مگر راستہ ہی میں گرفتار کر کے

قید کر دیا۔ رانی کچھ مدت تک قید رہی اس کے بعد کسی طرح قلعہ سے بھاگ کر

پھر بھیران میں آ گئی۔ اب راجہ نے بھی کوئی تعرض نہ کیا وہ اپنی جاگیر کا انتظام کرتی

کبھی شوہر کے پاس بھی جاتی تھی دونوں شادی ساتھ رہے۔ شوہر بھی کبھی اس کے پاس

جاتا تھا اس سے لوگوں کو بڑے بڑے شبہات پیدا ہوئے سنہ ۱۷۹۹ء میں کہ رانی

…ان ہی تھی کہ پیام اجل آ پہنچا۔ بعد کو راجہ بھی اپنی بدسلوکی پر پچھتایا۔ رانی صاحب کنور

چال چلن پر شوہر سے علیحدگی کے باعث خود راجہ اور لوگوں کو شبہات ضرور رہتے مگر اسمیں

…ک نہیں کہ وہ نہایت لائق اور مدبر رانی تھی پٹیالہ پر اس کے بہت احسان ہیں اور اس نے بڑے